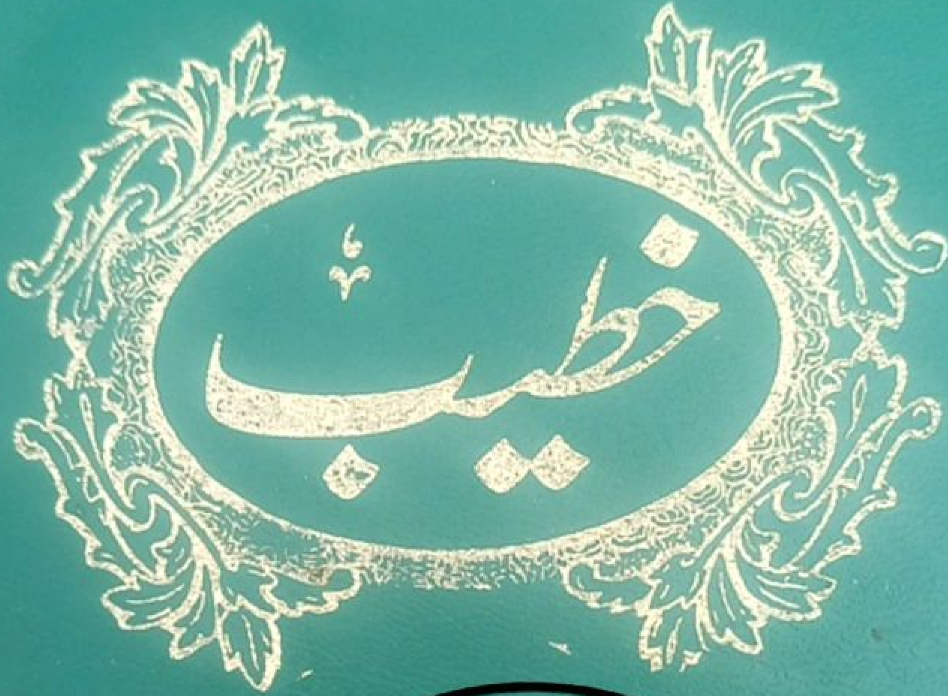
سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر کے خطابات کا مجموعہ







نشر و اشاعت کے محاذ پر اہلسنت کے لیے

فرید بک سٹال کی مطبوعات کی فہرست

فاضل شہیر مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلوی کی مندرجہ ذیل تصانیف نئے سرے سے آفسٹ کتابت نفیس چھپائی و بہترین جلدوں میں پیش خدمت کی جا رہی ہیں تفصیل حسب ذیل ہے :

خطبات اوّل	(مجلد فوم پلاسٹک)	۲۲/۵۰
〃 دوم	〃	۲۲/۵۰
خطیب	〃	-/۲۷
واعظ اوّل	〃	۲۲/۵۰
〃 دوم	〃	۲۲/۵۰
〃 سوم	〃	۲۴/۵۰
〃 چہارم	〃	۲۲/۵۰
نماز مدلل	(مجلد پارچہ)	-/۱۲
سچی حکایات اوّل	(مجلد ڈسٹ کور)	۱۶/۵۰
〃 دوم	〃	-/۱۸
〃 سوم	〃	-/۱۸
〃 چہارم	〃	-/۱۵
〃 پنجم	〃	۱۳/۵۰
عورتوں کی حکایات	(مجلد فوم پلاسٹک)	-/۲۴
مثنوی کی حکایات	(مجلد ڈسٹ کور)	-/۲۴
شیطان کی حکایات	〃	۱۰/۵۰

دیگر مطبوعات جو دستیاب ہیں :

الفاروق شبلی نعمانی	-/۲۱
طب روحانی	۵/۲۵
مسند امام اعظم	-/۳۵
سنی بہشتی زیور	-/۲۷
مثنوی مولانا روم مکمل ۶ جلد	-/۱۸۰
فتاویٰ عالمگیری اردو مکمل ۱۰ 〃	-/۶۵۰
دیوانِ حافظ مجلد	-/۳۰
دلی کے بائیس خواجہ مجلد	۱۳/۵۰
توضیح البیان از مولانا علامہ غلام رسول سعیدی (مجلد فوم پلاسٹک)	-/۲۷

ناظرین شائقین اور تاجران کتب پتہ ذیل پر رابطہ قائم کریں اور تبلیغ و اشاعت میں تعاون کریں ،

ناشر: فرید بک سٹال، ۴۰ اردو بازار لاہور

سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب مولف کتاب واعظ کے

چوبیس (۲۴) خطابات کا مجموعہ



خطیب

ان خطابات میں ملکی وملی، اور دینی ومذہبی مسائل کا مدلل ومفصل بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ موجودہ مسلمانوں کے انحطاط وپستی کی اصل وجہ کیا ہے؟ آج کل ہمارے معاشرہ میں جو جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کی نشاندہی کر کے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ مسلمانوں کے عقائد واعمال کیسے ہونے چاہییں، کن چیزوں سے انہیں بچنا چاہیے اور کون کونسی چیزیں اپنانا چاہییں ان سب ضروری باتوں کا ان میں ذکر ہے، علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، مسلکِ اہلِ سنت کی حقانیت کے دلائل بھی اس میں بیان کر دیے گئے ہیں ساتھ ہی ساتھ دلچسپ اشعار اور نتیجہ خیز حکایات ولطائف بھی موجود ہیں

ناشر

فرید بک سٹال ۔ ۳۸ اردو بازار ۔ لاہور

نامِ کتاب : ———— خطیب

مؤلف : ———— سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب
کوٹلی لوہاراں۔ ضلع سیالکوٹ

کاتب : ———— امان اللہ خوش نویس۔ حضرت کیلیانوالہ
ضلع گوجرانوالہ

مطبع : ———— جنرل پرنٹرز ۱۰/۲۲ ریٹیگن روڈ۔ لاہور

ناشر : ———— فرید بُک سٹال، ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

قیمت : ———— ۲۷/ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلی نظر

سقوط ڈھاکہ کے بعد کاغذ کی جو مشکلات پیدا ہو گئیں۔ ان کی زد میں ماہِ طیبہ بھی آگیا۔ نیوز رنہ ل سکنے کے باعث سفید کاغذ چار گنا زائد قیمت پر خرید کر ایک دو اشاعتوں ہی میں مجھے کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ خریداروں کی بے حسی اور نادہندہ ایجنٹوں کی بے نیازی و خاموشی نے مجھے اور بھی زیادہ ٹھیس پہنچائی اور مجھے ناچار اکیس سال کے بعد ماہِ طیبہ بند کر دینا پڑا۔ ماہِ طیبہ کا بند ہو جانا احبابِ اہل سنت کو ناگوار تو گذرا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کی بندش کی ایک بڑی وجہ سُنیوں کی روایتی بے حسی ہے۔"

ماہِ طیبہ پر جتنی محنت میں نے کی ہے۔ خدا ہی جانتا ہے۔ اور آپ بھی اقرار کریں گے۔ کہ بیشک میں نے اُسے ایک مفید، مقبول عام اور کامیاب ماہنامہ بنا ڈالا تھا مگر افسوس کہ حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے۔ کہ مجھے بجز اس کے کہ اسے بند کر دیا جائے اور کوئی صورت نظر نہ آئی۔"

ماہ طیبہ کی پہلی نظر۔ درس قرآن۔ درس حدیث میں خود لکھتا ہوں۔ سچی حکایات و دلچسپ صفحات خود تیار کرتا۔ اور مولوی کے نام سے نمکین صفحہ بھی خود ہی لکھتا۔ مزاحیہ نظمیں۔ آجکل اور ماڈرن مثنوی حاجی حق حق کے نام سے میں خود ہی لکھتا رہا اور میرا ذہن ہر وقت رسالہ ہی کی طرف لگا رہتا تھا۔ مجھے یکسوئی میسر نہ تھی۔ رسالہ کے بند ہو جانے سے میرے ذہن سے اب یہ بوجھ اتر گیا ہے اور اب میں نے یکسوئی پاکر چند ایک نئی کتابیں لکھ ڈالیں ہیں اور انشاء اللہ اور بھی لکھوں گا۔"

واعظ کے چاروں حصوں کے بعد ملکی و ملی اور دینی و مذہبی مسائل پر کچھ نئے خطاب لکھے ہیں، چونکہ ان میں ملکی و ملی اور سیاسی باتیں بھی ہیں۔ اس لئے ان کا نام بجائے وعظ کے خطاب رکھا ہے اور ان کے مجموعہ نام خطیب۔

پہلا خطاب سقوط ڈھاکہ" ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے۔ کہ اس سقوط کی اصل وجہ کیا ہے۔ دوسرا خطاب اسلامی جہاد ہے۔ جو موجودہ دور میں ایک ضروری خطاب ہے۔ اسی طرح اس مجموعہ میں پورے چوبیس خطاب ہیں۔ جنہیں پڑھ کر آپ انشاءاللہ یقیناً مستفیض، محظوظ ہوں گے"

خطیب کے علاوہ دوسری کتاب میں نے" مثنوی کی حکایت لکھی ہیں مثنوی شریف کی حکایات کو عام فہم اور سادہ زبان میں لکھ کر پھر ہر حکایت کے بعد ایک مفصل وطویل سبق بجائے خود ایک مستقل وعظ ہے"

اس کے بعد تیسری کتاب "عورتوں کی حکایات لکھ رہا ہوں۔ اس میں حضرت حوّا رضی اللہ عنہ سے لے کر انبیاء کرام علیہم السلام کی ازواج ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ۔ اور بنات طیبات ۔ اور حضور کی دیگر متعلقات کی حکایات جمع کی ہیں ۔ پھر صحابیات ان کے بعد ولیّات کی حکایات اور پھر سب سے آخر میں آجکل کی ماڈرن عورتوں کی دلچسپ اور عبرت آموز حکایات جمع کی ہیں ۔ ان حکایات کی ہر حکایت کے بعد جو سبق لکھا ہے وہ سونے پر سہاگہ نظر آتا ہے ۔ الغرض یہ کتاب بھی پڑھنے کے لائق ہو گی ۔ اور ان شاء اللہ اسے بھی مرد پڑھیں گے اور عورتیں بھی فی الحال آپ کی خدمت میں خطیب حاضر ہے ۔ پڑھیے ۔ اور مستفید ہوجیے

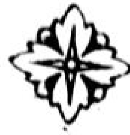
ابو النور محمد بشیر





موضوع میرا ہے یہی لکھتا ہوں میں یہی
بعد از خدا بزرگ خدا کا حبیب ہے
جو ان سے دور ہے وہ خدا سے بھی دُور ہے
ان کے قریب ہے جو وہ حق کے قریب ہے
مقبول عام و خاص مری ہر کتاب ہے
پڑھتا ہے جو بھی کہتا ہے کتنی عجیب ہے
"واعظ" کے چار حصّے تو پڑھ چکے ہیں آپ
لیجیے اب ان کے بعد یہ حاضر "خطیب" ہے

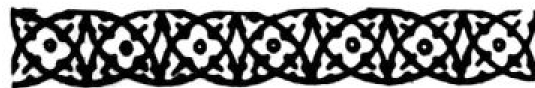
ابو النّور محمّد بشیر



چار حصے میں نے "واعظ" کے لکھے
اہلِ حق سب مستفید ان سے ہوئے
اور بھی لکھ ڈالی ہے میں نے کتاب
پورے چوبیس (۲۴) اس میں لکھے ہیں خطاب
ہیں خطاب اس کے باندازِ عجیب
میں نے اس کا نام رکھا ہے "خطیبؔ"
ہے دُعا میری کہ اے ربّ انام
مثلِ واعظ یہ بھی ہو مقبولِ عام

آمین!

فہرست مضامین





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



پہلا خطاب

سقوطِ ڈھاکہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝

(پ۲۵۔ ع۵)

(ترجمہ) اور تمہیں جو مصیبت پہنچی۔ وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔ اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔ اور اور تم زمین میں قابو سے نہیں نکل سکتے۔ اور نہ اللہ کے مقابل تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار۔"

حضرات! آج مجھے ایک نئے عنوان پر آپ سے خطاب کرنا ہے اور سچ پوچھئے۔ تو یہ نیا عنوان بڑا ہی تکلیف دہ اور افسوسناک ہے پاکستان کو سقوط ڈھاکہ کی شکل میں جو المیہ پیش آیا ہے۔ اور ہمارے وطن کا ایک حصہ جس طرح دشمن کے قبضہ میں آگیا ہے۔ اور ہمیں جن مصائب و آلام کا سامنا ہوا ہے۔ اس سے آپ واقف ہیں۔ آج ہم سب کے دل مجروح اور پریشان ہیں۔ اور ہم جو اس قسم کی ہزیمت سے آشنا نہ تھے۔ اس ہزیمت سے دم بخود، اور سکتہ کے عالم میں ہیں اور سوچتے ہیں۔ کہ یہ کیا ہو گیا، اور کیوں ہو گیا؟ ـــــ بھائیو! آؤ اپنے اللہ سے پوچھو کہ الٰہی ایسا کیوں ہوا؟ اور ہم پر یہ مصیبت کا پہاڑ کیوں ٹوٹا؛ میں نے جو آیت پڑھی ہے۔ اس میں اسی ہمارے سوال کا جواب ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جو تمہیں مصیبت پہنچی ہے۔ اس کا سبب تمہارے ہی اپنے اعمال ہیں۔ جو کچھ تم کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ بالآخر یہی کچھ ہونا تھا۔"

میرے بھائیو! ہمارے سوال کا یہی حقیقی جواب ہے، خدا تعالیٰ نے جو فرمایا بالکل سچ فرمایا۔ واقعی ہمارے اعمال کی شامت نے ہمیں یہ روزِ بد دکھایا۔ خدا تعالیٰ کا شکوہ و شکایت کوئی کیوں کرے؛ وہ تو عادل اور غفور و رحیم ہے۔ بندے اگر خود ہی بُرے کام کرنا شروع کر دیں۔ تو اس کا بُرا نتیجہ پاکر خدا کی شکایت وہ کیسے کر سکتے ہیں؛ دیکھئے! اگر کوئی شخص زہر کھالے۔ اور وہ مر جائے تو اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ مارا تو اُسے اللہ ہی نے لیکن مر جانے کا اہتمام تو خود اُسی نے کیا تھا۔ اگر وہ زہر نہ کھاتا تو خدا اُسے ہرگز نہ مارتا۔ زہر کھانے والے نے مرنا ہی تھا۔ اس موقع پر خدا کی شکایت سراسر غلط ہے۔ قصور زہر کھانے والے کا

اپنا ہے ـــــــ ہماری اس مصیبت پر بھی خدا کی شکایت سراسر غلط ہوگی کیونکہ برے کام ہم نے خود کئے۔ اگر ہم اعمالِ بد سے مجتنب رہتے ہیں تو اس مصیبت سے محفوظ رہتے ہیں۔ دوسرے مقام پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝ (پ ۵، ع ۱۸)

(ترجمہ) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے اگر تم شکر کرو۔ اور ایمان لے آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر کرنے والا ہے اور جاننے والا ہے"

یہاں شکرتم سے مراد عمل ہے۔ اَی اِنْ عَمِلْتُمْ صَالِحًا یعنی اگر تم اچھے کام کرو تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا وہ تو بڑا مہربان اور قدر دان ہے۔ کوئی اچھے کام کرے تو اس کی قدر کرتا ہے۔

مسلمانو! دیکھو خدا تعالیٰ فرما رہا ہے۔ کہ تمہیں عذاب دے کر میں کیا کروں گا۔ تم پر جو عذاب نازل ہوتے ہیں۔ اس کا سبب تمہارے ہی اپنے اعمال بنتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہم پر یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے۔ یہ ہمارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے۔ میرے بھائیو! ذرا غور کرو۔ کہ ہم نے یہ ملکِ پاکستان اپنے اللہ سے وعدہ کر کے لیا تھا؟ اور پھر یہ ملک پاکر ہم کرنے کیا لگ گئے؟ سب جانتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ یہ کیا تھا کہ الٰہی! ہمیں ایک الگ خطہ عطا کر۔ جس میں ہم تیرا قانون نافذ کریں۔ اور مسلمان بن کر رہ سکیں۔ اس وعدے کو ہم اس نعرے کی شکل میں دہراتے رہے کہ۔

پاکستان کا مطلب کیا۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

ظاہر ہے کہ پاکستان ہم نے کلمہ شریف اور اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا۔ پاکستان کا مطلب جب لا الٰہ الا اللہ قرار پایا۔ تو گویا ہم نے یہ اعلان کر دیا۔ کہ پاکستان کی فوج اسلام کے لیے ہو گی، پاکستان کا ہر چھوٹا بڑا، اور پاکستان کی ہر چیز اسلام کے لیے ہو گی اس وعدے پر خدا تعالیٰ نے ہمیں پاکستان عطا فرمایا۔ لیکن میرے بھائیو! سوچو اور خوب سوچو۔ کہ پاکستان حاصل کرنے

کے بعد ہم نے اپنے اس وعدے کو کہاں تک پورا کیا؟ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خدا سے یہ خطہ پاکر ہم اپنے سارے وعدے بھول گئے۔ اور ۲۴ سال تک ہم بجائے اس کے کہ پکے مسلمان بنتے۔ اور بھی زیادہ بگڑ گئے اور بجائے اس کے کہ دین کی طرف مائل ہوتے۔ لادینیت کی طرف راغب ہو گئے۔"

آزادی ہم انگریز کی غلامی سے آزاد ہوئے۔ لیکن ایسے آزاد ہوئے کہ مادر پدر آزادی اختیار کر لی۔ دین و مذہب سے بھی آزاد ہو گئے" مسلمانو! ایسی برائے نام آزادی سے جس میں دین و مذہب اور انسانیت سے بھی آزادی شامل ہو۔ خدا کی پناہ مانگو۔ افسوس کہ آزادی کے بعد ہم شرعی و اخلاقی پابندیوں سے بھی آزاد ہو گئے۔ ایک شاعر نے ایسے ہی آزادوں کے لیئے لکھا ہے۔ کہ

دوستو اب عیش فرماؤ کہ تم آزاد ہو
جس طرف چاہے چلے جاؤ کہ تم آزاد ہو
ہو سکے تو سود کھاؤ اور سمگلنگ بھی کرو
بعد ازاں حج کو چلے جاؤ کہ تم آزاد ہو
چور بازاروں کو پکڑو اور پھر ان کو بخش دو
یعنی ان سے رشوتیں کھاؤ کہ تم آزاد ہو۔

لطیفہ ۱۹۵۶ء میں جب بسوں کے ذریعہ حج کے لیئے گیا تھا۔ ان دنوں ہمارا قافلہ جب ایران کے ایک شہر میں پہنچا تو ایک ہم سفر حاجی نے بتایا کہ ایک ایرانی سر راہ پیشاب کر رہا تھا اس سے کہا گیا کہ اس طرح سر راہ پیشاب کے لیے آپ کیوں بیٹھ گئے تو وہ بولا:۔

ما آزاد ہستیم ۔ و ایران ملکِ ما است
ما سر جا کہ بخواہیم ۔ بول و براز ہے کنیم

ہم آزاد ہیں۔ ایران ہمارا ملک ہے ہم جہاں چاہیں پیشاب وغیرہ کریں گے ہمیں کوئی روکے کیوں؟"

دیکھا آپ نے آزادی کا مفہوم! کہ جہاں چاہیں، اور جس طرح چاہیں بیٹھیں اٹھیں، پیشاب کریں گندگی پھیلائیں۔ کوئی روکنے والا کون! اس لیے کہ اب ہم آزاد ہیں۔ یہی حال یہاں بھی ہے۔ کوئی نماز پڑھے نہ پڑھے، روزہ رکھے نہ رکھے، حلال کھائے حرام کھائے۔ کچھ کرے اسے روکنے والا کون! کیونکہ اب ہم آزاد ہیں۔ میں نے لکھا ہے ؎

خادمِ اسلام ہے جو ناشرِ الحاد ہے۔
مار ڈالا قوم کو جس نے وہ زندہ باد ہے۔
یہ صلوٰۃ و صوم کی پابندیاں اب کس لیئے
مولوی صاحب! ہمارا ملک اب آزاد ہے

دین میں آزادی

اس قسم کی آزادی کا زیادہ تر مروڑ دین کے معاملہ میں اٹھتا ہے۔ کوئی کسی سے نماز پڑھنے کو کہے یا روزہ رکھنے کو کہے۔ یا کوئی اور شرعی بات کی تلقین کرے، تو جواب ملتا ہے۔ مولوی صاحب! رہنے دیجئے اپنے وعظ کو ہم جو چاہیں کریں۔ آپ کون ہیں روکنے والے۔ بھائیو! آج کل دین کی باتوں اور دین کے مبلّغ مولوی ہی کو دبالیا جاتا ہے۔ لیکن ایسی آزادی کا پرچار کبھی دنیا کے معاملوں میں بھی تو کیا جائے۔ پھر دیکھیئے یہیں سزا ملتی ہے یا نہیں! مثلاً گاڑی پر بغیر ٹکٹ کے سفر کیا جائے اور ٹی ٹی، اگر ٹکٹ طلب کرے تو وہاں بھی گلفشانی کی جانے لگے۔ کہ جناب! ہم آزاد ہیں۔ ٹکٹ لیں یا نہ لیں ہماری مرضی۔ آپ ہمیں پوچھنے والے کون! پھر دیکھیئے اس قسم کی آزادی کا اعلان کیا رنگ لاتا ہے! ٹریفک کے اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی کار بجائے بائیں ہاتھ کے دائیں ہاتھ چلانے لگے۔ اور کوئی پولیس والا روکے تو وہاں بھی یہی فلسفہ چھانٹئے۔ کہ صاحب ہم آزاد ہیں جس طرف چاہیں چلیں۔ دائیں اور بائیں دونوں سمتیں ہماری اپنی زبان ہیں۔ ہم دائیں چلیں یا بائیں آپ روکنے والے کون ہیں؟ پھر دیکھیئے اس غلط روش سے آپ کا چالان ہوتا ہے یا نہیں! بھائیو! دین کے معاملہ میں تو مولویوں کو کوسنے لگتے ہیں کہ مولوی بڑے تنگدل ہیں۔ ذرہ ذرہ سی بات پر فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ ہمیں آگے بڑھنے ہی نہیں دیتے، کبھی دنیوی معاملات میں بھی ایسا کہا۔ بجائے

بائیں کے دائیں سائیڈ چلتے اور بڑھتے ہوئے سپاہی روک لے ۔ تو اسے بھی تو کہے کہ آپ بڑے تنگدل ہیں ۔ ذرہ سی بات پر مجھ پر فتویٰ لگایا دیا یعنی چالان کر دیا ۔ اور مجھے آگے بڑھنے سے روک دیا ۔ افسوس کہ آج کل دین ہی کے راستے کو ایسا سمجھ لیا ہے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے کوئی پابندی نہیں ۔ حالانکہ جس طرح دنیوی راستوں کے لیئے دنیوی قانون ہیں ۔ اسی طرح دینی راستے کے لیئے بھی دینی قانون ہیں ۔ ٹریفک کے اصولوں کے خلاف کرنے سے اگر ایکسی ڈنٹ ہو جائے ۔ تو جان جاتی ہے اور شریعت کے اصولوں کے خلاف چلنے سے اگر ایکسی ڈنٹ ہو جائے تو ایمان جاتا ہے ۔"

میرے بھائیو! انصاف کرو ۔ کہ کیا ہم نے پاکستان اپنے خدا سے اسی لیئے لیا تھا کہ ہم بالکل ہی مادر پدر آزاد ہو جائیں گے ہمارا تو خدا سے یہ وعدہ تھا ۔ کہ ہم انگریز سے اس لیئے آزاد ہونا چاہتے ہیں ۔ تاکہ ہم آسانی سے خدا اور رسول کی غلامی اختیار کر سکیں لیکن آہ! ــــ ہم نے پاکستان لیا تو اس وعدہ سے کہ ہم اس خطہ میں خدائی قانون نافذ کریں گے ۔ مگر ۲۴ سال گذر گئے ۔ اور خدا کا ایک قانون بھی ہم نافذ نہ کر سکے ۔ دنیوی قانون بن گئے مگر دینی قانون نہ بن سکا اس عرصہ میں خدا تعالیٰ نے دیکھا ۔ کہ اس میرے عطا کردہ ملک میں یہ تو بن گیا ۔ کہ جو کسی کا تالا توڑے وہ چور اور مجرم ۔ لیکن یہ قانون نہ بن سکا ۔ کہ جو میرا روزہ توڑے وہ بھی چور اور مجرم ہے ۔ کارخانوں کا وسل سن کر جو اپنی ڈیوٹی پر نہ پہنچے وہ غیر حاضر اور لائق سزا ۔ اور جو میری مسجد سے اذان سن کر نماز پڑھنے نہ آئے وہ کوئی سزا نہیں ۔ جو ٹیکس ادا نہ کرے وہ قابل تعزیر ۔ اور جو زکوٰۃ نہ دے ۔ اُسے کوئی گرفت نہیں ۔ بھائیو! اللہ تعالیٰ بیشک غفور رحیم ہے ۔ لیکن وہ ذوالجلال اور جبار و قہار اور منتقم بھی ہے ، ہماری ان وعدہ خلافیوں پر اگر اس کا غضب و جلال بھڑک اٹھا ۔ تو کونسی عجیب بات ہے ۔ ۲۴ سال تک ہم اس کی صفت غفور و رحیم سے بہرہ ور ہوتے رہے ۔ اب اپنی غفلتوں اور وعدہ فراموشیوں کی بدولت اگر اس کی دوسری صفات کی گرفت میں بھی آگئے ہیں ۔ تو کوئی اچنبے کی بات نہیں قصور ہمارا اپنا ہے ۔ خدا تعالیٰ کا شکوہ ہم کس منہ سے کریں ۔ ہمیں اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیئے ۔ کہ یہ جو کچھ ہوا ہے ۔ اس کا سبب کیا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ اس کا سبب

ہمارے اپنے اعمال ہیں۔ اور یہی بات خدا نے بھی فرمائی ہے کہ جو مصیبت تمہیں پہنچی۔ اس کا سبب تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔"

میں نے اس سانحہ پر اپنی ایک نظم میں لکھا ہے کہ ؎

عیش و عشرت کی بدولت ہو گیا کیا حال دیکھ۔
ہاتھ سے جاتا رہا مشرقی بنگال دیکھ
حضرتِ اکبر نے حق حق خوب لکھا ہے یہ شعر
جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

حلال حرام

حضرات! دیکھتے چلیئے! کہ پاکستان لیا تو ہم نے اس وعدے سے تھا کہ ہم اس خطہ میں مسلمان بن کر رہیں گے۔ اسلام کی پیروی گے۔ مگر ہوا یہ کہ ہم نے اسلامی ہدایت کی مطلق پروانہ کی جو دل میں آیا۔ کیا۔ جو جا ہا کھایا پیا۔ جائز و ناجائز اور حلال حرام کی کوئی تمیز نہ کی۔ میں نے لکھا ہے کہ۔ ؎

تہذیبِ نو نے عیش پرستی ہے عام کی
دنیا اسیر آئی نظر، دورِ جام کی
کتنا ہے بد تمیز یہ تہذیبِ نو کا دور
جاتی رہی تمیز حلال و حرام کی

کیوں جناب! آج کل رشوت و خیانت عام ہے یا نہیں؟ سود و بلیک سمگلنگ اور دھوکا فریب کی بہتات ہے یا نہیں؟ عریانی و فحاشی کا زور ہے یا نہیں۔ خدا سے کیا ہوا اپنا وعدہ یاد کیجیے اور پھر اپنی موجودہ روش بھی دیکھیے۔ کیا ہم آزادی اسی لئے ہوئے تھے۔ کہ غیر شرعی اور غیر اخلاقی حرکتیں آزادی سے کریں؟ ہم نے آزادی کا یہ معنی لے لیا کہ ناجائز حرکتیں غیر کیوں کریں۔ ہم تو دکریں گے۔ جیسا کہ ایک شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

یوم آزادی ہے اور ہم ہر طرح آزاد ہیں!
بیٹھ جائیں جس جگہ کوئی اٹھا سکتا نہیں
کیا یہ کم ہے اپنی دولت جاتی ہے اپنوں کے پاس
رشوتیں اب کوئی بیگانہ تو کھا سکتا نہیں

پہلے اور اب

میرے بھائیو! خود ہی سوچو اور انصاف کرو۔ کہ آج سے ۴۲ سال سال پہلے جتنی عریانی، بے حیائی اور بے حجابی تھی اب یہ چیزیں اس کی نسبت کم ہیں یا زیادہ؟ کون ہے جو یوں کہہ سکے، کہ اب یہ چیزیں کم ہیں۔
میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو، پہلے تو پردے کی بحث میں یہ بات زیر بحث آتی تھی کہ عورت کا منہ پردے میں رہے یا نہ رہے؟ یعنی سارا بدن تو متفق طور پر پردے کے لائق تھا۔ صرف منہ کے متعلق اختلاف تھا کہ منہ بھی پردے کے لائق رہنا چاہیئے یا نہیں؛ لیکن اب تو منہ برطرف، سینہ، کندھے، بازو، اور پنڈلیاں بھی پردے سے باہر آ گئی ہیں۔ ع

پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ تار تار شد

اب تو بقول اکبرالٰہ آبادی،، زن،، نئے روپ میں نظر آ رہی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

شمشیر زن کو اب نئے قالب میں ڈھالیئے
شمشیر کو چھپایئے، زن کو نکالیئے

یعنی پہلے تو ،،شمشیر زن کا یہ معنی تھا۔ کہ شمشیر کو میان سے نکالئے اور کار زار میں چلایئے۔ اور اب اس کا یہ نیا معنی ہے۔ کہ شمشیر کو تو میان میں چھپایئے اور زن کو گھر سے نکالیئے اور بازار میں چلایئے،،
کیوں صاحب! کیا پاکستان ہم نے اسی قسم کی حرکتیں کے لیئے لیا تھا؟
بھائیو! ہمارا وعدہ تو اللہ سے تھا۔ کہ ہم پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیئے پاکستان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان بننے سے پہلے میں نے ایک شعر میں لکھا تھا کہ ؎

پاک اللہ۔ پاک احمد پاک جسم وجان ہو
کیوں نہ پھر رہنے کو اپنا گھر بھی پاکستان ہو

یعنی ہمارا اللہ پاک۔ نبی پاک۔ کلمہ طیبہ کی برکت سے جان پاک اور گندگیوں سے دور رہ کر ہمارا جسم پاک پھر کیوں نہ ہمارا ملک بھی پاکستان ہو۔ میرے بھائیو۔ پاکستان،، ملا تو سہی۔ لیکن ہم نے اپنے جسم و جان کو پاک نہ رہنے دیا۔ گندگیوں کو اپنا لیا۔

شراب شراب ہی کو لیجیئے۔ کتنی گندگی اور ناپاک چیز ہے۔ فرمایئے! اس ناپاک چیز کا ،، پاکستان میں کیا مطلب ؟ جو ملک اسلام کے نام پر لیا ہو۔ اس ملک میں ایک سراسر غیر اسلامی چیز کا وجود کس قدر افسوس ناک اور دکھ ہے اسی طرح شراب کے علاوہ دیگر ناجائز حرکتیں اور ناپاک چیزیں اگر پاکستان میں پائی جائیں۔ تو کتنی بڑی المناک بات ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے پاکستان اگر دیا تھا۔ تو ان باتوں کے لیئے نہیں۔ بلکہ اسلامی طرزِ زندگی گزارنے کے لیئے دیا تھا۔ افسوس کہ ہم اپنا وعدہ پورا کریں سکے۔ اور ہم نے وہی غیر اسلامی حرکتیں اپنائے رکھیں۔ بلکہ نسبتاً اور پورا نہ کر سکے۔ اور ہم نے وہی غیر اسلامی حرکتیں اپنائے رکھیں بلکہ نسبتاً اور بھی زیادہ بری حرکتوں کو اپنا لیا۔ گویا خدا تعالیٰ کے غضب و جلال کو ہم نے خود ہی دعوت دی اور سقوطِ ڈھاکہ کی مصیبت جو ہمیں دیکھنا پڑی بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ کے مطابق اس کی وجہ یہی ہمارے اعمالِ بد ہیں۔

مقصد سے روگردانی اور اس کا نتیجہ حضرات! آپ اپنے باغ میں ایک پھلدار درخت لگاتے ہیں۔ مقصد آپ کا یہ ہے۔ کہ یہ درخت پھل دے۔ اور اس کے پھل سے آپ متمتع ہوں یہ درخت اگر آپ کی مرضی کے مطابق پھل دینے لگے۔ تو آپ اسکی دن رات حفاظت کرتے ہیں اسے پانی دیتے ہیں۔ اُسے خراب کرنے والے کی مزاحمت کرتے ہیں۔ لیکن یہی درخت جب آپ کے مقصد میں ناکام رہے۔ پھل دینا چھوڑ دے اور بانجھ ہو جائے۔ تو اب آپ کی وہ پہلی سی نظرِ التفات اس پر نہیں رہتی وہ جسے آپ دن رات پانی دیتے تھے اس نے پھل

دریا چھوڑا آپ نے پانی دینا چھوڑ دیا اور وہ جس کی حفاظت کے لیئے دن رات آپ اس کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص اس کی ٹہنی توڑتا۔ تو آپ اس کی ٹانگیں توڑ دیا کرتے تھے۔ آج جب کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام ہوا۔ تو آپ کی بھی پہلی سی توجہ نہ رہی۔ اور آپ خود ہی اپنے ہاتھوں اُسے جڑ سے اکھیڑ دینے کے درپے ہو جاتے ہیں اور اکھیڑ کر پھر اس کی لکڑی تعمیری کام میں لاتے ہیں۔ وہی درخت جس کی ایک ٹہنی کوئی کاٹنے آتا تو آپ اس سے لڑنے کو تیار ہو جاتے تھے آج خود ہی کلہاڑا ہاتھ میں پکڑ کر آپ اس کی تمام ٹہنیوں پہ اپنے ہاتھ سے وار کرتے ہیں۔ اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے

یا تو اُسے اپنے کسی تعمیری کام میں استعمال کر لیتے ہیں۔ اور اگر وہ اس قابل بھی نظر نہ آئے۔ تو پھر اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چولہے اور تنور میں ڈال کر اُس آگ جلانے کا کام لینے لگتے ہیں"۔

حضرات یہی حقیقت ہمارے اوپر بھی وارد ہوئی ہے۔ خوب جان لو۔ کہ خدا تعالیٰ نے جس مقصد کے لیئے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ انسان جب تک اس مقصد کو پورا کرتا ہے۔ قدرت کی طرف سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور جب انسان اپنے مقصد سے روگردانی کرتا ہے۔ اور اپنی زندگی غلط طور پر گزارنے لگتا ہے۔ تو وہ اپنی بربادی و ہلاکت کے سامان مہیا کرنے لگتے ہیں۔ اور اپنی سکون و اطمینان کھو ڈالتا ہے پھر وہ حفاظت و بقا جس سے وہ بہرہ ور رہا ہے اس کے لیئے مفقود ہو جاتی آج دنیا بھر میں دیکھئے۔ کیا ہو رہا ہے۔ انسان اپنے مقصد سے روگردانی کر کے کس عذاب میں مبتلا ہے، ہر طرف تباہی و بربادی کے المناک واقعات نظر آ رہے ہیں۔ چاروں طرف ہلاکت ہی ہلاکت نظر آتی ہے۔ راحت کے سامان ہزاروں کی تعداد میں ہیں لیکن راحت مفقود ہے۔ انسان کے ہاتھوں انسان مارے جا رہے ہیں یہ سب یہ کچھ کیا ہے اور کیوں ہے؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے"

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ۝

خشکیوں اور سمندروں میں فساد برپا ہوا۔ لوگوں کے اپنے ہاتھوں کے کیے کی وجہ سے

یعنی لوگوں نے جو طرزِ زندگی، اور جو راہ اختیار کی۔ اس کے باعث ہر جگہ خشکی اور تری فساد میں برپا ہو گیا۔ اور انسان خود اپنے ہاتھوں ہی اپنی ہلاکت کا سامان مہیا کرنے لگا۔"

پاکستانی درخت کا پھل

بھائیو! ہم نے پاکستان جس مقصد کے لیے حاصل کیا تھا۔ سوچیئے! کہ ۴۲ سال کے عرصہ میں اس شجر پاکستان کو کیا ہم نے اسلامی پانی دیا۔ جس کے باعث یہ درخت اسلامی رنگ میں بڑھتا، پھولتا اور پھلتا۔ اس میں اعمالِ حسنہ کے پھول کھلتے۔ اور ارشاداتِ خدا و رسول کی تعمیل کے پھل لگتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً خدا تعالیٰ کی حفاظت میں یہ رہتا۔ پھل دار درخت کی ٹہنی بھی کوئی توڑنے آئے۔ تو آپ اس سے لڑتے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر ہمارا یہ پاکستانی درخت اگر اسلامی پھل دینے لگتا۔ تو خدا تعالیٰ اس کی مشرقی ٹہنی کسی دشمن کو کیوں توڑ لینے دیتا؟ بھائیو! خدا تعالیٰ کے غضب و جلال سے ہمیں ڈرنا چاہیئے۔ اور اس سے گذشتہ غفلتوں کی معافی طلب کر کے آئندہ اس سے یہ سچا عہد کرنا چاہیئے۔ کہ الٰہی! ہم آئندہ اس تیرے عطا کردہ درخت کی اسلامی رنگ میں حفاظت کریں گے۔ اسے اسلامی پانی سے سرسبز و شاداب کریں گے۔ تاکہ یہ درخت اسلامی گل و ثمر سے مزین نظر آئے۔ بھائیو! ایک ٹہنی اگر ٹوٹی ہے تو ہوش میں آؤ۔ اور باقی درخت کی حفاظت کرو۔ اور کوشش کرو۔ کہ اب اس میں اسلامی پھل لگنے لگیں۔ بخدا اگر ایسا ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ اس ہمارے پیارے درخت کو ہر دشمن کی زد سے بچائے گا۔ اور اس کی ٹہنی تو کیا اس کا ایک پتہ بھی کوئی گرا نہ سکے گا۔"

چھوٹی پر

حضرات! ایک اور مثال دے کر بھی یہ بات آپ کو سمجھاؤں کہ یہ ملتا کٹ حادثہ ہمیں پیش آیا تو کیوں؟ ایک پولیس کا سپاہی جس نے اپنے محکمہ کی وردی پہن رکھی ہو۔ اور اپنی ڈیوٹی پر کھڑا ہو۔ وہ چاہیئے کتنا دبلا اور کمزور کیوں نہ ہو۔ لیکن محکمہ کی وردی اپنی ڈیوٹی کے باعث اس کا ایک رعب و دبدبہ

ہوتا ہے۔ اور کسی کی مجال نہیں اُسے ٹیڑھی نظر سے دیکھے۔ اگر کوئی شخص سپاہی کو چپت لگا دے یا کوئی توہین آمیز کلمہ کہہ دے۔ تو یہ اس کی گستاخی اس سپاہی کی توہین نہ ہوگی۔ بلکہ پولیس کا محکمہ اسے اپنی توہین تصور کرکے سارا محکمہ اُسے سزا دے گا بلکہ اُسے سزا دینے پر سارا محکمہ آمادہ ہو جائے گا۔ اور ایسا کیوں ہوگا۔؟ اس لیے کہ محکمہ یہ کہے گا کہ یہ سپاہی ہماری وردی میں ملبوس اور ڈیوٹی پر مامور تھا۔ لہٰذا توہین ہماری وردی اور ڈیوٹی کی توہین ہے۔ برخلاف اس کے اگر وہی سپاہی چھٹی پر گھر آیا ہو۔ پولیس کی وردی میں ملبوس نہ ہو۔ اور ڈیوٹی پر نہ ہو تو اب اگر اسے کوئی گالی دے لے یا دو گھونسے بھی لگا لے۔ دیکھ لیجئے محکمہ حرکت میں نہیں آئے گا۔ کیوں؟ اس لیئے کہ سپاہی محکمہ کی وردی میں ملبوس اور ڈیوٹی پر مامور نہ تھا چھٹی پر تھا۔ لہٰذا اب اس کی توہین محکمہ اپنی توہین تصور نہیں کرے گا۔ میرے بزرگو اور دوستو! کچھ یہی حال ہمارا بھی ہے۔ ہم جب تک اسلامی احکام کی وردی میں ملبوس اور شرعی ڈیوٹی پر قائم رہے۔ یعنی صحیح معنوں میں مسلمان بنے رہے۔ ہماری طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھے یہی مقصد ہے اس ارشاد کا کہ۔

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

یعنی تمہی سربلند و غالب ہو بشرطیکہ تم سلامتی احکام کے لباس میں ملبوس اور اپنی ڈیوٹی پر قائم ہو۔

لیکن بھائیو! اب جب کہ ہم نے اسلامی احکام کی تعمیل کا لباس اتار کر اور اپنی ڈیوٹی سے بھی غافل ہو کر چھٹی منانے کی ٹھان لی۔ تو اب ہمیں پہلے جیسی اعانت و نصرت بھی حاصل نہ رہی۔ ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لیئے کہ ہم چھٹی پر ہیں بھائیو! ختم کرو اس چھٹی کو اور اپنی ڈیوٹی کو فوراً سنبھالو۔ اور پھر اُسی رنگ ڈھنگ میں نظر آؤ جس میں کبھی تم نظر آیا کرتے تھے۔ پھر دیکھو۔ خدا ہماری مدد فرماتا ہے یا نہیں؟

احسان کا ہنڈا ہاتھ میں لے ایمان کا جھنڈا ہاتھ میں لے
اسلام کا ڈنڈا ہاتھ میں لے پھر ساری یہ دنیا تیری ہے
ہنڈے کو حریم جاں میں جلا جھنڈے کو کلیساں پہ اڑا
ڈنڈے کو بتوں کے سر پہ گھما پھر ساری یہ دنیا تیری

گائے کی مثال

حضرات! ایک اور مثال آپ کو سمجھاؤں۔ کہ ہم نے پاکستان حاصل جس مقصد کے لیئے کیا تھا! اس کی طرف ہماری نظر ہی نہ رہی ایک شخص نے خالص دودھ پینے، اور بچوں کو پلانے کیلیئے گائے خریدی۔ مقصد تو اس کا یہ تھا کہ خالص دودھ مہیا ہو اور صحت بناؤں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ اس سے مل کر گائے گائے کا حال دریافت کریں کہ سنایئے گائے کیسی رہی، تو وہ کہنے لگے گا۔ کہ بڑا فائدہ ہو رہا ہے۔ وہ دن میں کئی بار گوبر کرتی ہے۔ اور میں اس کے گوبر کے اپلے بنا بنا کر بیچ رہا ہوں۔ کچھ گوبر کھاد کے کام آرہا ہے۔ خوب ہے۔ یہ گائے۔ کہ گوبر بہت زیادہ مہیا کرتی ہے۔ آپ کا مقصد تو گائے کا دودھ دریافت کرنا تھا کہ دودھ کتنا دیتی ہے مگر وہ لے بیٹھا اس کے گوبر کو۔ اب آپ جو دودھ کے متعلق پوچھا تو بولے چھوڑیے دودھ کے قصہ کو دودھ تو پہلے سے کم دینے لگی ہے بلکہ نہ دینے کے برابر ہے لیکن گوبر واہ کیا کہنے گوبر کے تو انبار لگا دیتی ہے۔ آپ کے چیں بجیں ہونے پر پھر وہ گوبر کے فضائل بیان کرنا شروع کر دے کہ یہ گوبر بڑے کام کی چیز ہے۔ کھاد کے کام آتا ہے۔ آگ جلانے کام آتا ہے اور پھر سائنس کے فلاں فلاں فوائد بیان کیئے ہیں تو فرمایئے۔ آپ اس شخص کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ کہ اس بھلے مانس نے گائے لی کس مقصد کیلیے۔ لیکن پڑا کس طرف ؟

میرے بھائیو! کچھ اسی طرح کا قصہ یہ بھی ہے۔ کہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ یعنی ہم نے پاکستان لیا تو اسلامی دودھ کے لیئے تھا۔ کہ ہم اپنے اس ملک میں اسلامی زندگی گزاریں گے اسلام نافذ کریں گے۔ لیکن ہماری نظر بھٹک گئی اور ہم بجائے دودھ کے گوبر کی طرف دیکھنے لگے۔ یعنی دین کو نظر انداز کر کے دنیا بنانے میں مصروف ہو گئے

ملیں بن گئیں۔ کارخانے بن گئے۔ ہوٹل بن گئے کیفیاں بن گئیں۔ اور جب پوچھا تو بولے بڑی ترقی ہو گئی۔ بڑی ملیں۔ بڑے کارخانے بن گئے ہیں۔ ارے بھائی! اور وہ مقصد اسلام جس کے لئے یہ ملک لیا تھا۔ اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ تو بولے اجی چھوڑیئے اس بات کو۔ یہ تو شاید پہلے کی نسبت کچھ کم ہی ہو لیکن یہ ملیں۔ کارخانے اور عہدے وغیرہ۔ کیا کہنے بڑی ترقی پر ہیں۔

بھائیو! سوچو تو کیا گائے لینے والے کا اصل مقصد گوبر ہی ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اصل مقصد دودھ ہوتا ہے۔ اور گوبر وغیرہ کے سے فوائد بالتبع حاصل ہو جاتے ہیں۔ یونہی مسلمان کیلئے اصل مقصد اسلام ہونا چاہیئے اور یہ عہدے وغیرہ سب بالتبع حاصل ہو جاتے ہیں۔"

سقوطِ ڈھاکہ کی سب سے بڑی اور اصل وجہ یہی ہے کہ ہم نے اصل مقصد اسلام کو پیشِ نظر نہ رکھا اور دنیوی اقتدار کے پیچھے پڑے رہے اگر ۲۴ سال کے عرصہ میں اصل مقصد اسلام نافذ ہو گیا ہوتا۔ تو میرے دوستو! یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کبھی رسوا نہ ہونے دیتا اور ہمیں کبھی اس ہزیمیت کا منہ دیکھنا نہ پڑتا۔"

دوستو! عزیزو!!

پس چہ باید کرد؟ آیئے ہم عہد کریں کہ ہم اپنے مقصد کو پیشِ نظر رکھیں گے۔ خدا سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کریں گے اور خدا و مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو راضی کریں گے۔"

آج بھی ہو جو براہیم سا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



دوسرا خطاب

جہاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ؕ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ (پ۱۰ ع۱۶)

ترجمہ :- "اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ۔ کافروں اور منافقوں پر۔ اور اُن پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔"

حضرات! آج مجھے جہاد کے موضوع پر خطاب کرنا ہے۔ جہاد ایک عربی

لفظ ہے۔ اور اس لفظ کا مترادف لفظ کسی زبان میں نہیں اور نہ ہو بھی کیسے جب کہ جہاد کا جو معنی ہے۔ اس معنی و جذبہ کو کسی اور دین یا کسی اور قوم نے پیدا ہی نہیں کیا یہ جذبہ صرف رسولِ عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پیدا فرمایا۔ آپ ہی نے دنیا کو معنیٔ جہاد سے شناسا فرمایا۔ اور آپ ہی کی بدولت۔ یہ لفظ معرض وجود میں آیا اسی طرح ایک لفظ شہید بھی ہے۔ شہید کا لفظ سن کر مسلمان کی نظریں عزت و احترام سے جھک جاتی ہیں۔ اور یہ دونوں لفظ یعنی جہاد و شہید مسلمانوں کی روحوں کو گرما دیتے ہیں۔ اور مسلمان اس جذبے سے سرشار ہو کر فرش سے عرش تک جا پہنچے ہیں۔ لفظ شہید کا مترادف لفظ کسی زبان میں نہیں دیکھ لیجئے! یہ ہنود جو عربی زبان تو برطرف اور اردو زبان میں نہیں بیحد عداوت رکھتے ہیں اور اپنی جناتی زبان میں ہندی و سنسکرت کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ گستاخ رسول شردھانند مارا گیا۔ تو اسے انہوں نے شہید لکھنا شروع کر دیا۔ حالانکہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک کہاں شردھانند یا کوئی دوسرا اناری۔ اور کہاں یہ لفظ پاک شہید ؎

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچڑی گنجی
حضورِ بلبلِ بستان کرے نوا سنجی

مطلب میرا یہ ہے۔ کہ یہ لفظ خالص اسلامی ہیں اور یہ جذبہ جہاد بھی صرف اسلام کا پیدا کردہ ہے۔ یہ جذبہ مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ کافروں میں نہیں۔ کافروں میں فتنہ و فساد۔ لڑائی جھگڑا وغیرہ ہوتا ہے۔ جہاد کو وہ جانتے تک نہیں۔ اس لیئے کہ یہ ان کی چیز ہی نہیں“

جہاد و فساد

جنگ۔ لڑائی جھگڑا۔ اور فساد، اور چیزیں ہیں اور جہاد اور چیز۔ اسلام کا مادہ سلم ہے۔ جس کے معنے ہیں صلح اور آشتی کے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم آمنہ کی گود میں تشریف لائے اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا شیر نوش فرمایا گویا آپ امن و حلم کے پیامبر ہو کر تشریف لائے تو مقام غور ہے کہ اسلام کو لڑائی جھگڑے اور فساد سے کیا سروکار؟۔

سلام کا تو یہ صاف ارشاد ہے، کہ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ زمین میں فساد نہ کرو۔
بھائیو! فساد اس چیز کا نام ہے جس کا مظاہرہ کافروں نے تقسیم کے وقت مشرقی پنجاب
اور جموں میں کیا تھا۔ یا اب جو ان کافروں نے ہمارے مشرقی پاکستان میں ناجائز
طور پر مداخلت کر کے برپا کیا ہے یہ فساد ہے اور برعکس اس کے کفار کے ظلم و ستم
ان کی ناجائز طور پر مداخلت اور ان کی جارحانہ کارروائیوں، اور ہمارے دین و مذہب
اور ہمارے ملکی امور میں بیجا مزاحمت کو روکنے کے لیئے کوشش کرنے کا نام جہاد ہے
مسلمان اگرچہ صلح و آشتی اور سلامتی کا علمبردار ہے۔ لیکن پھر بھی وہ جو تلوار اٹھا
کر میدانِ کارزار میں آجاتا ہے۔ تو یہ عین مصلحت ہے اور اس کا یہ اقدام سلامتی
و عافیت ہی کے لیئے ہوتا ہے۔ گندہ مواد جمع ہو کر پھوڑے کی شکل اختیار
کرے۔ تو وہاں مصلحت اور سلامتی کے لیئے اقدام یہی ہے کہ نشتر پکڑ کر پھوڑے
کا اپریشن کر دیا جائے۔ تاکہ گندہ مواد نکل کر جائے۔ اور سلامتی و عافیت کی راہ
نکل آئے مسلمان کی تلوار ظلم و ستم۔ جور استبداد کے اسی گندے مواد کے اخراج
کے لیئے اٹھتی ہے۔ اور اس کا یہ اقدام جہاد سلامتی ہی کے لیئے ہوتا ہے
الغرض مسلمان کے جہاد اور کافر کی لڑائی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کافر
لڑتا ہے۔ محض دنیا کے لالچ میں۔ مال کی طمع میں۔ اور ملک گیری کی ہوس میں
لیکن مسلمان جو میدانِ کارزار میں آتا ہے۔ تو اس شعر کا مصداق بن کر آتا ہے کہ

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیئے آتا ہے۔ ظالم و ستم کو ختم کر کے خدا کے دین کو
غالب کر دینے کے لیئے آتا ہے۔ گویا کافر کی جنگ دنیا کے لیئے ہوتی ہے اس
لیئے اس کی جنگ فساد ہے۔ اور مسلمان کی جنگ دین و مذہب کی حفاظت کے
لیئے ہوتی ہے۔ اس لیئے اس کی جنگ جہاد ہے۔
مسلمان کا اصل مقصد اعلاءِ کلمۃ الحق ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے

ضمن میں دنیا بھی آجائے۔ زمین بھی مل جائے۔ مال بھی مل جائے تو وہ مالِ غنیمت ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسلمان کو بالتبع عطا ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی نے لاہور سے کراچی جانا ہو تو ٹکٹ اس کے پاس کراچی کا ہوتا ہے۔ لیکن کراچی جاتے ہوئے راستے میں ساہیوال۔ ملتان۔ حیدر آباد بھی آجاتے ہیں۔ اور یہ ان شہروں کو بھی دیکھ لے تو کراچی جانے کے ضمن میں ایک فائدہ ہے۔ لیکن اصل مقصد اس کا کراچی ہی ہے۔ یا جیسے کوئی شخص گندم بوتا ہے۔ تو کٹائی کے وقت اسے گندم کے ساتھ بھوسہ بھی میسر ہو جاتا ہے۔ یہ بھوسہ اس کا اصل مقصد نہ تھا مقصد تو اس کا گندم کاٹنا ہی تھا۔ اور یہ بھوسہ اسے بالتبع مل گیا ہے۔ اسی طرح اصل مقصد مجاہد کا دینِ حق کی سربلندی ہے اور حصولِ زمین۔ اور مال و دولت کا حصول وغیرہ یہ سب اس کے ضمنی انعامات ہیں۔

مسلمان کا اصل مقصد گندم ہے۔ لیکن کافر بھوسہ پر مرتا ہے۔ الغرض مسلمان کا جہاد ملک گیری۔ اور لوٹ مار کے لیئے نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کی روک تھام کے لیئے ہوتا ہے۔ مسلمان ظلم و ستم کے مقابلہ میں اٹھتا ہے اور فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لیئے تلوار اٹھاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذنِ جہاد اس طرح دیا کہ:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ۔ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ (پ۱۷ ع ۱۳)

(ترجمہ) پروانگی عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں۔ اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے یعنی لڑنے اور جہاد کرنے کی صرف اس لیئے اجازت دی جاتی ہے۔ کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور وہ لوگ اپنے گھروں سے صرف اس لیئے نکالے گئے۔ کہ انہوں

نے اپنے رب کو مان لیا۔ اس اذانِ جہاد سے جہاد اپنی اصلی شکل میں نظر آتا ہے اور صاف ظاہر ہے۔ کہ جہاد کیا ہے۔ جہاد ظلم و ستم کے خلاف اٹھنے اور فتنہ فساد ختم کر دینے کا نام ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ صاف ارشاد ہے کہ اس وقت تک برابر جہاد جاری رکھو۔ جب تک کہ فتنہ و فساد کا بالکل خاتمہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔"

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ۔ (پ ع ۸)

اور ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے

حضرات! جہاد کی اصل تصویر آپ نے دیکھ لی۔ ایسی پاکیزہ لڑائی اور مقدس جنگ کا نام جہاد ہے۔ جو اللہ کے لیے اور اللہ کی مخلوق پر ظلم و ستم ہونے سے روکنے کے لیئے لڑی جائے۔ بھائیو! میں نے ابتداء میں جو آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا ہے۔ اے میرے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امرِ جہاد

حضرات! مقام غور ہے کہ جہاد کا حکم خدا تعالیٰ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے رہا ہے۔ تو پھر اور کون ہے۔ جو اس حکم سے مستثنیٰ ہو سکے۔ اور جہاد لازم نہ ہو! بھائیو! وقت آنے پر ہر چھوٹے بڑے راعی، رعایا، مولوی، پیر، فقیر یعنی سب پر جہاد لازم ہو جاتا ہے۔"

بیرونی و اندرونی دشمن

خدا تعالیٰ نے حضور کو فرمایا ہے کہ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ مسلمانوں کے دشمنوں کی یہ دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو کھلے کافر ہیں اور دوسرے وہ جو بظاہر مسلمان اور بباطن کافر ہیں ایک وہ ہیں جو خدا کے باغی ہیں اور دوسرے وہ جو مصطفےٰ کے باغی ہیں۔ یا یوں سمجھیے۔ کہ ایک تو وہ ہیں جو دوسرے بیرونی دشمن ہیں۔"

اور دوسرے وہ جو اندرونی دشمن ہیں"۔

بھائیو! یہ دوسری قسم کے دشمن ہیں اور بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ کافر تو کھلے طور پر کافر ہوتے ہیں۔ لیکن منافق مسلمان بن کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ آج بھی یہی صورتِ حال ہے، بھارتی کفار تو کھلے کافر ہیں جو ہمارے بیرونی دشمن ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو رہتے پاکستان میں ہیں۔ کھاتے پاکستان کا ہیں مگر دل سے وہ بھارت کے ساتھ ہیں اور اپنے وطن کے غدار ہیں۔ یہ وہ لوگ لوگ ہیں جو منافق ہیں اور خدا کے مطابق ہمیں جہاں سے جہاد کرنے کا حکم ہے وہاں ان اندرونی دشمنوں سے بھی جہاد کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا ہم سب کو دونوں قسم کے دشمنوں سے جہاد کرنے کے لیئے متحد ہو جانا چاہیئے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

حضرات! آیت کریمہ میں ہمارے حضور کو حکم دیا گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی جہاد فرمایا۔ اور اپنے غلاموں میں بھی یہ جذبہ پیدا فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کو دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ۔ (پ۱۰، ع۴)

اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی تلقین و ترغیب فرمائی اور مسلمانوں میں جہاد کا بے پناہ جذبہ پیدا فرمایا۔

صحابہ کا جذبہ جہاد

چنانچہ آیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کا جذبہ جہاد ملاحظہ فرمایئے اس سے پہلے میں آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا ذکر سنا لوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے ذکر کافروں سے جہاد کرنے کے لیے اپنی قوم سے فرمایا۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔

یعنی اے قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو، جو اللہ نے تمہارے لیئے لکھی ہے۔"

حضرت موسٰی علیہ السلام کے اس حکم جہاد پر قوم نے یہ جواب دیا کہ

یَا مُوْسٰی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ۔

اے موسٰی۔ اس میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں

قوم نے یہ بہانہ تراشا۔ کہ وہاں کے لوگ بڑے زورآور ہیں ہم ان سے نہیں لڑ سکتے۔

پھر ان سے کہا گیا کہ :- اُدْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّکُمْ غٰلِبُوْنَ ۝

(ترجمہ) تم زبردستی دروازے میں ان پر داخل ہو اگر تم دروازے میں داخل ہو گئے۔ تو تمہارا ہی غلبہ ہے"

باوجود ان تسلیوں کے قوم کا جواب سنیئے :-

قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (پ ۶، ع ۸)

بولے۔ اے موسٰی! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے۔ جب تک وہ وہاں ہیں۔ تو آپ جایئے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں

سنا آپ نے قوم موسٰی کا بزدل جواب۔ کہ اے موسٰی تم اور تمہارا رب جہاد کے لیئے جاؤ۔ اور کافروں سے لڑو۔ ہم تو جہاد یہاں بیٹھے رہیں گے۔

ارضِ مقدّس

حضرات! اب میں آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کا جذبہ جہاد دکھلاوں گا۔ کہ ان نفوسِ قدسیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ جہاد پر کس طرح لبیک کہی یہ تفصیل سنانے سے پہلے ایک ضمنی بات بھی سنتے چلیئے۔ کہ خدا تعالیٰ نے جو قرآن پاک ارض مقدس کیوں فرمایا؟ مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ چونکہ وہ زمین انبیاء کرام کا مسکن تھی۔ اس لیئے خدا تعالیٰ نے اس زمین کو مقدس فرمایا معلوم ہوا

کہ جس شہر یا قصبہ میں کوئی اللہ کا بندہ ہو۔ وہ شہر یا قصبہ عزت و شرف پالیتا ہے اسی لیئے کہا جاتا ہے۔ مدینہ شریف۔ اجمیر شریف۔ بریلی شریف۔ بعض لوگ اس الحاقِ شریف پر چیں بجبیں ہو جاتے ہیں۔ کہ یہ شریف کا لفظ ساتھ کیوں لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ خود بھی کسی کا مزاج پوچھیں۔ تو وہاں یوں کہتے ہیں مزاج شریف! تو ان کا مزاج اگر شریف ہو سکتا ہے۔ تو خدا کے مقبول بندے کا مسکن شریف کیوں نہیں ہو سکتا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ایک طرف قوم موسیٰ علیہ السلام کا جواب دیکھیے۔ اور دوسری طرف حضور کے صحابہ کا جذبۂ جہاد ملاحظہ فرمایئے۔

کفار مکہ نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دستِ انور میں تلوار لے کر مہاجرین وانصار کے مجمع میں تشریف لائے اور فرمایا۔ کہ کفار مدینہ پر چڑھائی کے لیئے آرہے ہیں۔ اب تمہاری کیا رائے ہے۔ تو صحابہ کرام کا جواب یہ تھا۔

لَا نَقُوْلُ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا وَ لٰكِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ وَخَلْفِكَ

(بخاری شریف ص۵۶۴ جلد ۲)

ہم یوں نہ کہیں گے جیسے قوم موسیٰ نے کہا تھا۔ کہ جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں لڑو۔ حضور! ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آپ کے آگے پیچھے رہ کر لڑیں گے۔"

حضور کے جانثار صحابہ کا یہ جواب حفیظ نے نظم میں اس طرح لکھا ہے کہ ؎

تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا
پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرت والی ماؤں کا

نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں
جہاں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں

سبحان اللہ! کیا ایمان افروز جواب ہے۔ کہ ہم غیرت مند ماؤں کے بچے ہیں ہم شیرِ غیرت پیئے ہوئے ہیں۔ بھائیو! دودھ کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ مجاہدہ ماں۔ عابدہ و زاہدہ ماں کا دودھ غازی بناتا ہے۔ نمازی بناتا ہے

ماڈرن مائیں

اور جو آج کل کی ماڈرن مائیں ہیں ان کا دودھ؟ اوّل تو یہ اپنا دودھ پلاتیں ہی نہیں۔ کسی زمانے میں ماں اپنے رعب جمالیتی تھی۔ اور یوں کہا کرتی تھیں۔ بیٹا اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہیں اپنی بتیس دھاریں،، نہ بخشوں گی۔ لیکن آج کل کی ماڈرن ماں کا بچہ" ماڈرن بیٹا ایسی بات سن کر یوں کہہ دیتا ہے کہ اُمی! میں نے تو تمہاری ایک دھار بھی نہیں پی۔ میں نے تو بوتل کا دودھ پیا ہے۔ ان کی ماڈرن ماؤں نے اپنا یہ رعب بھی گنوا لیا خوب کہا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی نے سے

طفل میں طاقت ہو کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبے کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

ہاں تو ایسی ماؤں کے بچے" فرمایئے غازی بنئے گے یا ٹیڈی؟۔

مسلمانوں! غازی بنو۔ ٹیڈی نہ بنو۔ یہ ٹیڈی بھی ایک بیماری ہے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ اس بیماری سے بچائے۔

ٹیڈی اور ٹی بی

میں نے ایک بار ماہِ طیبہ کے نمکین صفحہ میں لکھا تھا کہ ٹی بی بھی ایک بیماری ہے اور ٹیڈی بھی ایک بیماری ہے۔ جیسے ٹی بی ہو جائے اُس کے بدن پر ماس نہیں رہتا اور جیسے ٹیڈی اُس کے بدن پر لباس نہیں رہتا۔ جیسے ٹی بی ہو جائے وہ بیٹھ جائے تو اٹھ نہیں سکتا۔ اور جیسے ٹیڈی ہو جائے وہ کھڑا ہو جائے تو بیٹھ نہیں سکتا ہے میں نے اپنی ماڈرن مثنوی میں لکھا ہے کہ سے

کیا تنگ کپڑوں نے ایسا ہے حال
جو اٹھے تو پھر بیٹھنا ہے محال
جو بیٹھتے تو پھر ناک کٹ جائے گی
کہ ننھی سی پتلون پھٹ جائے گی
کرو ٹیڈیوں کے حق سے دعا
کریما بہ بخشائے بر حال ما
لیا ہے ہمیں تنگ کپڑوں نے کس
تو ٹیڈیاں راخطا بخش و بس

ہاں تو صحابہ کرام نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! ہم نے غیرتمند ماؤں کا دودھ پیا ہے۔ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہ کر لڑیں گے حضور اگر سمندر میں کود جانے کو فرمائیں۔ تو ہم سمندر میں کود جائیں گے۔ ہم قوم موسٰی نہیں ہیں بلکہ آپ کے غلام ہیں۔"

سبحان اللہ! کیا ایمان افروز جواب ہے۔ اور کیا ہی جذبہ جہاد ہے۔ بھائیو یہ سب فیض تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان میں ایسا ولولۂ جہاد پیدا فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں کٹ مرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اور جہاں ان کے ایک ہاتھ قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار رہتی تھی۔"

قرآن و تلوار

حضرات! خوب یاد رکھیئے۔ کہ اسلام نے ہمیں دین و دنیا کی عظمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ہمیں دین بھی دیا ہے اور دنیا بھی۔ ہمارے ایک ہاتھ میں اس نے قرآن دیا ہے اور دوسرے ہاتھ میں تلوار دی ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر قرآن کی عزت پر حرف آئے اور کوئی گستاخی کرے یا گستاخ آنکھ قرآن کی طرف اٹھنے لگے تو تلوار سے کام لیا جائے اور تلوار سے ایسے گستاخ کی گستاخی سے بچایا جائے اور اگر تلوار ناحق اٹھے۔ بے گناہوں اور مظلوں بیکسوں پر چلنے لگے تو قرآن سے کام لے کر تلوار

کو غلط روش سے روکا جائے۔ مشرقی پنجاب اور جموں میں مسلمان کے پاس قرآن تھا لیکن تلوار نہ تھی۔ اس لیئے وہاں قرآن کی عزت وحرمت محفوظ نہ رہ سکی۔ اور اہل یورپ کے پاس تلوار ہے۔ قرآن نہیں ہے۔ اس لیئے ان کی تلوار بے گناہوں بیکسوں اور مظلوموں پر چلتی رہتی ہے۔ مسلمان اللہ کے فضل سے دونوں چیزیں کا مالک ہے۔ اگر اس نے ان دونوں کو اپنا لیا۔ تو اس کا دین بھی محفوظ اور دنیا بھی۔ لیکن افسوس۔ کہ مغربی تہذیب نے ہمارے دونوں ہاتھوں سے یہ دونوں چیزیں چھین لیں۔ قرآن بھی اور تلوار بھی اور ان کے عوض ایک ہاتھ میں ہاکی تھما دی۔ اور دوسرے ہاتھ میں گیند اور غازی سے ہمیں کھلاڑی بنا کر رکھ دیا میں نے ایک نظم میں اس حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے کہ ؎

تعیش کے لیے تو ہے تدین کیلئے میں ہوں
رباب وچنگ تیرا میرا تسبیح ومصلیٰ ہے
وہ جن ہاتھوں میں اے عشِ حق کبھی تلوار ہوتی تھی
اب اُن میں کنگھی آئینہ یا پھر گیند بلّا ہے

بھائیو! اب تعیش کا وقت نہیں۔ ان فیشنوں کو چھوڑو۔ اور تلوار پکڑو۔ اور خوب یاد رکھو کہ ؎

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

میں نے ایک شعر میں لکھا ہے کہ ؎

نکلو یوں میدان میں ہاتھوں میں تو شمشیر ہو
اور زبانوں پر تمہاری نعرۂ تکبیر ہو

اور حافظ مظہر الدین اپنے نوجوانانِ وطن سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ ؎

بتا بتا تجھے زیبا ہیں بربط و طاؤس
دیارِ ہند میں ہیں بیٹیاں تری محبوس
خبر کرو کسی جانباز مردِ غازی کو
بجا رہے ہیں مساجد میں برہمن ناقوس

اور یہ کہ ؎

یہ لٹی لٹی مساجد یہ تباہ خانقاہیں!
شب و روز تک رہی ہیں مرے غازیوں کی راہیں

نوجوان دُولہا

حضرات! ذرا اپنی تاریخ پڑھیئے۔ اور دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غلاموں میں جہاد کا کیسا جذبہ پیدا فرمایا تھا۔ صحابہ کرام بڑے چھوٹے، بوڑھے، جوان صحابی تھے اور بچے سبھی اس جذبہ سے سرشار تھے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک نوجوان تھے آپ کی شادی ہوئی۔ تو جس رات آپ دلہن بیاہ کر لائے اسی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی ہو گئی۔ کہ کفارِ مکہ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں ان کے مقابلہ کے لیئے میدانِ جہاد میں چلو۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ باوجود یکہ نوجوان تھے۔ اور شادی کی پہلی شب تھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان جہاد سن کر سب کچھ بھول گئے۔ اور اپنی دولہن کو بھی نظرانداز کر کے گویا یہ شعر پڑھتے ہوئے کہ ؎

سب سے بیگانہ رہے یار شناسا تیرا
حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

میدانِ جہاد میں چلنے کے لیئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دروازے کی طرف لپکے۔ دلہن نے دامن پکڑ لیا۔ اور اپنی طرف دیکھنے کو کہا حضرت حنظلہ کو ان کی دلہن پیچھے کی طرف کھینچ رہی تھی اور عشق مصطفٰے انہیں آگے کھینچ رہا تھا۔ مگر سبحان اللہ! کیا عشق و جذبہ تھا۔ کہ بقول ایک پنجابی شاعر کے حضرت

حنظلہ کا اپنی دلہن کو یہ جواب تھا کہ:۔

جے لکھ حوراں بھی آ دیون میںنوں آن وکھالا
میں اس پاسے جاواں جدہر کالی کملی والا

حضرت حنظلہ کو اس محویت کے عالم میں غسل کرنے کی ضرورت بھی یاد نہ رہی اور اس حالت میں معرکہ جنگ میں تشریف لے گئے اور اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہید بھی ہو گئے۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو شہداء کی لاشیں جمع کرنے کا حکم نبوی ہوا۔ سب لاشیں مل گئیں۔ مگر حضرت حنظلہ کی لاش مبارک نہ ملی۔ یکایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر ملاحظہ فرمایا تو آپ نے یہ منظر دیکھا۔ کہ حضرت حنظلہ کی لاش کو فرشتے اوپر لے جا کر ایک نورانی تختے پر لٹا کر آبِ رحمت سے غسل دے کر رہیں۔ اسی دن سے آپ کا لقب ۔ غسیل الملائکہ ہوا (مواہب لدنیہ صفحہ ۹۴/۱)

چھوٹی عمر کے دو مجاہد

بھائیو! اپنی تاریخ میں کیا کچھ نہیں ملتا۔ حضرت حنظلہ تو ایک نوجوان صحابی تھے آیئے دو چھوٹے مجاہدوں کا جذبہ جہاد ملاحظہ فرمایئے۔

معاذ و معوذ رضی اللہ عنہما دو سگے بھائی تھے۔ دونوں بھائی تھے۔ دونوں بہت کم عمر تھے اور یتیم تھے جنگ بدر کے موقعہ پر یہ دونوں بھائی گھر آئے تو ان کی والدہ رو رہی تھی۔ پوچھا۔ امی جان! آپ کیوں رو رہی ہیں تو ماں نے جواب بیٹو! تم جانتے ہو میں بیوہ ہوں۔ تم یتیم ہو۔ تمہارے والد اس دنیا میں نہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ کفار مکہ مدینہ پر حملہ کرنے آ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں چلنے کا ارشاد فرما دیا ہے۔ میری ملنے جلنے والیوں نے بتایا ہے کہ ان کا شوہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے ہیں اور وہ میدان جہاد میں جا کر رہے ہیں اے کاش! میرے بیٹو! آج تمہارے والد بھی زندہ ہوتے ہیں اور وہ بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر میدانِ جہاد میں پہنچے

تو میں بھی خوش ہوتی۔ اور اپنی ملنے والیوں سے کہتی کہ میرے شوہر بھی حضور کی خدمت میں پہنچ گئے ہیں۔

سبحان اللہ! اُن پاک عورتوں کا رونا بھی کیسا پاکیزہ تھا۔ آج کل کی عورت اگر روتی ہے۔ تو اس پئے کہ ننھے کے ابا پکچر دیکھنے تنہا چلے گئے مجھے ساتھ نہیں لے گئے۔ مسلمانوں! دعا مانگو کہ خدا ہمیں بھی وہی جذبہ عطا فرمائے۔ آمین

ہاں تو دونوں بھائیو! نے ماں کو روتے ہوئے دیکھ کر جو وجہ معلوم کی تو ماں سے کہنے لگے۔ امی جان! آپ کیوں روتی ہیں۔ والد اگر نہیں ہیں۔ تو نہ سہی ہم تو ہیں۔ اُٹھیئے۔ آپ ہمیں تلواریں دیجیئے۔ ہم حضور کی خدمت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر میدانِ جہاد میں چلتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ جذبۂ جہاد بچوں میں جب ماں نے دیکھا تو میں لکھا ہے کہ ؎

رہ گئی بچوں کا جذبہ دیکھ کر ماں جھوم کر
اور پھر کہنے لگی بچوں کے منہ کو چوم کر

ماں بچوں کا یہ جذبہ دیکھ کر جھوم اٹھی۔ اور ان کا منہ چوم لیا۔

بھائیو! ایک آج کل کی بھی مائیں ہیں۔ جو بچوں کی شرارت پر خاموش ہوتی ہیں۔ ماں مٹھائی بانٹتی ہے۔ کس بات پر؟ اس بات پر۔ کہ میرے منھے نے آج پہلی بار مجھے گالی دی ہے۔ کیا کہنے اس خوشی پر۔ خدا تعالیٰ ہدایت دے اور ہماری ماؤں میں بھی وہ جذبہ پیدا کرے۔ جو صحابہ کرام کی ماؤں میں تھا۔ آمین

ہاں تو ماں نے خوشی سے مونہہ چوم لیا اور بچوں سے کہا کہ ؎

میں بڑی خوش ہوں تمہارا ایسا دم خم دیکھ کر
پر پریشان ہوں تمہاری عمر میں کم دیکھ کر

بیٹو! جذبہ جہاد تو بڑا بلند ہے۔ لیکن عمر تمہاری بہت کم ہے۔ مجھے اس بات کی فکر ہے۔ بچوں نے جواب اور سبحان اللہ! کیا ایمان افروز جواب ہے۔ کہنے لگے ؎

گرچہ ہم دونوں ہیں بچے عمر میں ہم زیر ہیں
کافروں کے واسطے لیکن اے ماں ہم شیر ہیں

امّی جان! ہم اگرچہ چھوٹے ہیں لیکن کافروں کے لیے شیر ہیں اور اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا ترجمہ ہیں۔

ماں نے کہا۔ میرے مجاہد بچو! جیتے رہو۔ لیکن یہ بھی سوچا ہے کہ کافروں کے پاس بڑا سامانِ جنگ ہے ان کے پاس تیر ہیں۔ بھالے ہیں۔ نیزے ہیں تلواریں ہیں۔ لیکن تمہارے پاس کیا ہے؟ بچے بولے اے

ناز ہے ان کو اگر کچھ نیزہ و شمشیر پر
تو ہمیں بھی ناز ہے پھر نعرۂ تکبیر پر

نَعْرَۂ تَکْبِیْر — اَللّٰہُ اَکْبَرُ
نَعْرَۂِ رِسَالَتْ — یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز جواب ہے۔ کافروں کو اگر سامانِ حرب پر ناز ہے۔ تو ہمیں اپنے اللہ اور اس کے رسول پر ناز ہے۔

نعرۂ رسالت

میرے بھائیو! میں نے جو نعرۂ رسالت ساتھ نعرۂ تکبیر بھی لگایا ہے۔ تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ صحابۂ کرام میدانِ جہاد میں یہ نعرہ بھی لگایا کرتے تھے۔ چنانچہ آئیے آپ کو صحابہ کرام کا ایک واقعہ سناؤں۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے قنسرین سے کعب بن ضمرہ کو ایک ہزار سوار دے کر فتح حلب کے لیئے روانہ کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ میں بھی تمہارے پیچھے آرہا ہوں۔ اُدھر یوقنا حاکم حلب کو اس کے جاسوسوں نے خبر دی کہ عرب ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ تمہارے شہر کی فتح کے ارادہ سے آرہے ہیں اور وہ شہر کے چھ میل کے فاصلہ پر ہیں۔ یوقنا نے اپنے لشکر کو تیار کر کے آدھا اپنے ساتھ لیا اور آدھا اپنے پیچھے مقرر فرمایا۔ حضرت کعب

کی نظر جب اس کے لشکر پڑی۔ تو فرمایا اپنے ساتھیوں سے کہ میرے اندازہ کے مطابق دشمن کا لشکر بانچ ہزار ہے جس کا ہمیں مقابلہ کرنا ہے۔ الغرض مقابلہ شروع ہوا اور یوقنا کے لشکر کے قدم اکھڑنے لگے۔ اور مسلمان کو فتح کا یقین ہو گیا۔ مگر اسی وقت یوقنا کا پچھلا لشکر بھی آپڑا۔ جس سے مسلمانوں کے لشکر کا کچھ حصہ گھبرا گیا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیئے بےچین اور صورتِ حال سے پریشان تھے۔ اور اپنے لشکر میں یوں پکار رہے تھے

يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ يَا نَصْرَ اللهِ اِنْزِلْ مَعَاشِرَ الْمُسْلِمِيْنَ اُثْبُتُوْا اِنَّمَا هِيَ سَاعَةٌ وَّيَاْتِي النَّصْرُ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔

(فتوح الشام مطبوعہ مصر ص ۱۵۱ ج ۲)

یا محمد! یا محمد! اے اللہ کی مدد نازل ہو
اے مسلمان کے گروہ! ثابت قدم رہو۔ یہی ایک گھڑی ہے
مدد آنے والی ہے تمہارا ہی بول بالا ہے"

معلوم ہوا کہ میدانِ کارزار میں صحابہ کرام نعرۂ رسالت بھی لگایا کرتے تھے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ فتح و نصرت عطا فرما رہا ہے

ہاں تو ان دونوں بھائیوں نے ماں سے اجازت لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ اور عرض کیا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بچو! تم کس لیئے آئے ہو یہاں!

عرض کیا۔ یارسول اللہ! میدان جہاد میں چلنے کے ارادہ سے آئے ہیں فرمایا۔ تم تو ابھی کم سن ہو۔ بچے ہو۔ تم واپس چلے جاؤ ــــــ دونوں بھائی قدموں میں گر گئے۔ اور رونے لگے، اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! ہمیں واپس نہ کیجیئے۔ ہماری ماں بیوہ ہے۔ وہ ہمارے والد کو یاد کرکے رو رہی تھی۔ اس کی خواہش تھی۔ کہ ہمارے والد زندہ ہوتے تو وہ میدان جہاد میں جاتے

ہم اپنی ماں کو تسلی دے کر آئے ہیں۔ کہ اے ماں! خوش ہو جاؤ۔ اپنے والد کی جگہ ہم دو نوں بھائی میدانِ جہاد میں جاتے ہیں۔۔۔۔۔ یارسول اللہ! اب اگر ہم واپس چلے گئے۔ تو ہماری ماں کے دل پر کیا گزرے گی! حضور ہمیں واپس نہ لوٹائیے ہمیں اپنے ساتھ لے چلیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں کا جذبۂ جہاد دیکھ کر فرمایا۔ اچھا میرے سامنے آؤ۔ میں ذرا تمہارے قد تو دیکھ لوں کہ تم کتنے بڑے ہو! مسلمانو! مؤرخین لکھتے ہیں۔ کہ دو نوں بھائی حضور کے سامنے کھڑے ہوئے تو اپنی ایڑیاں اوپر اٹھالیں۔ تاکہ وہ بڑے نظر آئیں۔ حضور نے ان کا یہ شوق دیکھ کر فرمایا اچھا میں دونوں میں سے بڑے کو منظور کرتا ہوں۔ اور تم بیٹا چھوٹے ہو تم واپس چلے جاؤ۔

حضور نے بڑے بھائی کو جو منظور فرمالیا۔ اور چھوٹے کو واپس جاتے کے لیے کہا۔ تو بڑا بھائی تو خوش ہو گیا۔ لیکن چھوٹا رونے لگا اور قدموں میں لوٹنے لگا۔ اور رو رو کر عرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ! مجھے بھی منظور فرمالیجئے اور حضور! اگر آپ مجھے چھوٹا سمجھ کر ساتھ نہیں لے چلتے۔ تو میری عرض سنیئے۔ میں اگر چھوٹا ہوں۔ لیکن بڑے بھائی سے طاقتور ہوں۔ یارسول اللہ! بیشک آپ بڑے بھائی سے کشتی لڑا کر دیکھ لیں۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا تم دو نوں بھائی کشتی لڑو۔ مسلمانو! دیکھو ان پاک لوگوں کا جذبۂ جہاد۔ یہ دو نوں بھائی میدان جہاد میں جانے کے لیئے کیا کیا جتن کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے دو نوں بھائی کشتی لڑنے لیئے تیار ہوئے۔ چھوٹا بھائی جب بڑے کے قریب آیا۔ تو اس سے منت کے ساتھ کہنے لگا۔ بھائی جان! حضور نے تمہیں قبول فرماہی لیا ہے۔ خدارا تم کشتی لڑتے ہوئے جان بوجھ کر مجھ سے گر جاؤ۔ تاکہ اس بہانے میں بھی منظور کر لیا جاؤں۔ اور میں بھی میدانِ جہاد میں چلوں۔ مسلمانو! سنو دونوں بھائی کشتی لڑنے لگے اور بڑا بھائی۔

جان بوجھ کر چھوٹے بھائی سے ہار گیا اور گر گیا۔ چھوٹے بھائی نے یہ کشتی جیت لی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے بھائی کا یہ جذبہ دیکھ کر اُسے بھی منظور فرمالیا۔ اب یہ دونوں بھائی میدانِ جہاد میں جا پہنچے۔

ابُوجہل کا قتل

حضرات! میدانِ بدر میں ابو جہل اپنی سپاہ کو لڑا رہا تھا اور ملعون خود موت سے ڈر رہا تھا سرتا بو لوہے کی زرہ میں ملبوس ساٹھ ستر سپاہیوں کی قطار کے پیچھے رہ کر احکام نافذ کر رہا تھا۔ بھائیو! کفار کا اتنا بڑا جرنیل۔ لیکن موت سے ڈر رہا تھا۔ اور کافر موت سے ہمیشہ ڈرتا ہے۔ یہ مسلمان کی شان ہے۔ کہ وہ موت سے نہیں ڈرتا۔ مسلمان کو علم ہے کہ اگر میں میدانِ جہاد میں جا کر بچ کر آ گیا تو غازی۔ مارا گیا تو شہید۔ اسے گھاٹا کسی طرف سے ہے ہی نہیں۔ یہ بچ جائے تو غازی مارا جائے تو شہید۔ اسے اگر نہ ملے تو روزہ۔ مل جائے تو عید۔ حضور کے صدقہ میں اسے ہر طرف فائدہ ہی ہے ہاں تو مسلمان کو علم ہے۔ کہ مارا گیا تو شہادت پاؤں گا۔ جنت کے دروازے کھلے ہوں گے اور حورانِ جنت میرے استقبال میں کھڑی ہونگی۔ اور یہ ہمارے دشمن کافر ہندو یہ بتاتا ہے کہ اگر مر گئے تو اگلے جنم میں گدھا۔ گھوڑا۔ بلا۔ سؤر۔ خدا جانے کس شکل میں آنا پڑے۔ اس لیئے کافر کا مرنے پر دل نہیں چاہتا۔ کہ خواہ مخواہ مر کر اگلے جنم میں خدا جانے کیا بن کے آنا پڑے۔ اس لیئے جتنی دیر زندہ رہ سکیں غنیمت ہے۔ ہاں تو ابو جہل کا لوہے میں مڑھا ہوا مسلح سپاہیوں کے دستہ کے پیچھے رہ کر اپنے لشکر کو مسلمانوں سے لڑا رہا تھا۔ میدانِ کارزار گرم ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح ابو جہل تک رسائی ہو۔ اور اس دشمنِ اسلام کو قتل کر دوں۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر میدانِ جہاد میں دعا مانگی۔ الٰہی! ابو جہل کے قتل کرنے کی کوئی صورت پیدا کر۔ دعا مانگ کر مونہہ پر ہاتھ پھیرے تو دائیں بائیں سے

اسلام علیکم کی آواز آئی۔ دیکھا تو دونوں بھائی ہاتھ میں تلواریں لیئے کھڑے ہیں اور آتے ہی دریافت کیا۔ چچا جان! ابوجہل کہاں ہے ؎

نہایت راز داری سے نشان بوجہل کا پوچھا
شباہت اور حلیہ اور موجودہ پتہ پوچھا

حضرت عبدالرحمٰن نے پوچھا۔ بچو! اس بیدین سے تمہارا کیا کام ہے تو دونوں بولے۔ ؎

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں کے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوبِ باری کو

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ان کی جرأت پر حیران رہ گئے۔ اور ان سے کہا بچو! ارادہ تمہارا بلند ہے۔ مگر کام بڑا مشکل ہے۔ وہاں تو موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ موت کا نام سن کر دونوں بھائی بولے۔ ؎

مگر عشاق اپنی جانکی پروا نہیں کرتے
خدا سے ڈرنے والے موت ہرگز نہیں ڈرتے

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا۔ لیکن ابوجہل تک تمہاری رسائی بڑی مشکل ہے۔ کیونکہ۔ ع

حفاظت کر رہا ہے گرد اس کے فوج کا دستہ

بچوں نے جواب دیا۔ ع

یہ دستہ کب تلک روکے گا عزرائیل کا رستہ

آخر حضرت عبدالرحمٰن نے ان کو ابوجہل کا نشان و پتہ بتایا۔ کہ وہ فلاں جگہ فوجی دستہ کے پیچھے سراپا زرہ میں ملبوس کھڑا ہے یہ سن کر۔

؎

خدا حافظ کہا اور کھینچ لیں دونوں نے شمشیریں
بڑھے یکبارگی کہتے ہوئے پر جوش تکبیریں

ابوجہلِ سیہ رُو پہ نگاہیں گاڑ کر دوڑے
قریشی فوج کے دل بادلوں کے پھاڑ کر دوڑے

چنانچہ یہ دونوں بھائی دوڑے۔ ایک فوجی دستے کے اوپر سے کود گیا دوسرا ان کی ٹانگوں میں سے ہوتا ہوا گزر گیا اور دونوں ابوجہل پر جاکر جھپٹے۔ ابوجہل نے اس بلائے ناگہانی سے بچنے کی ہزار کوشش کی مگر اُسے اُن ننھے مجاہدوں کے کے ہاتھوں فی النار ہونا تھا۔ دو ننھی ننھی تلواریں بے دین پر ایسی پڑیں کہ گھوڑے سمیت زمین پر آگرا۔ اور دم توڑنے لگا کفار نے جب اپنے سردار کو مرتے دیکھا۔ تو ان دونوں مجاہدوں پر لشکر کا لشکر ٹوٹ پڑا۔ مگر اللہ رے عشقِ مصطفٰے کہ ان ننھے مجاہدوں نے جی نہ ہارا۔ بہت سے کافر مارے اور زخمی کر کے پہلے حضرت معوذ رضی اللہ عنہ شہید ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے بھائی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تنہا کفار سے لڑنے لگے لڑتے لڑتے حضرت معاذ کا ایک بازو کٹ گیا۔ اور ایک تسمہ سا باقی رہ گیا جس سے آپ کا بازو لٹکنے لگا۔ حضرت معاذ دوسرے ہاتھ میں لے کر لڑنے لگے۔ لیکن کٹا ہوا ہاتھ ایک تسمہ رہ جانے کے باعث لٹکتا ہوا لڑنے میں مخل جو نظر آیا تو اس اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ کر زور سے کھینچا۔ اور اس تسمہ کو بھی توڑ کر ہاتھ الگ پھینک دیا اور پھر اطمینان سے لڑنے لگے۔ اور اس کے بعد یہ بھی جام شہادت نوش فرما گئے۔ دونوں بھائی شہید ہو گئے۔ لیکن سب سے بڑے کافر ابوجہل کو فی ر کر گئے۔ (رضی اللہ عنہم)

فضائلِ جہاد

میرے بزرگو! اور دوستو! — اب میں آپ کو جہاد کے فضائل سناؤں خدا تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ

وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ
اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۔ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا ہ

(پ۵ ع ۱۰)

(ترجمہ) برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہے اور وہ کہ راہِ خدا سے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اللہ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا ہے۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑا اجر دے کر فضیلت دی ہے"۔

اِن آیات شریفہ میں خدا تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب دی ہے اور جہاد کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ کہ بیٹھ رہنے والے، اور جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ مجاہدین کے لیئے بڑے درجات، اور ثواب ہیں ہاں جو لوگ کسی عذر کی وجہ سے مثلاً بیماری۔ پیری یا نابینائی و نا طاقتی کے باعث جہاد میں حاضر نہ ہو سکیں۔ اگر انکی نیت درست ہے۔ تو وہ فضیلت و ثواب سے محروم نہ ہوں گے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے جو كُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فرمایا ہے اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اس سب میں وہی کسی عذر کی وجہ سے رہ جانے والوں کا بیان ہے۔ ایسے لوگ ثواب تو ضرور پائیں گے لیکن جہاد کرنے والوں کو عمل کی فضیلت اِن سے زیادہ حاصل ہے اور خدا تعالیٰ نے میدانِ جہاد میں آجانے والوں کو جو فضلت دی ہے وہ خدا کے اس ارشاد سے ظاہر ہے۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا ہ

(ترجمہ) اللہ نے جہاد والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی ہے۔

حدیث شریف

اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں
لَا یَجْتَمِعُ عَلٰی عَبْدٍ غُبَارٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ۔ (مشکوٰۃ شریف صـ۳۲۴)

(ترجمہ) یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے بدن پر جو غبار پڑتی ہے۔ تو پھر اس بدن پر جہنم کا دھوآں اس غبار کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

مطلب یہ کہ مجاہد جہنم سے آزاد ہے اور جنتی ہے۔

ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو آنکھ خدا کے ڈر سے روئی۔ اور جس آنکھ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے پہرہ دیا ان دونوں آنکھوں کو جہنم کی آگ چھوئے گی بھی نہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ جہاد ایک بہت بڑا نیک عمل ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ حضرات جو مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔





تیسرا خطاب

اسلامی اخوّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (پ ۲۶ ع ۱۳)

"مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔"

حضرات! آج مجھے اسلامی اخوّت کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے!

بھائیو! حضرتِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا ہے۔ یہ ساری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ یوں تو کائنات کی ہر شے ہے بقول ؎

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہٗ لاشریک مے گوید

اللہ تعالیٰ کے وجود پر شاہد ہے۔ لیکن انسان اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتوں کا سب بڑا شاہد ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ (پ ع)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف"

یعنی خدا تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے۔ کہ انسان باوجودیکہ سب ہم جنس ہیں لیکن کوئی گورا ہے کوئی کالا کوئی سرخ ہے کوئی پیلا اور کسی کی زبان عربی ہے۔ کسی کی فارسی کوئی انگریزی بولتا ہے۔ اور کوئی اردو۔ انسان کے سوا جتنے حیوانات ہیں۔ ان میں یہ بات نہیں۔ شیر۔ بکری۔ گائے۔ گدھے گھوڑے اور پرندے ہر جگہ ایک سے نظر آتے ہیں۔ رنگ۔ بولی اور خوراک میں سب جگہ یکساں ہیں۔ کوّے سب جگہ سیاہ ہوں گے اور ہر ملک میں کائیں کائیں کریں گے۔ گدھے ہر ملک میں ایک سے پائیں جائیں گے اور رینکتے ہی نظر آئیں گے۔ بکری ہر ملک میں ممیائے گی۔ شیر ہر ملک میں دہاڑے گا۔ اور پھر ان کی خوراک یکساں ہے گائے بکری ہر جگہ گھاس کھاتی نظر آئیں گی۔ شیر گوشت کھاتا نظر آئے گا کسی غریب کی بھینس اگر کھاتی ہے تو امیر کی بھینس کیک اور پیسٹری نہیں نہیں کھاتی۔ بلکہ وہ بھی چارہ کچھ کھاتی ہے۔ جو غریب کی بھینس کھاتی ہے۔ مطلب میرا یہ ہے۔ کہ سارے جانور ہر ملک میں شکل وصورت میں ایک سے اور بولی و خوراک میں ایک سے ہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں ایک اس کی وحدت کی نشانی ہے۔ کہ اس ایک نے کروڑوں جانوروں کو اپنی وحدت کا مظہر بنادیا۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی شان۔

یعنی وہ ہر وقت اپنی قدرت کے مختلف آثار ظاہر فرماتا ہے۔ کا مظہر بنایا اور انسان کو مختلف رنگ عطا فرمائے۔ مختلف آوازیں بخشیں۔ اور مختلف زبانیں عطا فرمائیں۔ چنانچہ انسان کی رنگت۔ بولی اور خوراک اور

لباس ہر جگہ الگ الگ ہے۔ عربیوں کا لباس اور، زبان اور عجمیوں کا لباس اور زبان اور۔ کوئی گورا۔ اور کوئی کالا۔ کوئی فصیح اور کوئی اُجڈ۔ الغرض انسان اپنے اختلاف میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی ہے۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ لاکھوں پدموں انسان پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ لیکن ہر شخص اپنی شکل وصورت میں دوسرے شخص سے ممتاز ہوتا ہے۔ وہی ناک۔ وہی منہ۔ وہی دو آنکھوں اور وہی چہرہ۔ مگر خدائے واحد نے ہر شخص کی شکل وصورت میں اپنی وحدت کی سی اسی طرح جھلک رکھی ہے۔ کہ ہر شخص لاکھوں میں ممتاز نظر آتا ہے۔ جو بھی ہے۔ وہ اپنی شکل وصورت میں واحد ہے۔ اس جیسا دوسرا کوئی نہیں ہے۔ بھائیو! خدا کی قدرت دیکھو۔ کہ ہر شخص کے چہرے میں آنکھ ناک۔ پیشانی۔ مونہہ سبھی چیزیں ہوتی ہیں۔ لیکن ایک کا چہرہ دوسرے کے چہرے سے نہیں ملتے خدا جانے، خدا نے یہ امتیاز کیسے پیدا فرمایا۔ چہرے کے علاوہ آواز ہر شخص کی دوسرے کی آواز سے ممتاز ہوتی ہے۔ الغرض اس اختلاف میں بھی خدا خدا تعالیٰ کی قدرت کا جلوہ نظر آ رہا ہے۔

الغرض ــــ انسانوں میں متعدد اختلاف پائے جاتے ہیں۔ نسلی۔ وطنی اور لسانی اعتبار سے یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس قدر اختلاف کے باوجود چاہا۔ کہ سب انسانوں میں یکجہتی پیدا ہو اور سارے ایک نظر آئیں۔ چنانچہ اس نے سب انسانوں کو ایک کرنے کے لیے اپنی شان میں ایک اپنے محبوب کو بھیجا۔ جس نے گندمی۔ کالے۔ اور آعلیٰ اور عربی وعجمی انسانوں کو ایک لڑی میں پرو کر سب کو ایک کر دیا۔

دین کی ڈوری

حضرات! انسانوں میں جس قدر اختلاف ہیں۔ ان کو دور کرنا اور سب کو ایک کر دینا۔ نہ تو وطن کے بس کی ڈوری باتا ہے اور نہ ہی زبان ایسا کر سکتی ہے۔ کیونکہ وطن الگ

الگ بولیاں بولنے والے ایک کیسے ہو سکتے ہیں! یہ طاقت تو صرف دین میں ہے۔ وہ اپنی ڈوری میں ہر وطن اور ہر زبان کے انسانوں کو پرو کر سب کو ایک کر سکتا ہے چنانچہ دین اسلام نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی ڈوری پیش کی اور اعلان کیا۔ کہ جو اس ڈوری میں اپنے آپ کو پرولے گا۔ وہ گورا ہو یا کالا۔ عربی یا عجمی۔ کسی ملک کا ہو۔ کوئی سی بھی بولی بولتا ہو اس ڈوری میں پروے ہوئے جملہ انسان کا وہ بھائی ہو گا۔

سبحان اللہ! دین نے وہ کام کر دکھایا۔ جو نہ وطن سے ہو گا۔ نہ زبان سے۔ اس دینی اخوت سے عربی عجمی۔ اور گورے کالے۔ ادنیٰ و اعلیٰ سب بھائی بھائی بن گئے۔ اور کوئی کسی کا غیر نہ رہا۔

اسلامی اخوت

بھائیو! نسبی بھائی سے زیادہ مضبوط رشتہ دینی و اسلامی رشتہ ہے۔ جو اسلامی و دینی بھائی بھائی ہیں ان میں آپس کی محبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس میرے دعویٰ پر ہماری تاریخ شاہد ہے۔ ایک مثال پیش کروں۔ حج جو ایک دینی فریضہ ہے۔ جو مسلمان ایک جہاز میں حج کے لیئے چلے جائیں۔ وہ آپس میں حاجی بھائی کہلائیں گے اور پھر عمر بھر یہ رشتہ قائم رہتا ہے۔ اور جب بھی دو حاجی بھائی آپس میں ملیں تو سگے بھائیوں سے زیادہ محبت و پیار سے ملتے ہیں۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ دین کی اخوّت کس قدر مؤثر اور پائیدار ہوتی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو۔ اپنی تاریخ پڑھو اور اسلامی اخوّت کے مناظر دیکھو۔ مدینہ شریف میں ایک ست گھر احلہ تھا۔ یہ لوگ بڑے غریب اور مسکین تھے ہر ایک گھر میں فاقہ کشی کی نوبت تھی۔ ایک دن اتفاقاً ان میں سے ایک کے بکرے کی سری کا تحفہ آیا۔ باوجود اس کے کہ یہ لوگ خود فاقہ سے تھے۔ لیکن اس خیال سے کہ ہمارا ہمسایہ یہ ہے کہ یہ ہم سے بھوکا ہو گا۔ اگر وہ بھوکا رہا تو

قیامت میں خدا ہم کو کیا جواب دیں گے۔ اسی وقت وہ تحفہ ہمسایہ کے گھر بھیج دیا جب یہ تحفہ دوسرے گھر میں پہنچا تو وہ بھی اسی طرح خدا ترس لوگ تھے۔ انہوں نے اپنے ہمسایہ کے فاقہ کا سوچ کر وہ تحفہ اپنے ہمسائے کو بھیج دیا۔ تیسرے گھر میں یہ تحفہ پہنچا۔ تو انہوں نے بھی اسی خیال سے ساتھ والے اپنے ہمسائے کے گھر میں یہ تحفہ بھیج دیا۔ پھر انہوں نے بھی چوتھے گھر میں بھیج دیا۔ چوتھے گھر والوں نے پانچویں گھر میں۔ انہوں نے چھٹے میں۔ اور چھٹے گھر والوں نے ساتویں گھر میں بھیج دیا۔ اور اس طرح اس کے بعد ساتویں گھر والوں نے اسی جذبۂ خدا ترسی اور اسلامی اخوت کے خیال سے وہ تحفہ اپنے ہمسائے کے گھر میں بھیج دیا اور یہ ہمسائے وہی پہلے گھر والے تھے۔ جنہوں نے اس ایثار کی ابتداء کی تھی۔ یعنی وہ تحفہ پھرتا پھراتا جہاں سے چلا تھا پھر وہیں آگیا۔

دیکھا آپ نے؟ یہ اسلامی اخوت کا کارنامہ تھا مگر افسوس کہ ؎

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے
بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے
ایسے صابر تھے محمد کے گھرانے والے

آج کل میرے بھائیو! آجکل کے اس پرفتن دور میں دینی رشتہ محفوظ نہ رہا مغربی تہذیب ہماری اس اخوت کی ڈوری پر الحاد کے تیشہ سے وار کر کے اسے کاٹ دیا اور اس میں پروئے ہوئے دانوں کو بکھیر کر رکھ دیا اور کی صف آرائی و یکجہتی کو مٹا کر رکھ دیا۔ اب وہ لطف و محبت جو دینی بھائیوں میں ہونی چاہیئے۔ نظر نہیں آتی۔ بلکہ ایک دوسرے کے یہ دشمن بن گئے ہیں اسی لیئے میں نے اپنی تازہ نظم میں لکھا ہے۔ کہ ؎

دہائی یا رسول اللہ دہائی
کہ دشمن بن گیا بھائی کا بھائی

مرے آقا یہ کیا کرنے لگے ہیں
یہ آپس ہی میں کٹ مرنے لگے ہیں

میرے بھائیو! مشرقی پاکستان کا سانحہ۔ اور سندھ کا تازہ المیہ ہماری اسی دینی ڈوری کے کمزور ہو جانے بلکہ ٹوٹ جانے کے باعث پیدا ہوا ہے۔ میرے بھائیو! اسلامی اخوت کی ڈوری کو مضبوط کرو۔ اگر سلامتی درکار ہے۔ تو اسی میں پروئے رہو۔ ورنہ تمہارے انتشار میں تمہارا سراسر نقصان ہے، ایک اللہ کو ماننے والے۔ ایک رسول کی امت، اور ایک قرآن کے پڑھنے والے کیوں ایک نہ ہوں؛ افسوس کہ ہم غفلت کا شکار ہو گئے ہ

غم سے سینہ چاک ہے دل کو نہیں صبر و قرار
دیکھ کر آنکھوں سے اپنی قوم کو با حال زار
کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ تھا حکم جس کے واسطے
خانہ جنگی میں ہوا ہے ان کا دامن تار تار
چھوڑ دو للہ تم آپس کے جھگڑوں کو ہنوز
ایک ہو کر پھر زمانے کو دکھا دو ایک بار۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ





چوتھا خطاب

ایمان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

(پ ۵ - ع ۶)

ترجمہ:-

"اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے

جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ
تم حکم فرماؤ۔ اپنے دِلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے
مان لیں۔

حضرات!۔ آج مجھے ایمان کے متلق کچھ بیان کرنا ہے۔ اور یہ بتانا ہے کہ ایمان والا کون ہے؟ اور ایمان کس طرح حاصل ہوتا ہے۔ پہلے اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر سن لیجیئے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
اِن سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
قرآن یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

بھائیو!۔ آج ہر کوئی مسلمان اپنے مسلمان اور صاحبِ ایمان ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن خود کوئی لاکھ مومن و مسلمان بنتا رہے۔ اپنے منہ سے میاں مٹھو والی بات ہے۔ مومن وہ ہے۔ جسے خدا تعالیٰ مومن کہے۔ اور جو قرآن پاک کی رو سے مومن ثابت ہو۔ حضرات! یہ آیت کریمہ جو میں نے پڑھی ہے۔ اس میں اسی بات کا اعلان ہے۔ اور یہی بتایا گیا ہے کہ مومن کون ہے؟ اور صحیح معنوں میں مسلمان اور صاحبِ ایمان ہونے کے لیئے کیا شرط ہے۔؟

قسم | چنانچہ آیت شریفہ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قسم فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ اے محبوب تمہارے رب کی قسم!۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ خدا تعالیٰ نے خود ہی اپنی قسم فرمائی۔ لیکن فرمائی ایسے پیارے انداز میں کہ لطف ہی تو آگیا۔ فرمایا۔ تمہارے رب کی قسم! اور حضور کا رب کون ہے؟ خدا تعالیٰ خود آپ ہی۔ گویا یوں فرمایا۔ کہ مجھے قسم ہے خود اپنی ذات کی۔ کیا پیارا انداز ہے اور کتنی ایمان افروز قسم ہے۔ خدا تعالیٰ رب العالمین ہے۔ ساری کائنات کا وہی رب ہے۔ عرش و فرش اور

جملہ اولیاء و انبیاء کا وہی رب ہے۔ لیکن یہاں وہ اپنی ربوبیت کی نسبت صرف حضور کی ذاتِ گرامی کی طرف فرما کر یوں فرماتا ہے کہ مجھے وَرَبِّکَ محبوب مجھے تمہارے رب کی قسم! یعنی مجھے خود اپنی آپ ہی قسم! امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ تمام فرشتے، جن، اور انسان سب اللہ کے بندے ہیں۔ لیکن واقعۂ اسریٰ بیان فرماتے ہوئے خدا تعالیٰ یوں فرماتا ہے

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی

یہاں عبدیت کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی اور آیت میں اپنی ربوبیت کی نسبت اللہ نے حضور کی طرف فرمائی یہاں یوں فرمایا کہ تیرا رب" اور وہاں یوں فرمایا کہ میرا بندہ"..... امام موصوف فرماتے ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ یوں فرمایا ہے۔ کہ محبوب!

اَنْتَ لِیْ وَاَنَا لَکَ

تو میرا۔ اور میں تیرا

اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی لیئے فرمایا ہے کہ ؎

جنابِ محمدؐ برائے الٰہی
جنابِ الٰہی برائے محمدؐ
صلے اللہ علیہ وسلم

بھائیو! ہے تو خدا تعالیٰ سبھی کا رب مگر یہاں اپنی ربوبیّت کو صرف حضور کی ذاتِ والا کی طرف منسوب کر کے اس نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ کائنات میں اگر کوئی میرے یدِ قدرت کا شاہکار ہے۔ تو وہ یہ ذاتِ گرامی ہے۔ بلاتشبیہ جیسے کوئی کاریگر اپنے شوروم میں اپنی بنائی ایک ایک چیز دکھا کر پھر ایک سب سے زیادہ حسین و جمیل چیز کی طرف اشارہ کر کے کہے گا کہ اسے دیکھئے یہ میری بنائی ہوئی چیز۔ اور میں ہی ہوں اس کا بنانے والا ظاہر ہے

کہ اس شوروم کی ساری چیزیں اُسی کاریگر کی بنائی ہوئی ہیں مگر وہ کاریگر اپنے شاہکار کو دکھا کر خصوصیت کے ساتھ کہتا ہے کہ میری بنائی ہوئی اور میں ہوں اس کا بنانے والا۔ گویا میری ہر چیز اپنی اپنی جگہ قابلِ قدر ہے اور میں حسین وجمیل ہے۔ مگر میرا یہ شاہکار ہے۔ کہ اس جیسی نہ میں نے کوئی اور چیز بنائی ہے نہ اب ایسی کوئی اور چیز بناؤں گا۔ اور نہ ہی اس جیسی کسی چیز کے بننے کا امکان ہے ۔

رخِ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا اور کوئی آئنہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دکانِ آئنہ ساز میں

اطاعت

حضرات! خدا تعالیٰ قسم فرما کر پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا ارشاد فرماتا ہے۔ اور صاحب ایمان بننے کا طریقہ بیان فرماتا ہے۔ قبل اس کے کہ میں کچھ اور بیان کروں پہلے یہ بات سمجھ لیجئے۔ کہ انسان طبعًا حریت پسند ہے۔ اور وہ چاہتا ہے۔ کہ میں بالکل آزاد ہو کر رہوں۔ کسی پابندی و قانون کے زیر اثر نہ رہوں۔

بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ یہ انتقاضا ہے بہت بڑا نقصان وہ کیونکہ اس قسم کی آزادی سلامتی کے لیئے خطرناک ہے۔ عقلِ سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کسی نہ کسی پابندی و قانون کے زیر اثر رہے ورنہ ایسا آدمی جو بالکل آزاد رہنا چاہے گا۔ کبھی راحت نہ پا سکے گا۔ اور دینی و دُنیوی فلاح و کامیابی سے محروم رہے گا۔ دنیوی معاملات ہی دیکھے۔ اگر آدمی کسی دوسرے کی رائے پر چلنے انکار کر دے۔ اور اپنی من مانی کاروائی کرنے لگے۔ تو وہ ہر امر میں متزدد ہی رہے گا۔ کہ خدا جانے! فلاں امر میں میری رائے درست ہے یا نہیں۔ اطاعت میں سارا بوجھ دوسرے پر رہتا ہے۔ عقلِ سلیم کا تقاضا یہی کہ نہ جاننے والا جاننے والے کی رائے پر چلے اور اس اطاعت کرے۔ جو جاننے والا ہے وہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کی اطاعت کرے ہم نے

دیکھا ہے۔ کہ حکیم و ڈاکٹر خود بیمار ہو جائیں۔ تو دوسرے حکیم و ڈاکٹر کا علاج کرتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں"

بھائیو! یہ تو دنیوی معاملات کی بات تھی اور دینی معاملات میں تو اپنی رائے کا مطلقاً کوئی دخل ہے ہی نہیں۔ دین کو سنوارنے کے لیئے ضروری و لازم یہ ہے کہ نبی کی اطاعت کی جائے۔ حکیم و ڈاکٹر کی اطاعت میں تو یہ احتمال ہو سکتا ہے۔ کہ ان کی رائے غلط ہو مگر نبی کے ارشاد میں ناممکن ہے کہ غلطی پائی جائے وہاں تو صورت یہ ہوتی ہے کہ ع

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

تو نجات اگر ہے۔ تو اسی میں کہ نبی کی اطاعت کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں ہمیں یہی درس دیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔

اطاعت کی تین وجہیں

حضرات! ہمارے حضور صلی علیہ وسلم مطاع کل ہیں۔ اور ساری کائنات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم ہے:

خوب یاد رکھیئے۔ کہ اطاعت کی تین وجہیں ہوا کرتی ہیں۔ یا تو اطاعت احسان کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ کہ کسی شخص نے کوئی احسان کیا ہو۔ تو محسن سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ کسی کی اطاعت کی جاتی ہے۔ یا عظمتِ شان کی وجہ سے اطاعت کی جاتی ہے۔ چنانچہ حکام کی اطاعت اسی لیئے ہوتی ہے کہ وہ عظمتِ شان رکھتے ہیں۔ اور یا اطاعت کی وجہ محبت ہوتی ہے یعنی جس سے محبت پیدا ہو جائے۔ اس کی اطاعت محبت کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ محبت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے۔ کہ محبوب کی ہر بات مانی جائے۔

محسنِ کائنات

میرے بھائیو! اطاعت کی پہلی وجہ احسان سے اب آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے، حضور ساری

کے محسن ہیں۔ خوب یاد رکھیے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف خدا کا احسان ہے۔ حضور پر بجز اپنے اللہ کے اور کسی کا احسان نہیں، اگر کسی نے کوئی احسان کیا بھی۔ تو حضور نے ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے مطابق۔ اس کا بدلہ فوراً دے دیا۔

مفسرین کرام علیہم الرحمۃ اللہ نے کیا مزے کی بات لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ فرما کر ساری دنیا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار میں ڈال دیا۔ اور فرمایا۔ لوگو میرے بعد ایک رسول تشریف لانے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک احسان تھا کہ ہمارے حضور کی انتظار پیدا کر دی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس احسان کا بدلہ یوں چکایا۔ کہ اپنی امت کو بشارت دی کہ میرے غلامو! قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے گویا حضور نے لوگوں کو حضرت عیسی علیہ السلام کی انتظار میں ڈال دیا انتظار کا بدلہ انتظار ہی سے چکا دیا۔ الغرض ہمارے حضور پر بجز اللہ کے سوا اور کسی کا کوئی احسان نہیں۔ اسی لیئے آپ کا کوئی دنیوی اُستاد بھی نہیں کیونکہ استاد کا بھی شاگرد پر احسان ہوتا ہے۔ اگر حضور کا کوئی دنیوی استاد ہوتا تو جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم اعلان نبوت فرماتے تو استاد کہہ دیتا کہ واہ صاحب واہ! ہمیں سے پڑھ کر اب ہمیں سے اپنا کلمہ پڑھوا رہے ہو۔ خدا تعالیٰ نے حضور کو خود ہی پڑھایا اور فرمایا عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ تاکہ اس تعلیم کا احسان بھی حضور پر خدا کا ہی ہو۔ اور اسی لیئے آپ کے سر انور سے اللہ تعالیٰ نے والدین کا سایا بھی اٹھالیا۔ مختصر یہ کہ ہمارے حضور پر اللہ کا احسان ہے۔ اور ساری کائنات پر حضور کا احسان ہے۔ اور آپ محسن کائنات ہیں ؏

بھائیو! آپ نے ہمیں جہنم کی آگ سے بچا کر جنت عطا فرمائی کیا یہ اُن کا عظیم الشان احسان نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار احسانات

ہیں۔ جن کا ہر مسلمان کو اعتراف کرنا پڑتا ہے، بھائیو! اگر کوئی منکر حضور کے اور احسانات کو نہیں مانتا۔ تو کم از کم اتنا تو مانے کہ حضور نے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا اور جہنم کی آگ سے بچا لیا ؎

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
منکرو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

ہاں تو بھائیو! ہمارے حضور محسنِ کائنات ہیں۔ اور آپ کے ہم پر بے شمار احسنات ہیں۔ پس اس وجہ سے بھی ہم پر حضور کی اطاعت لازم ہے"

دوسری وجہ عظمتِ شان ہے۔ جس کی وجہ سے اطاعت کی جاتی ہے

تو بھائیو! ہمارے حضور کی عظمتِ شان

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کے مطابق خدا کے بعد اپنا درجہ رکھتی ہے اور ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ ؎

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی!
سب سے بالا و والا ہمارا نبی!
جس کو شایاں ہے عرشِ خدا پر جلوس
ہے وہ سلطانِ والا ہمارا نبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا کون بیان کر سکتا ہے۔ جبریل امین جو سارے فرشتوں میں افضل و اعلیٰ ہے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم ہے۔ ؎

خدا نے جب ازل میں نعمتیں تقسیم فرمائیں
لکھی جبریل کی تقدیر میں خدمت محمد کی

حضرات! آج کل کے اس پر فتن دور میں جہاں اور کئی ملحدانہ باتوں کا ظہور و وقوع نظر آ رہا ہے۔ وہاں مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبری بھی نظر آنے لگی ہے۔ کئی افراد حضور کے مقامِ ارفع و اعلیٰ سے بے خبر

ہو کر ان سے مماثلت کا دم بھرتے نظر آتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطاع نہیں مانتے اور آپ کے ارشادات کی تعمیل کا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ قرآن کے ہوتے ہوئے یہ حدیث کیا ہے؛ ایسے ہی لوگوں کے لیئے اقبال نے کہا تھا۔ کہ ؎

چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است

نظامِ مصطفٰے و مقامِ مصطفٰے

حضرات! آجکل اس انتخابی دور میں نظامِ مصطفٰے کی آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ اور ہمارا بھی یہی ایمان ہے۔ کہ پاکستان کی فلاح اسی میں ہے کہ اس میں میں نظامِ مصطفٰے رائج ہو۔ پاکستان کا وجود نامِ مصطفٰے کے صدقہ میں ہے اور اس کا استحکام نظامِ مصطفٰے کی بدولت ہوگا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے وطن عزیز کے استحکام و بقاء کے لیئے اس میں نظامِ مصطفٰے کو رائج کرنے کی کوشش کریں۔ اور ہماری دعاء بھی ہے۔ کہ جہاں اللہ نے ہمیں نظامِ مصطفٰے کے صدقہ میں یہ ملک عطا فرمایا ہے وہاں ہمیں نظام مصطفٰے رائج کرنے کی بھی توفیق دے۔ لیکن بھائیو! اس نظام سے پہلے ہمارے دلوں میں مقامِ مصطفٰے کا اعتراف بھی ہونا چاہیئے۔ دیکھیے! ایک بات عرض کروں، قرآن پاک میں آتا ہے:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (پ ۱، ع ۱۳)

اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو۔ کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی بغور سنو۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں جب وعظ فرماتے ہیں۔ تو صحابہ کرام کبھی کبھی درمیان میں یوں عرض کرتے رَاعِنَا یا رسول اللہ۔ حضور ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف بھی توجہ فرمایا۔ اور کلام اقدس کو اچھی طرح سمجھ لینے کا موقعہ دیجئے۔ یہودی جو

بدترین دشمنِ اسلام ہیں۔ وہ اس موقعہ پر موجود ہوتے۔ تو وہ اپنے بغض کی وجہ سے لفظ رَاعِنَا سے فائدہ اٹھاکر اسے ذرا کھینچ کر رَاعِیْنَا کہہ دیتے۔ راعی" عربی زبان میں چرواہے کو کہتے ہیں۔ اس معنی میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ہمارے چرواہے کہہ کر اس بے ادبی پر خوش ہوتے۔ چنانچہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

اِنَّ الْیَهُوْدَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ رَاعِیْنَا ای اَنْتَ رَاعِیْ غَنَمِنَا۔ (تفسیر کبیر ص۴۵۵ ج۱)

یہودی راعینا کہتے تھے اِن کی مراد یہ تھی۔ کہ اے ہماری بکریوں کے چرواہے"

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ــــ یہودیوں نے جب اس لفظ سے یہ بے ادبی کرنا شروع کی۔ تو خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کو حکم دیا۔ کہ مسلمانوں! تم ایسا لفظ استعمال کرنا ہی چھوڑ دو۔ جس لفظ سے یہ یہودی میرے محبوب کی بے ادبی کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ تم راعنا کی بجائے کہا کرو۔ اور یوں عرض کیا کرو" یارسول اللہ اُنْظُرْنَا ــــ حضور ہماری طرف نظرِ کرم فرمایئے۔

بھائیو! دیکھو تو۔ خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کے ارفع واعلیٰ مقام کی خاطر ایسا لفظ کہنے سے روک دیا۔ جس سے یہودیوں کو یہ موقعہ مل جاتا تھا۔ کہ وہ حضور کو چرواہا کہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ مگر اے بھائیو! آج کل کے بعض مفکرِ اسلام"، ایسے بھی نظر آنے لگے ہیں جو مقامِ مصطفٰے سے بے خبر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے۔ یہی لفظ بڑے دھڑلے سے لکھنے لگے ہیں"

چنانچہ جناب مودودی صاحب اپنی کتاب پردہ میں صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں [۱]

یہ قانون جو ریگستانِ عرب کے ایک ان پڑھ
چرواہے نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے

استغفر اللہ العظیم۔ دیکھئے! بالکل وہی لفظ ہے یا نہیں۔ جس کی وجہ سے

[۱] پردہ کے پہلے دوسرے ایڈیشن میں یہ گستاخی کے کلمات موجود ہیں اور بعد والے ایڈیشنوں سے ان کلمات کو نکال دیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو راعنا، کہنے سے روک دیا تھا۔ تاکہ یہودی اس لفظ سے "چرواہے" کا معنی پیدا کر کے میرے محبوب کے بلند مقام کی توہین نہ کر سکیں۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ آج مودودی صاحب وہی لفظ بالکل کھلے طور پر اختیار کر کے حضور کے حق میں لکھ رہے ہیں اور چھاپ رہے ہیں۔ تاکہ دوسرے بھی یہی لفظ پڑھیں اور سنیں۔ پھر کیوں نہ کہا جائے۔ کہ ع

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

میرے بزرگو۔ دوستو اور عزیزو! مقام مصطفٰے سے اس بے خبری کے ساتھ جو نظام لایا جائے گا۔ ظاہر ہے۔ کہ وہ بھی کچھ اسی قسم کا ہوگا۔ میرے بھائیو یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کا میں نے اظہار کیا ہے ورنہ مجھے آج کل کے اس سیاسی ہنگامے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے تو ایک دین کی بات لکھ دی ہے۔ جس پر غور کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

اسی طرح بعض اور الفاظ بھی ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند و بالا مقام کے لائق ہرگز نہیں۔ مثلاً۔ لیڈر وغیرہ جیسے ہلکے الفاظ جو آج کل کے سیاسی رہنماؤں کے لیئے تو موزوں ہو سکتے ہیں لیکن سارے نبیوں کے سردار اللہ کے محبوب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک کے لائق ہرگز نہیں .... افسوس[1] ہے اتنے بڑے بلند و بالا مقام کی مالک ہستی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ایسے عامیانہ الفاظ لکھنے، جو غیر مسلم رہنماؤں کے لیئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ایک بیحد غیر موزوں حرکت اور مقام مصطفٰے سے بے خبری کی علامت ہے۔ اگر کہا جائے۔ کہ لیڈر تو قائد اور رہنما کے معنی میں آتا ہے۔ پھر اس لفظ کو حضور کے لیئے استعمال کرنا کیوں غیر موزوں ہے؟ تو میری گذارش ہے کہ آیت مذکورہ میں جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو "راعنا" کہنے سے روک دیا ہے۔ یہی حکمت مضمر ہے۔ کہ جو لفظ اگرچہ اپنے معنوں میں صحیح بھی ہو۔ لیکن اس سے بے ادبی مصطفٰے کا پہلو بھی نکل

---

[1] دیکھئے تفہیمات صفحہ ۲۱۵

سکتا ہو تو وہ حضور کیلئے استعمال کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح یہ لفظ لیڈر بھی ہے یہ لفظ آج کل انہی لوگوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جو آج کل جوڑ توڑ کے عادی اور جھوٹے سچے وعدے کرنے میں مشتاق ہوں اور چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی .... کے مطابق چلنے والے ہوں اور جو کچھ آج کہیں اور کل کچھ اور کہہ دیں۔ مثلاً کل تک تو جلوس کو بدعت کہتے رہے۔ اور اپنا مطلب آیا۔ تو اُسے جائز کہہ دیا اور اگر کسی نے پوچھا کہ جناب آپ تو جلوس کو بدعت کہتے رہے ہیں اور اب یہ کیا۔ کہ خود ہی جلوس کے بانی بن گئے ہیں؟ تو کہہ دیا کہ میں نے تو جلوس کے خلاف کبھی کچھ کہا نہیں۔ یہ لفظ لیڈر،، ایسے ہی افراد کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ یہ لفظ اِن لوگوں کی وجہ سے بدنام ہو چکا ہے اس لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ لفظ ہرگز ہرگز موزوں نہیں۔ بلکہ حضور سرتوپا کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا بےادبی ہے۔ معنی اگرچہ اس کا پیشوا و قائد کا ہے۔ مگر اس کا استعمال جن مواقع پر ہوتا ہے اُس کے پیشِ نظر یہ الفاظ حضور کے لیے کبھی استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ نہ اگر معنی پر ہی اڑے رہ کر اس بات پر اصرار رہے۔ کہ اس لفظ کا استعمال حضور پر جائز ہے کیونکہ معنی اس کا قائد و پیشوا ہے۔ تو پھر ایک لفظ،، جانور بھی ہے۔ جس کا معنی ہے جاندار اور جان والا۔ دیوار یا درخت کو کوئی جانور نہیں کہتا۔ کیونکہ اُن میں جان نہیں ہوتی اور انسان میں جان ہوتی ہے۔ اور وہ یقیناً جاندار ہوتا ہے۔ تو کیا کسی انسان کو جانور کہنا جائز ہے؟ سب کہیں گے نہیں۔ مگر کیوں نہیں؟ اسی لئے نا کہ جانور معنی کے لحاظ سے اگرچہ انسان پر بھی بولا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ لفظ ایسا عام عام ہے۔ کہ گدھے گھوڑے اور کوے، چیل وغیرہ پر بولا جاتا ہے۔ اس لیئے انسان کی شرافت و عظمت کے پیشِ نظر یہ لفظ انسان پر ہرگز نہ بولا جائے گا چنانچہ انسان کو جانور نہیں کہتا۔ میرے بزرگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لیڈر کا لفظ بھی اسی طرح خلافِ عظمتِ مصطفٰے ہے جس طرح جانور کا لفظ انسانی عظمت کے خلاف ہے لہٰذا جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کیلئے لیڈر کا لفظ استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا۔ اُسے پھر اپنے لیئے بھی لفظ "جانور" پسند کر لینا چاہیے۔ اور دیگر القاب کے ساتھ ساتھ اپنے نام کے ساتھ موٹے حروف میں جانور لکھنا چاہیئے۔

تیسری وجہ جو اطاعت کی موجب ہے۔ محبت ہے۔ اور مطاع کا محبوب ہونا چاہیئے۔ بھائیو! یہ وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہونے میں کسے شک ہے۔ حضور ایسے محبوب ہیں۔ کہ خود خدا تعالیٰ آپ کا محب ہے اور ایسے محبوب خدا ہیں۔ کہ جو آپ کا محب بن جائے وہ خود محبوبِ خدا بن جائے اور آپ ایسے ہیں کہ جس نے آپ کو دیکھا۔ اس نے تو بھلا آپ پر قربان ہونا ہی تھا۔ جنہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ وہ بھی حضور کے نام پر مر مٹنے کو تیار ہیں۔ یہ واقعہ ہے آج تک ایسا محبوب۔ دیکھنے میں آیا ہی نہیں۔ جس کے چاہنے والے محبوب کی آمد سے پہلے بھی موجود ہوں۔ اور محبوب کے تشریف لے جانے کے بعد بھی موجود رہیں اور قیامت تک چاہنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور جس سے محبت کرنے والی خدائی بھی ہو۔ اور خود خدا بھی ہو۔ ؎

رسولوں میں رسول ایسے کہ ختم الانبیاء ٹھہرے
حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوبِ خدا ٹھہرے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطاع کل ہیں اور جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مطاع و حاکم نہ سمجھا جائے۔ اس وقت تک ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرات! آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے، کہ لوگ مومن ہو سکتے ہی نہیں جب تک کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم نہ سمجھیں۔ بھائیو! کہنے کو تو سب کہہ دیتے ہیں۔ کہ ہم مومن ہیں مگر مومن وہی ہے۔ جسے خدا مومن۔ فرمائے۔ اور جسے خدا کہہ دے کہ وہ مومن نہیں۔ تو وہ خود لاکھ بار کہتا ہے کہ میں

مومن ہوں، اس کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ دیکھیے خدا تعالیٰ ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

یعنی بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور قیامت پر بھی ایمان لے آئے۔ خدا تعالیٰ اس کے باوجود فرماتا ہے۔ کہ

مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

کہ وہ ہرگز مومن نہیں ہیں

بھائیو! اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔ یعنی ہم اللہ پر ایمان لے آئے... یہ گویا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنا ہے کیونکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنا اللہ پر ایمان لانا ہے لیکن لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پڑھنے والوں کو خدا فرماتا ہے۔ کہ

مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

وہ مومن نہیں ہیں"۔ ہم نے خدا سے دریافت کیا۔ کہ الٰہی! جو تجھ پر ایمان لے آئیں۔ اور قیامت کو بھی مان لیں۔ تو انہیں بھی فرمایا ہے کہ وہ مومن نہیں ہیں۔ تو پھر مومن کون؟... خدا نے اس کا جواب دیا۔ کہ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔

یعنی جب تک لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم نہ بنالیں اور حضور کو اپنا مطاع نہ سمجھیں۔ اس وقت تک وہ مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ بھائیو! دیکھ لو۔ ایمان کا حضور کو ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم مان لینے سے اگر حضور کو حاکم نہ مانا جائے گا۔ تو لاکھ بار کوئی کلمہ پڑھے۔ کروڑ مرتبہ اللہ پر ایمان لائے۔ کبھی وہ ایمان دار نہ ہوگا۔ اسی حقیقت کی طرف شاعر نے اشارہ کیا ہے کہ ؎

نماز اچھی حج اچھا روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود ان کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو سکتا نہیں!

اور اعلیحضرت نے بھی اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ ؎

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہے
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

کفر کا فتویٰ

حضرات! بعض لوگ علماء اہل سنت پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے فتوے کو دیکھیں۔ کہ اللہ پر ایمان لے آنے والوں کے لیۓ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔

مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔

وہ مومن نہیں ہیں۔ یعنی کافر ہیں،، اب کیا خدا تعالیٰ سے بھی یہی کہے گا کہ الٰہی! تجھ پر اور قیامت پر ایمان لے آنے والوں۔ یعنی کلمہ پڑھنے والوں اور اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کا ورد کرنے والوں پر تو مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ کہہ کر کفر کا فتویٰ کیوں لگا رہا ہے؟

بھائیو! دیکھو لو اگر کوئی عالم اہل سنت کسی گستاخ رسول پر فتویٰ لگاتا ہے تو وہ گویا سنتِ الٰہیہ پر عمل کرتا ہے۔ اور جو شخص ایسے عالم کو برا کہتا ہے۔ وہ دراصل خدا پر اعتراض کرتا ہے کہ خدا نے مومن باللہ کو کیوں کہا وہ مومن نہیں۔ بھائیو جو لوگ علماء اہل سنت پر آوازے کسا کرتے تھے کہ یہ لوگ بریلوی،، دوسروں پر کفر کے فتوے لگا دیتے ہیں۔ اب تو وہ بھی اکٹھے ہو ہو کر اور متفقہ طور پر کفر کے فتوے لگانے لگے ہیں۔ اب یہ لوگ علماء اہل سنت پر کبھی کوئی اعتراض نہ کر سکیں گے۔ اور کبھی یہ بات نہ کہہ سکیں گے۔ کہ یہ تو مسلمان

کو کافر بناتے پھرتے ہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! اس آیت شریفہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی کا پتہ چلتا ہے۔

حضور باذن اللہ مطاع کل اور حاکم کل ہیں۔ ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت تسلیم کرنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے مگر بھائیو! جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل ایک بشر سمجھنے اور کہنے کے عادی ہیں۔ وہ اپنے اس خیال باطل کی وجہ سے حضور کا حاکم ہونا تسلیم نہیں کرتے۔ اور حضور کے ارشادات جن کا دوسرا نام احادیث ہے۔ کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اطاعت کے لئے اللہ کافی ہے۔ قرآن ہم موجود ہے۔ پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ گویا انکار حدیث کا فتنہ اگر پیدا ہوا ہے۔ تو اس عقیدۂ باطلہ کی وجہ سے کہ رسول تو ہماری مثل ایک بشر ہے، پھر اس کی اطاعت کیوں کی جائے۔ چنانچہ یہی خیال حضور کے زمانہ میں کفار کا بھی تھا۔ کہ

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ (پ ۱۸، ع ۱)

کیا یہ تم جیسا بشر نہیں ہے۔ اگر تم اپنے جیسے بشر کی اطاعت کریں۔ تو تم ضرورت ٹوٹے میں رہو گے

دیکھ لیجئے کافروں کا یہی خیال تھا۔ کہ یہ رسول تو ہماری مثل ایک بشر ہے۔ پھر اس کی اطاعت ہم کیوں کریں۔ اگر ہم اپنی مثل بشر کی اطاعت رسول سے روکتا اور انکار حدیث پر ابھارتا ہے۔ خدا تعالیٰ مومنوں کو اطمینان دلانے کے لیے روکتا اور اطاعت رسول کی اہمیت جتانے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (پ ۵ ع ۸)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

یعنی مسلمانو! اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم تسلیم کر کے ان کی اطاعت کرو۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری مثل بشر نہیں۔ بلکہ بے مثل اور نورانی بشر ہیں اور ایسے کہ ان کا کلام خدا کا کلام۔ ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ان کی محبت خدا کی محبت اور ان کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ یہ جو کچھ فرمادیں وہی کچھ ہو جائے۔ یہ جسے قبول فرمالیں وہ خدا کا مقبول بن جائے اور جسے یہ مردود فرمادیں۔ لاکھ عابد و زاہد ہو۔ وہ خدا کا مردود ہو جائے ؎

مومن ان کا کیا ہوا اللہ اس کا ہو گیا
کافر اُن سے کیا پھر اللہ ہی سے وہ پھر گیا

مذہبی سوشلزم

حضرات! آج کل ملک میں سوشلزم کا لفظ بہت سننے آرہے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں امیر غریب کے امتیاز مٹا دینے کا دعویٰ شامل ہے اور کہا جاتا ہے کہ سوشلزم نظام میں کوئی امیر غریب کا امتیاز نہیں سب برابر ہیں اس موضوع پر کافی لکھا جا چکا ہے۔ اور اس غیر فطری برابری کے خلاف عقلی و نقلی دلائل پیش کیے جاچکے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ فطری اختلاف اور فرقِ مدارج کو مٹانے کی کوشش کرنا فطرت کے خلاف ناکام جنگ ہے۔ ہاں اسلام نے اہل دولت کی دولت میں غریبوں کا حق رکھ کر غریبوں کی جو اعانت کی ہے غریبوں کے مصائب و آلام کا اصلی علاج وہی ہے۔ اگر آج اسلامی احکام پر عمل کیا جانے لگے۔ تو یہ واقعہ ہے۔ کہ کسی غریب کو کوئی شکایت باقی نہ رہے اسلام میں آج کل کی سی سرمایہ داری کا کوئی جواز نہیں۔ کہ جائز و ناجائز طریقے پر دولت کو جمع کر کے پھر اُس پر سانپ بن کر بیٹھ جاؤ۔ اور اس میں جو زکوٰۃ و صدقات کے نام سے غریبوں کا حق ہے۔ اُسے بھی دبالو۔ اپنے عیش و عشرت کے لاکھوں کا خرچ کر ڈالو۔ اور غرباء و مساکین اور محتاجوں پر ایک کوڑی تک خرچ نہ کرو۔ شخص ملکیت کا اگر اسلام میں انکار نہیں۔ تو اس قسم کی زر

پرستی و سنگدلی کا بھی اسلام میں کوئی جواز نہیں۔ اسلام نہ تو شخصی ملکیت کو اڑاتا ہے اور نہ ہی غریبوں کا حق دبانے اور ان پر کچھ خرچ نہ کرنے کی اجازت دیتا ہے اسلام دینِ فطرت ہے۔ وہ راہِ اعتدال پر چلانے کے لیئے آیا اس میں نہ تو آج کل کی سی غیر فطری مساوات ہے۔ اور نہ ہی آجکل کی سرمایہ داری میں نے لکھا ہے۔ ؎

ہو سرمایہ داری کہ سوشل ازم
طرفدار اس کے نہ اُس کے ہیں ہم
مسلمان رکھتا ہے اپنا نظام
ہمیں کیا پرائے ازم سے ہے کام

الغرض یہ نیا نام سوشلزم کا جو آج کل سننے میں آرہا ہے اس کے متعلق یہی کہا سنا جارہا ہے کہ اس نظام میں امیر غریب، چھوٹے بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر ہیں۔ کوئی امتیاز نہیں۔ بھائیو! یہ تو ہے دنیوی سوشلزم۔ مگر ایک مذہبی سوشلزم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نبی ولی۔ اور امتی سب برابر ہیں اور بقولِ تقویۃ الایمان نبی ولی۔ بھوت پریت خدا کے سامنے سب یکساں عاجز ہیں کوئی مالک نہیں۔ کوئی مختار نہیں۔ سب عاجز و محتاج ہیں۔ دیکھا آپ نے مذہبی سوشلزم کو بھی؟ دُنیوی سوشلزم میں یہ تھا۔ کہ امیر غریب سب برابر اور مذہبی سوشلزم میں یہ ہے۔ کہ نبی امتی سب برابر۔ امتی بھی لیڈر۔ اور نبی بھی لیڈر۔ وہ بھی یہ بھی۔ بھائیو! ہم اگر دنیوی سوشلزم کو قبول نہیں کرتے۔ تو مذہبی سوشلزم کو بھی قبول کیوں کریں؟ آج ہمارے سامنے کوئی دنیوی سوشلزم کا علمبردار ہے۔ تو کوئی مذہبی سوشلزم کا وہ لوگ جو ایک سوشلزم سے بچنے کے لیئے دوسرے سوشلزم میں پھنس رہے ہیں۔ انہیں دانا کون کہے؟ الحمد للہ اہل سنت و جماعت ہر قسم کے سوشلزم سے بھی محفوظ ہیں کہ دوسرے مسلمان بھی ان الحاد پرور خیالات اور بد عقیدگی سے بچیں۔

بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل سمجھنا اور آپ کے ارشادات کو واجب العمل نہ جاننا یہ منافقین ہی سو شلزم کا کرشمہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم تسلیم نہیں کرتے۔

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

فرما رہا ہے۔

علم و اختیار

حضرات! اب ایک اور بات بھی سنتے چلئے اور وہ یہ ہے۔ حاکم کے لیئے علم و اختیار ضروری ہے یعنی جو حاکم ہو گا۔ لازماً وہ عالم ہو گا۔ اور صاحب اختیار بھی آپ نے یہ کبھی نہ سنا ہو گا کہ فلاں حاکم، حاکم تو ہے۔ مگر علم اُسے کسی بات کا اور اختیار اُسے کسی چیز کا بھی نہیں۔ کیوں صاحب! کیا ایسا ممکن ہے؟۔ دنیوی حکومتوں میں کسی چھوٹے سے حاکم کو بھی کئی اختیارات اسے زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ اور جتنا بڑا حاکم ہو اتنے ہی اختیارات اسے زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ بڑائی ہوتی ہی اختیارات کی وجہ سے ہے۔ مثلاً جب یوں کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں حاکم فلاں سے بڑا ہے۔ تو کیا بڑا ہے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کا قد بڑا ہے۔ یا اُس کا وزن زیادہ ہے چھوٹا حاکم پانچ فٹ کا ہے۔ اور بڑا چھ فٹ کا۔ چھوٹا ڈیڑھ من کا ہے اور بڑا پورے دو من کا۔ یا مراد اس سے یہ ہوتی ہے۔ کہ بڑا حاکم اختیارات میں بڑا ہے۔ بھائیو! بڑا حاکم سے بہر حال مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ اس کے اختیارات زیادہ ہیں۔ اور وہ اختیارات میں بڑا ہے۔

بھائیو! یہ تو اُن دنیوی حاکموں کی بات ہے۔ جنہیں دنیا والے حاکم مقرر کرتے ہیں۔ پھر وہ ذاتِ بابرکات صلی اللہ علیہ وسلم جسے خود خدا نے حاکم مقرر فرمایا ہو۔ اور کسی محدود حلقہ کا نہیں۔ کسی خاص ملک کا نہیں بلکہ ساری کائنات کا حاکم بنایا ہو فرمایئے اس کے اختیارات کا کون اندازہ

کر سکتا ہے۔! اور کیا یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ کہ دنیوی حاکم تو با اختیار ہوں۔ اور اللہ کا بنایا ہوا حاکم بے اختیار ہو۔ اور اس کے لیئے یوں کہہ دیا جائے۔ کہ جس کا نام محمد ہے۔ وہ کسی چیز کا مالک ہو مختار نہیں۔ توبہ! توبہ! کس قدر جہالت کی بات ہے۔ اور ایسے شخص کے لیئے یہ مصرعہ کس قدر موزوں ہے۔ کہ ع

چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عربی است

حضرات! ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بعد سب سے بڑے حاکم، اور سارے حاکموں کے حاکم ہیں، اور اللہ کے بعد سب سے زیادہ با اختیار ہیں۔ اور یہ حکومت و اختیار خداداد ہے۔ میرے رسول کو یہ مرتبہ میرے اللہ نے عطا کیا ہے۔ آپ مطاع الکل، اور ساری کائنات کے حاکم بن کر تشریف لائے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے اختیارات پاکر تشریف لائے ہیں۔

صاحبِ شریعت

حضرات! اپنا ایمان رکھو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ شریعت ہیں۔ آپ زبانِ انور سے جو حکم ہو جائے۔ وہی شریعت ہے۔ اور امت کے لیئے اس کی تعمیل ضروری ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار دیا ہے کہ آپ جس چیز کو چاہیں۔ واجب کر دیں۔ جسے چاہیں ناجائز کر دیں۔ چنانچہ آیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اختیار کی ایک جھلک دیکھئے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کے لیے ارشاد فرمایا ہے

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ٥ (پ ۹، ع ۹)

(وہ رسول) انہیں بھلائی کا حکم دے گا۔ برائی سے منع کریگا ستھری چیزیں ان کے لیئے حلال کریگا۔ اور گندی چیزیں ان

پر حرام کرے گا۔"

دیکھ لیجئے۔ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ تحلیل و تحریم کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرماتا ہے۔ کہ ستھری چیزوں کو وہ حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو وہ حرام فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ۝ (پ۶ ع۵)

تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سوئر کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ اور جو گلا گھونٹے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہو۔ اور جو گر کر مرا ہو۔ اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا۔ اور جسے کوئی درندہ کھا گیا۔ مگر جسے تم ذبح کر لو اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا۔"

ان آیات شریفہ میں دس چیزوں کو حرام فرمایا گیا ہے۔ مردار، خون خنزیر، اور وہ جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو۔ ان چاروں کے بعد جن چیزوں کی حرمت کا بیان ہے۔ وہ مردار ہی کی اقسام ہیں اس طرح صرف چار چیزیں رہ جاتی ہیں۔ جن کو قرآن پاک میں حرام فرمایا گیا ہے۔ میرے دوستو! ان کے علاوہ اور جو چیزیں ہیں ان کے متعلق قرآن پاک میں کوئی بیان نہیں۔ مثلاً۔ کتا۔ بلا۔ گدھا۔ شیر۔ ریچھ اور کوا۔ چیل وغیرہ ان کے متعلق قرآن پاک میں کوئی ذکر نہیں۔ کہ چیزیں حرام ہیں یا حلال؛ ہم نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی۔ کہ الٰہی! مردار۔ خون۔ اور خنزیر کے متعلق تو تو نے فرمادیا کہ یہ حرام ہیں۔ لیکن یہ جو کتا، بلا، گدھا اور چیل، کوا، گدھا وغیرہ ہیں۔ ان کی حلت و حرمت کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ تو خدا نے ارشاد میں فرمایا۔ کہ باقی تمام گندی و ستھری چیزوں کی تعیین اور ان

کی حلت و حرمت کا فیصلہ میرا محبوب فرمائے گا۔

یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ۔

لہٰذا میرے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ان سے پوچھ لو اور پھر۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۔

میرا رسول جسے حلال فرمائے۔ کھاؤ۔ اور جس کو حرام فرمادے اس سے رُک جاؤ۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہمارا حاکم بنایا۔ اور آپ کو اتنے اختیاراتِ عالیہ عطا فرمائے۔ کہ آپ جسے چاہیں حرام فرمادیں۔ اور جسے چاہیں حلال۔

حدیث شریف

بھائیو! اب آیئے بارگاہِ رسالت میں حاضری دے کر عرض کریں۔ کہ یا رسول اللہ! خدا تعالیٰ نے ہمیں آپ کا در بتایا ہے۔ ہم حاضر ہیں۔ فرمایئے۔ قرآن پاک میں تو چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے۔ دوسری چیزوں کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ تو فرمایا ہے "

اِنَّمَا حَرَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَلَا لَا يَحِلُّ لَكُمُ الْحِمَارُ الْاَهْلِيُّ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ ۔ (مشکوٰۃ شریف صـ۲)

اللہ کا رسول جسے حرام فرمادے وہ ایسے ہی حرام سمجھو جیسے اللہ کی حرام کی ہوئی چیز۔ خبردار! گھریلو گدھا تمہارے لیئے حرام ہے اور اسی طرح نوکیلے دانت والا جانور جو کیلے سے شکار کرتا ہے حرام ہے "

اس حدیث پاک کے مطابق گدھا بھی حرام ہے۔ اور اپنے کیلے دانت سے شکار کرنے والے جانور جیسے۔ شیر۔ لومڑی۔ گیدڑ۔ بجو۔ کتا وغیرہ یہ سب بھی حرام ہیں۔۔۔

دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے "

إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ اَكْلِ كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ۔ (نسائی شریف ص۱۹۷، جلد۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس پرندہ کے کھانے سے جو پنجہ سے شکار کرنے والا ہے۔ منع ہے۔

اس حدیث پاک کے مطابق شکرا۔ باز۔ چیل۔ گدا وغیرہ بھی سب حرام ہیں۔

میرے بھائیو! کتب احادیث میں دیکھئے۔ تو اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی تمام گندگی چیزوں کو بھی ان کا نام لے کر حرام فرما دیا ہے۔ اور یہ کرم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ امت کو گندگی چیزوں سے بچالیا اور طیب وطاہر چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔ میرے دوستو! دنیا بھر میں دیکھ لو، ایسی قومیں بھی موجود ہیں۔ جو باوجود اس کے کہ بڑے ترقی یافتہ بنتے اور مہذب کہلاتے ہیں مگر ہر گندی چیز کو ذوق وشوق سے کھا جاتے ہیں۔ خنزیر کھانے والے بھی موجود ہیں۔ کروڑوں درود اور کروڑوں سلام اس طیب وطاہر اور مطہر رسول پر جس نے اپنی امت کو ہر گندگی سے بچا لیا اور صاف ستھری چیزیں کھانے کو دیں میرے بھائیو! یہیں سے سمجھ لیجیے۔ انکار حدیث کا فلسفہ بھی۔ کہ جو لوگ ہر پاک و ناپاک چیز کو کھانا چاہتے ہوں۔ وہ حدیث کو تسلیم کر کے اپنی غذا محدود کیسے کر لیں"۔

ہاں تو بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حاکم تسلیم کر لیا جائے گا تو پھر لازماً حضور کے علم واختیار کو بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی حاکم ہو۔ اور اسے علم واختیار نہ ہو۔ حکومت تو ہوتی ہی علم واختیار سے ہے پھر وہ لوگ کیسے مسلمان ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم نہیں مانتے یا حاکم تو مانتے ہیں۔ لیکن حضور کا علم واختیار نہیں اور یوں لکھ دیتے ہیں۔ کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔

سوشلزم کے مخالف

حضرات! آپ سن چکے ہیں۔ کہ ایک قسم سوشلزم کی مذہبی بھی ہے۔ یعنی ایک مذہبی سوشلزم بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ نبی، ولی، امتی، سب برابر ہیں۔ بھائیو! ایسے لوگ امیر غریب کی برابری تسلیم نہیں کرتے تو نبی و امتی کی مماثلت کا دعویٰ کیوں کرتے پھرتے ہیں؟ ۔ اسی طرح ان لوگوں کا یہ خیال بھی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں "۔ ہم اگر اعلیٰ حضرت کا یہ شعر پڑھیں کہ :-

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

یا کیفؔ کا یہ شعر پڑھیں۔ کہ

پاس طالب کے جو شے ہے وہ مطلوب کی ہے
تم خدا کے ہو خدائی ہے تمہاری ساری

یا یوں کہہ دیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک کونین ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کے مطابق بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے مالک ہیں۔ تو یہ لوگ اسے شرک بتاتے اور قرآن پاک کی آیات پڑھ پڑھ کر سنانے لگتے ہیں۔ کہ مالک کیوں کہتے ہو۔ اور بڑے زور سے اپنا یہی خیال دہراتے ہیں کہ۔

جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مالک مختار نہیں "۔

میرے بھائیو! ۔ سوشلزم کے انکار کی وجہ یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ۔ سوشلزم میں انفرادی ملکیت کا انکار ہے۔ اور یہ بات اسلامی نقطۂ نگاہ سے غلط ہے۔ اسلامی انفرادی ملکیت کا قائل ہے، ٹھیک ہے ہم بھی مانتے ہیں۔ لیکن ان دنیوی سوشلزم کے مخالفین یعنی مذہبی سوشلزم کے علمبرداروں سے ہم پوچھتے ہیں۔ کہ انفرادی ملکیت کا انکار اگر سوشلزم

ہے۔ اور آپ کے نزدیک زید و عمر بکر بڑی بڑی زمینوں۔ ملّوں کارخانوں اور کوٹھیوں کے مالک ہو سکتے ہیں۔ تو جو لوگ ساری کائنات کے آقا مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت کا انکار کریں۔ اور یوں کہیں۔ کہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہو سکتے۔ تو کیا وہ خود سب سے بڑے سوشلسٹ نہیں؟ اگر زید و عمر بکر کی ملکیت کا انکار سوشلزم ہے۔ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت کا انکار سوشلزم کیوں نہیں؟۔ بھائیو! زید و عمر کی ملکیت کے انکار سے جو سوشلزم پیدا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک وہ سوشلزم ہے۔ جو محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت کے انکار سے پیدا ہوتا ہے۔ پس وہ لوگ جو زید و عمر کی ملکیت ثابت کرتے پھرتے ہیں۔ سب سے پہلے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالک و مختار ہونے کا اعلان کریں۔ اور پھر اس کے بعد زید و عمر کی ملکیت کی بات کریں۔

حضرات۔ آج جس زمین کے متعلق آئے دن اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ کوئی اس کی ملکیت کا مدعی ہے۔ اور کوئی منکر۔ آیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنیئے۔ حضور کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا

فَاعْلَمُوْا اَنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (بخاری شریف ص ۴۴۹ ج ۱)

جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔"

حضرات! غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ لوگ حدیث پاک پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور سچے اہلحدیث ہیں۔ وہ اس حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کا مالک سمجھتے ہیں۔ حقیقی مالک تو بیشک خدا ہی ہے۔ مگر اس کی عطاء سے خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس زمین کا مالک ہے اور پھر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صدقہ ہے۔ کہ ان کے صدقہ میں زید و بکر کو بھی اس زمین سے حصّہ ملا۔ اور آج ہی زید و عمر کے اس حصّہ کو

ثابت کرنے کے لیئے جو لوگ ساعی ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ حقیقت رہنی کہ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت کا اثبات ہے اس کے بعد پھر زید و عمر کی ملکیت کی بات ہے۔

خزانوں کے مالک

بھائیو! زمین کے علاوہ روپے پیسے اور چاندی سونے کی ذاتی ملکیت میں ہونے کی بات لیجیئے۔ آج جو لوگ اس بات کا اثبات کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ روپیہ پیسہ وغیرہ دائرۂ شریعت میں رہ کر جتنا حاصل ہو حاصل کیجیے۔ اور اُسے پھر شریعت کے مطابق خرچ بھی کرتے رہیئے۔ لیکن خدارا اس حقیقت کو بھی تسلیم کیجیے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمائی ہے۔ کہ

بَیْنَ مَا اَنَا نَائِمٌ اِذْ جِیْئَ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۲)

میں سو رہا تھا۔ کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں لائی گیئں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گیئں۔"

اس ارشاد پاک سے ثابت ہوا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور آپ زمین کے تمام خزانوں کے مالک ہیں۔ اور اگر کسی کو یہ بات شرک نظر آئے تو پھر اسے بتانا چاہیے۔ کہ یہی شرک کی بات زید و عمر بکر کو مال و دولت کے خزانوں کا مالک ثابت کرنے کے لیئے کیوں عین توحید بن جاتی ہے؟

بھائیو! ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور ہماری نظر حضور کی جانب پڑنی چاہیئے۔ ہمیں نہ کسی پرائے ازم سے غرض اور نہ کسی غیر کے نظام سے ہمارے نزدیک شوشلزم یا آج کل کی سرمایہ داری دونوں ہی اجتناب کے لائق ہیں۔ جیسے حاجی حق حق لکھ چکے ہیں۔ کہ ؎

ہم نظام غیر پہ لٹو نہیں
ہے نظام مصطفٰی ہی دلنشیں

سرمایہ داری کی لعنت کے ساتھ ساتھ اس سرمایہ داری کے ردِ عمل میں جو نظام اشتراک پیدا ہوا ہے۔ ہم اس کے بھی حامی نہیں ہیں۔ اور خدا کے فضل سے سوشلزم کے ردِ عمل میں اہل سنت ہی بول سکتے ہیں۔ اور بولتے ہیں کہ وہ اپنے آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالکِ کونین سمجھتے ہیں۔ اور ان کے صدقہ میں پھر دوسروں کی ملکیت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے رسول ہی کے لیئے یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ کسی چیز کے مالک نہیں۔ وہ زید عمر کی ملکیت کیسے ثابت کر سکتے ہیں۔ لہذا سوشلزم کے ردّ کے لیے ہم سب کو اس حقیقت پر ایمان لانا چاہیئے کہ۔ ع

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا۔

حضرت! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک کونین ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم | زمین بھر کے خزانوں کی کنجیاں آپ کو عطا کر دی گئیں

باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ یہ ہے کہ ؎

پاؤں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

دیکھا آپ نے حضور کی غرباء پروری، اور مسکین نوازی کو، کہ امت کے امراء کو یہ عملی درس دیا کہ۔ خدا نے اگر تمہیں مال و دولت عطا کی ہے تو اس پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جاؤ۔ بلکہ اسے مخلوق پر خرچ کرو۔ غریبوں مسکینوں اور یتیموں کی مدد کرو۔ بھائیو! ہمارے امراء اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ پیش نظر رکھیں۔ اور اپنے سرمایہ سے غریبوں، مسکینوں کا حق ادا کرتے رہیں۔ اور خدا داد دولت کو خدا کی مرضی کے مطابق خرچ کرتے رہیں۔ تو بخدا نہ کسی سوشلزم کا خطرہ رہے۔ اور نہ کسی دوسرے ازم کا یہ جتنے

ازم بھی آج ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں۔ صرف اسی لیئے کہ ہم نے اپنے آقاو مولی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کو بھلا دیا اور دوسروں کے نقال بن گئے۔ خدا نے اگر دولت دی ہے۔ تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ ہے کہ۔

فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (پ ۲۶ ع ۱۸)۔

یعنی اس مال و دولت میں منگتوں اور بے نصیب غریبوں کا بھی حق ہے۔ اس مال سے انہیں بھی دو۔"

لطیفہ لیکن یہاں تو وہ بات ہے۔ کہ ایک بہت بڑا سرمایہ دار مرنے لگا۔ تو کسی نے اُسے کہا۔ چوہدری جی! عمر بھر آپ نے کبھی خدا کے نام پر کچھ نہیں دیا۔ اب تو آپ مر رہے ہیں اب تو کچھ خدا کی راہ میں دیتے جاؤ۔ تو سرمایہ دار نے آنکھیں کھولیں اور کہا۔

جان تو دے رہا ہوں اور کیا دوں؟

دیکھا آپ نے ایسے ہی وہ سرمایہ دار ہیں۔ جو سوشلزم وغیرہ کے آنے کا سبب بنتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ہر بدعقیدگی سے بچائے"

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ





پانچواں خطاب (۵)

مسلمان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ
مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ

(مشکوٰۃ شریف)

”مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے
دوسرے مسلمان بچے رہیں“

حضرات! میرے پچھلے خطاب کا عنوان ”ایمان“ تھا اور آج میرے

خطاب کا عنوان ہے "مسلمان"۔ یعنی مجھے آج یہ بتانا ہے۔ کہ مسلمان کسے کہتے ہیں۔ اور مسلمان ہو کر ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور کیا نہ کرنا چاہیئے بھائیو! آج ہم سب اللہ کے فضل سے مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن آج ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ مسلمان کے جو اوصاف ہیں۔ کیا وہ بھی ہم میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ حضرات! میں نے خطبہ کے بعد جو حدیث شریف پڑھی ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور حضور نے "مسلمانوں کی تعریف چند لفظوں میں بیان فرمائی ہے۔ سبحان اللہ کیا جامعیت ہے اور کیوں نہ ہو۔ کہ ارشاد بھی تو جامع کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے فرمایا مسلمان وہ ہے کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان بچے رہیں"۔ بھائیو! ذرا اس ارشاد کی جامعیت پر غور کرو۔ ہر مسلمان اگر اس ارشاد پاک کو پیش نظر رکھے۔ اور اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں سے کسی دوسرے مسلمان کو ایذاء دینے سے باز رہے۔ تو سارے مسلمانوں میں ایک ہمہ گیری اخوت وہمدردی پیدا ہو جائے۔ اور یہ آئے دن کے سارے فتنے وفساد اور لڑائی جھگڑے یکسر ختم ہو جائیں"

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دور جاہلیت میں ہجو گوئی اور لڑائی عام تھی۔ لوگ زبان سے ہجو گوئی کا، اور ہاتھ سے لڑائی کا کام لیتے تھے۔ عرب کی یہ دونوں باتیں بڑی مشہور ہیں۔ یہ لوگ بڑے قادر الکلام اور فصیح وبلیغ تھے۔ اور ہاتھ سے لڑائی کا کام لیا کرتے تھے ہزاروں درود اور کروڑں سلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر۔ کہ آپ نے اپنے اس ارشاد میں زبان اور ہاتھ دونوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ اور ارشاد فرما دیا کہ مسلمان اپنی زبان سے بھی اور اپنے ہاتھ سے بھی، کسی دوسرے کو ایذا نہ دے یعنی نہ ہجو گوئی کا اس سے صدور ہو۔ اور نہ لڑائی کا۔

بھائیو! اپنے ہادیٔ برحق کی ہدایت کے مطابق اپنی زبان اور اپنے ہاتھ کو اپنے قابو میں رکھو۔ تاکہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک بھی تم مسلمان بن سکو۔

زبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد میں پہلے زبان کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ مسلمان اپنی زبان سے کسی مسلمان کو ایذاء نہ دے

بھائیو! دنیا کے فتنہ وفساد کی باعث تین چیزیں بتائی ہیں۔ زر۔ زن۔ زمین لیکن ان سے بھی زیادہ فتنہ وفساد کی باعث ایک اور چیز بھی ہے۔ جس میں کسی مذہب نے توجہ نہیں دی۔ اور نہ ہی اس کی متعلق کسی دین و مذہب میں خصوصیت کے ساتھ کوئی رہنمائی نظر آتی ہے۔ وہ چیز یہی زبان ہے جو ہمیشہ صدہا فتنوں جھگڑوں کا باعث بنتی ہے۔ اس زبان کے متعلق صرف اسلام ہی نے واضح ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے۔

قُلْ لِعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔

اور میرے بندوں سے فرماؤ۔ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو۔

یعنی جب زبان کھولو۔ اور بات کرو۔ تو ایسی کرو جو بہت اچھی ہو اور شائستہ ہو۔ ظاہر ہے۔ کہ بات شائستہ اور اچھی ہوگی۔ تو لوگ اس طرف مائل ہوں گے۔ اور اگر اس حکم کے خلاف بات بری اور غیر شائستہ ہوگی۔ تو سننے والے برہم و مشتعل ہوں گے۔ اور فتنہ وفساد کی بنیاد قائم ہو جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ یارسول اللہ! نجات کس بات میں ہے؟۔ فرمایا۔

اَمْلِكْ عَلَیْكَ لِسَانَكَ ۔ (مشکوٰۃ شریف)

اپنی زبان قابو میں رکھ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔ حضرت عمر نے وجہ پوچھی۔ فرمایا۔

إِنَّ هٰذَا أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۳)

اسی نے مجھے ہلاکتوں میں ڈالا۔

یعنی یہی زبان ہے جو ہلاکت و بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔

بھائیو! آج غیر اسلامی تہذیب کی وجہ سے یہ زبان ایسی کھل گئی ہے کہ یہ جو زبان چاہے بکے۔ جتنا چاہے بکے۔ گندے گانے گائے۔ گالیاں دے کوئی پرواہ نہیں۔ اور مطلق احساس پیدا نہیں ہوتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ آج اس زبان کی اسی بے راہ روی کی وجہ سے کئی قتل بھی ہو جاتے ہیں۔ ہمارا مذاق کچھ ایسا بگڑ چکا ہے۔ کہ ہماری خوش طبعی اور مزاح بھی اگر ہوتا ہے۔ تو ناشائستہ اور گالی آمیز۔ اور پھر مذاق میں فتنہ و فساد کھڑا ہو جاتا ہے۔

بزرگوں کی باتیں

بھائیو! اس بات کو اپنے قابو میں رکھو۔ اور بزرگوں کی باتیں سنو! سنو! سبحان اللہ۔ یہ اللہ والے بھی کیا مزے کی اور فائدے کی باتیں سناتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں امن چاہتے ہو۔ تو کان اور آنکھ استعمال کرو۔ لیکن زبان بند رکھو۔

دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ آدمی اکیلا ہو تو اپنے خیالات پر قابو رکھے اور مجلس میں ہو تو زبان پر"

اور تیسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ جو اپنی زبان کو اختیار میں رکھتا ہے وہ اپنا سر بچا لیتا ہے"

حکمت لقمان

حضرت لقمان کا ایک واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ سے ایک روز اُن کے آقا نے کہا۔ کہ آج ایک بکری ذبح کرو۔ اور جو چیز اس کی سب سے زیادہ بُری ہو۔ وہ میرے پاس لاؤ۔ حضرت لقمان نے بکری ذبح کی اور اس کے دل اور زبان کو آقا کے سامنے پیش کر دیا۔

دوسرے روز ان کے آقا نے پھر کہا۔ کہ آج بھی ایک بکری ذبح کر لو

اور جو چیز اس کی سب سے زیادہ اچھی ہو۔ وہ لے آؤ۔ حضرت لقمان نے ایک بکری ذبح کی۔ اور ان کے سامنے پھر بھی دل اور زبان ہی کو پیش کیا۔ آقا نے وجہ دریافت کی۔ تو بولے۔ یہ دونوں چیزیں بدترین بھی ہیں اور بہترین بھی اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے زیادہ بری چیز کوئی نہیں۔ اور اگر یہ سنور جائیں تو ان سے زیادہ اچھی چیز کوئی نہیں۔

سبحان اللہ! کیا حکمت آمیز واقعہ ہے۔ کہ یہ دل اور زبان برائی کے منبع بھی بن جاتے ہیں۔ اگر یہ دونوں بگڑ جائیں۔ تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان پر قابو رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

ضمانت

میرے دوستو۔ بزرگو اور عزیزو! اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد بھی سنو۔ فرمایا۔

مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۳)

جو شخص مجھے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کی ضمانت دے گا۔ میں اُسے جنت کی ضمانت دوں گا"

مسلمانو! سنو اپنے آقا کا ارشاد۔ فرمایا۔ جو شخص مجھے اپنی زبان کی ضمانت دے گا۔ میں اسے جنت کی ضمانت دوں گا" یعنی جو شخص اپنی زبان کو قابو میں رکھے گا۔ میں اُسے جنت میں لے جاؤں گا۔ یا وہ گوئی دروغ وافتراء اور سب و شتم سے اسے بچائے گا میں اُسے جنت میں لے جاؤں گا

بھائیو! آج کل یاوہ گوئی، اور بدکلامی اتنی عام ہے کہ توبہ ہی بھلی جتنے منہ اتنی باتیں، تو پرانی کہاوت ہے۔ اب تو ایک مونہہ اور بہت سی باتیں کا دور ہے بسیار گوئی نئی تہذیب کی بدولت ہے اور پرانی تہذیب تو یہ بتاتی ہے۔ سے

دل زپرگفتن بمیرد اندر بدن
گرچہ گفتارش بود درّ عدن

یعنی بسیار گفتار گوئی سے دل مرجاتا ہے۔ اگرچہ اس کی بات قیمتی موتی کیوں نہ ہوں" اور یہ بسیار گوئی جہنم میں بھی لے جاتی ہے چنانچہ حضور کا ارشاد آپ نے سن لیا۔ کہ زبان کی ضمانت دے کر مجھ سے جنت کی ضمانت لے لو"

عورتوں کی زبان

حضرات! یہ تو عام زبان کا ذکر تھا۔ اوّل تو آج کل سب کی زبانیں آزاد ہیں۔ لیکن عورتوں کی زبان؛ توبہ! توبہ!! اس پر تو قابو پانا بہت ہی مشکل ہے۔ اگر کہیں دو چار عورتیں اکٹھی بیٹھی ہوں۔ تو پھر ان کی زبان کا چلنا دیکھیے ناممکن ہے۔ کہ یہ خاموش بیٹھ جائیں۔

لطیفہ

چنانچہ ایک اخبار میں یورپ کا قصہ پڑھا تھا کہ۔ ایک منچلے نے اخبارات میں یہ اشتہار دیا کہ جو شخص سب سے بڑا جھوٹ بولے گا۔ میں اُسے پچاس پونڈ انعام دوں گا۔ اس کے جواب میں کئی جھوٹوں نے اپنے جھوٹ لکھ کر اسے بھیجے۔ مگر اُس نے صرف ایک جھوٹے کا جھوٹ منتخب کیا۔ اور اعلان کیا۔ کہ پچاس پونڈ کے انعام کا مستحق وہ شخص ہے جس نے سب سے بڑا یہ جھوٹ بولا ہے۔ کہ

میں نے ایک جگہ چار عورتیں بیٹھی دیکھیں
جو سب کی سب خاموش تھیں۔

گویا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ چار عورتیں اکٹھی بیٹھی ہوں اور پھر ان کی زبان بند ہو اور چلتی نہ ہو۔

بھائیو! اب اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عورتوں کو مخاطب فرمایا؛۔

یٰمَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ۔

اے عورتو! صدقہ خیرات کیا کرو۔ کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر عورتوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کی کیا وجہ؟۔ فرمایا:۔

تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ۔

تم لعن طعن بہت کرتی ہو۔ اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو"۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۵)

دیکھا آپ نے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا زیادہ تر تعداد میں جہنم میں جانا اس لیے فرمایا ہے کہ عورتوں کی زبان بے تحاشہ چلتی ہے اور وہ اپنی زبان سے لعن طعن، اور گالی گلوچ بہت زیادہ بکتی ہے۔

بھائیو! یہ حقیقت ہے۔ کہ یہ عورتیں اپنی زبان سے ایسے ایسے فحش کلمات بک دیتی ہیں۔ کہ توبہ ہی توبہ بھلی۔ ہمارے یہاں نو بیاہ شادیوں میں گانے بھی جو یہ گاتی ہیں۔ ان گانوں میں بھی گالیاں ہوتی ہیں۔ یہ میں اپنے ضلع کی بات کرتا ہوں۔ ممکن ہے آپ کے ضلع میں عورتیں قرآن پڑھتی ہوں مگر نہیں! یہ امید نہیں کہ ایسا ہو۔ یہ ہر جگہ ایک جیسی ہیں۔ وہ زمانہ گذر گیا۔ جب مرد اور عورتیں سب قرآن پڑھتے تھے اب تو بقول اکبر الہ آبادی ؎

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور ہی مٹ ہے!

وہاں سینہ میں قرآن تھا یہاں سینہ میں بسکٹ!

ہاں اب تو کھانے پینے کی باتیں ہیں۔ روح بھوکی مرتی ہے تو مرے پیٹ ضرور بھرے۔ بھائیو! میں یہ نہیں کہتا کہ کھانا پینا منع ہے نہیں مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے ہی کی کوشش میں نہ لگے رہو کچھ عاقبت کی بھی تو

فکر کرو۔

فکرِ رزق

حضرات! آج کل لوگوں کو روٹی کی بڑی فکر ہے اور اس فکر میں کئی لوگ رزاق مطلق کو بھول چکے ہیں حالانکہ جس خدا نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ وہ روٹی بھی ہمیں ضرور دے گا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بوستان میں ایک بڑی سبق آموز حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جب تک دانت نہ تھے۔ ماں کے دودھ پر پلتا رہا۔ جب اس کے دانت نکل آئے۔ تو غریب باپ فکر میں پڑھ گیا۔ اور بولا۔ ؎

کہ من نان و برگ از کجا آرمش
مروت نہ باشد کہ بگزارمش

کہ میں اب اس کے لیئے روٹی روٹی کہاں سے لاؤں گا۔ اور یہ بھی مروت سے بعید ہے۔ کہ یہ بھوک سے مر جائے گا۔

بچے کی ماں نے جب شوہر کو فکر مند پایا۔ تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا

مخور ہولِ ابلیس تا جاں دہد
ہر آنکس کہ دنداں دہد ناں دہد
توانا است آخر خداوندِ زور
کہ روزی رساند تو چندین مشور
نگارندہ کودک اندر شکم
نویسندۂ عمر و روزی است ہم
خداوندا گارے کہ عبدے خرید
بدارد۔ فکیف آنکہ عبد آفرید

کہ اے بیٹے کے باپ! تو شیطان کے وسوسے میں نہ پھنس جس نے دانت دیئے ہیں۔ وہی روزی بھی دے گا۔ اللہ بڑی

طاقت کا مالک ہے۔ وہ اس کے رزق کا سامان کر دے گا۔ وہ تو جب ماں کے پیٹ میں بچے کی شکل بناتا ہے تو اس کی روزی بھی لکھ دیتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ ایک آقا جب نوکر خرید کر لاتا ہے تو اس کی پرورش کی کفالت بھی اس کے ذمہ ہوتی ہے تو کیا بندے پیدا کرنے والا اس کی روزی کا انتظام نہ فرمائے گا!"

سبحان اللہ! کیا اچھا جواب ہے اس عورت کا۔ آج ہمیں بھی اپنے اللہ پر نظر رکھنی چاہیے۔ اور رزق کے لیے کوشش کرنی بیشک ہے۔ مگر اس طرح نہیں کہ روٹی روٹی ہی کا ورد رہے اور روٹی دینے والے کا خیال ہی نہ ہے بھائیو! روٹی طلب بھی کرو تو اس لیئے کہ ہم زندہ رہیں اور زندہ اس لیئے رہیں کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں۔ یہ نہیں کہ ہم کھاتے ہیں جینے کے لیے۔ اور جیتے ہیں کھانے کے لیے۔ نہیں! حقیقت یہ ہے کہ ہم کھاتے ہیں زندگی کے لیئے۔ اور جیتے ہیں۔ خدا کی بندگی کے لیئے میں نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے۔ ؎

جانور پیدا ہوئے تیری وفا کے لیئے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
سب جہاں تیرے لیئے اور تو خدا کے واسطے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ان عورتوں کی زبان ان کے قابو میں نہیں رہتی یہ لعن طعن اور گالی گلوچ بہت بکتی ہیں۔ اور یہ بات جہنم میں لے جانے کی باعث ہے۔ اس لیے ہم سب کو زبان اپنے قابو میں رکھنی چاہیئے۔ اور اس زبان کو ذکر خدا نعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اچھی اور نیک باتوں کا صدور رہونا چاہیے۔ فحش اور گندگی باتوں سے زبان کو پاک رکھنا چاہیئے۔

دودھ کا برتن

دیکھئے۔ جس برتن میں دودھ اُبالا جاتا ہو۔ اُسے کس قدر صاف ستھرا رکھا جاتا ہے۔ لسّی کا ایک قطرہ تک اُس میں نہیں پڑنے دیتے۔ تاکہ دودھ پھٹ نہ جائے۔ فرمایئے اگر کوئی بدبخت اس دودھ کے برتن میں تھوک دے۔ یا پیشاب کردے۔ تو وہ کس قدر جرم و خطار گار ہوگا۔ اور اُسے کتنی بڑی سزا ملے گی۔ کہ کم بخت تو نے دودھ کے برتن میں تھوک دیا۔ اور پیشاب کردیا۔

بھائیو! یہ تمہاری زبان بھی ذکرِ حق اور نعتِ رسول کے دودھ کا برتن ہے۔ اس زبان سے ذکر و نعت ہی کا کام لیا جانا چاہیئے، اور اگر اس زبان سے گندے گیت۔ لعن وطعن اور گالی گلوچ شروع کردی جائے تو یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے دودھ کے برتن میں تھوک دینا۔ یا پیشاب کردینا اور جس طرح ایسے پاکیزہ برتن میں پیشاب کردینے والے کو سزا ملتی ہے۔ اسی طرح اس لعن طعن کرنے والوں کو بھی حضور کے ارشاد کے مطابق جہنم میں ڈال کر سزا دی جائے گی۔

میری مسلمان بہنو! اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سنو۔ اور اپنی زبانوں کو لعن طعن سے پاک رکھو۔

خاوند کی ناشکری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا جو دوسرا بڑا وصف بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ یہ اپنے خاوند کی ناشکرگزار ہوتی ہیں۔ خاوند چاہے کتنا انہیں خوش رکھے ذرا سی بات پر کہہ دیں گی؛ "وہ میں ہی ہوں۔ جس نے اس گھر میں گزارہ کیا ورنہ کوئی اور ہوتی تو ایک پل بھی نہ رہتی۔ ایک صاحب سے میں نے سنا۔ اور بات بھی خوب ہے۔ اور کہنے لگے۔ میری بیوی کے پاس بیسوؤں کپڑے کے جوڑے ہیں۔ اور برتنوں کے بھی ڈھیر لگے ہوئے ہیں لیکن میری بیوی جب کسی سے ان چیزوں کا ذکر کرتی ہے۔ تو ان لفظوں میں

کہہن کیا! میرے کپڑے ہوں گے" "چند چیتھڑے ہی تو ہیں" اور برتن کیا ہوں گے۔ "چند ٹھیکرے ہی تو ہیں" گویا ان چیزوں کا ذکر کرے گی۔ تو ناشکری کے انداز میں۔ میری بہنوں! یہ تمہاری عادت اچھی نہیں۔ اسے بھی ترک کرو تاکہ تم خدا اور رسول کی ناراضگی سے بچ جاؤ۔ خاوند کے تم پر بہت حقوق ہیں تمہارے بھی حقوق خاوند پر ہیں مگر اس کا یہ معنی نہیں کہ اب تم شوہر کا ادب واحترام دل سے نکال دو اور اپنی زنانہ منطق سے اپنی زبان چلانے لگو۔

زنانہ منطق میرے بزرگو! یہ زنانہ منطق بھی ایک ایسی منطق ہے جس کا جواب نہیں۔ اکبر الہ آبادی نے لکھا ہے ؎

ان کے فکر و کام سے بچنا ابھی دشوار ہے
اور آفت ڈھائیں گی سائنس پڑھ کر بیبیاں

یعنی یہ عورتیں تو بن پڑھے ہی مردوں کو بولنے نہیں دیتیں، اور اگر یہ سائنس بھی پڑھ گئیں۔ تو پھر تو یہ اور بھی زیادہ آفت ڈھانے لگیں گی۔

لطیفہ ان کی منطق کا ایک لطیفہ بھی سنتے چلیئے۔ ایک عورت سے پوچھا وہ اپنے خاوند سے لڑ جھگڑ رہی تھیں اور اتنا زور زور سے بول رہی تھی۔ کہ خاوند بیچارا خاموش کھڑا سن رہا تھا۔ ایک شریف آدمی وہاں آ پہنچا اور معاملہ رفع دفع کرنے کے لیے عورت سے پوچھا کیا بات ہے کیوں اتنے غصے میں آ رہی ہو؟ عورت نے جھٹ پینترا بدلا اور روتے ہوئے کہنے لگی۔ میں نے کیا کہنا ہے۔ بس میری تو یہ دعا ہے کہ۔

اگر یہ (شوہر) جھوٹے ہیں۔ تو یہ مریں۔ اور اگر میں جھوٹی ہوں تو خدا مجھے بیوہ کر دے"

دیکھا آپ نے! شوہر جھوٹا ہے۔ تو وہ مرے۔ اور اگر بیوی جھوٹی ہے۔ تو وہ بیوہ ہو جائے۔ یعنی پھر بھی شوہر ہی مرے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



چھٹا خطاب (۶)

اسلامی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

(پ۸۔ع۷)

(ترجمہ) تم فرماؤ۔ بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی
ٹھیک ابراہیم کے دین کی ملت جو ہر باطل سے جدا تھے اور
مشرک نہ تھے۔ تم فرماؤ۔ بیشک میری نماز میری قربانیاں
اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے۔ جو رب
سارے جہان کا ہے۔"

حضرات! عید قربان آرہی ہے۔ اور اس روز سعید کا تعلق چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔ اس لیئے میں نے وہ آیت کریمہ پڑھی ہے۔ جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت تعلق ہے۔ کفارِ قریش کا یہ گمان تھا۔ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہیں خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں اوّل تو یہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے اِن مشرکین کا رد فرمایا۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجیئے کہ میری نماز۔ میری قربانیاں اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لیئے ہے یہی دین ابراہیمی ہے اور اسی پر میں قائم ہوں اور تم بت پرست اور مشرک ہو۔

بھائیو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی مبارک بھی ہمارے لیئے مشعل راہ ہے آپ نے مشرکانہ ماحول میں عَلم توحید بلند فرمایا۔ اور اپنے اللہ کے نام پر اپنا مال، جان اور اولاد قربان کرنے کا مظاہرہ فرما کر دکھایا دیا۔ کہ اللہ پر ایمان رکھنے والے ایسے ہوتے ہیں۔

حضرات! آج ہم مسلمان کہلانے والوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مبارک زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اسلام " کہتے ہیں گردن نہادن کو یعنی اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی بات کا حضرت ابراہیم کو حکم دیا آپ نے فوراً اس کی تعمیل کی۔"

بھائیو! - یہ ہے اسلام اور یہ ہے مسلمان ہونا۔ آج اگر ہم اسلام کے مدعی ہیں۔ اور مسلمان کہلاتے ہیں۔ تو ہمیں بھی اللہ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم کر دینا چاہیئے۔

عبادت

حضرات! خدا تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ○

یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے:-

بھائیو! یہ عبادت ایک فطری چیز ہے۔ ہر قوم، ہر ملک۔ اور ہر جماعت میں اس کا کوئی نہ کوئی تصور موجود ہے، وحشی قوم ہو۔ یا مہذب۔ اس طرح ایک فرد بھی عبادت کے تصور سے خالی نظر نہ آئے گا جس طرح بھوک پیاس وغیرہ فطری جذبے ہیں۔ اس طرح عبادت بھی ایک فطری جذبہ ہے اب جس طرح انسان اپنے حسب منشاء کھانے اور پینے۔ اور زبان استعمال کرنے، اور رہنے سہنے کے لیئے کوشش کرتا ہے، اسی طرح اپنے جذبہ عبادت کو تسکین دینے کے لیئے بھی کوئی معبود تلاش کرتا ہے۔ فطرت تو جذبہ عبادت پیدا کرتی ہے۔ وہ انسان کو بندگی و عبادت پر بار بار۔ ابھارتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہر قوم میں عبادت کے طریقے مختلف ہیں۔ اور یہیں سے انبیاء کرام اور خدا کے رسولوں علیہم السلام کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ وہ تشریف لا کر بتائیں کہ عبادت کس کی کرنی چاہیئے اور کس طرح کرنی چاہیئے۔ بندگی ہے کیا؟ کسی بالاتر کی کبریائی تسلیم کر کے

اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا۔ اور ظاہر کرنا ہے۔ کہ فرمانبرداری اسی کی کی جاتی ہے۔ جو غلبہ و قوتِ نامہ کی مالک و حامل ہو۔

فرمان برداری کی متعدد صورتیں ہیں۔ انسان پہلے ماں باپ کی پھر استاد کی پھر آقا کی پھر حکومت کی فرمانبرداری کرنے پر مجبور رہے اور کروڑوں بندگانِ خدا یہ فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ اس لیئے کہ ان کے اندر سزا جزا کی محدود طاقتیں ہیں۔ کہنا نہیں مانتا تو سزا دیتے ہیں مانتا اور اطاعت کرتا ہے تو خوشنودی پاتا ہے۔ لیکن ماں باپ یا استاد ہو۔ یا آقا ہو۔ یا بادشاہ وہ بحر و بر کی وسعتوں۔ جنگلوں کی پہنائیوں گھروں اور حجروں کی خلوتوں میں تو موجود نہیں ہوتا۔ وہاں انسان کی نیکی، بدی کا محاسبہ کرنے اور اسکے دل دنیا دیکھنے کے لیئے بھی کوئی طاقت ہونی چاہیئے۔ اسی طرح طاقت دلیوں اور نبیوں سے واقف اور باخبر رہنے والی ہستی کا نام اللہ ہے۔

اب یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لیجیئے۔ کہ جتنی وسیع کسی کی حکومت ہو گی اس کا اتنا ہی ہمہ گیری اور مضبوط قانون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی حکومت چونکہ ذرہ ذرہ اور ارض و سماء کے گوشے گوشے پر جاری و حاوی ہے اس لیے اس کا قانون بھی بہت وسیع اور اٹل ہے۔ جو اجرام سماوی شجر و حجر آب و ہوا۔ اور انسان و حیوان سب پر حاوی ہے۔ اسے ہی قانون قدرت کہا جاتا ہے۔ کائنات کا ذرہ اس قانون کا پابند ہے۔ ہر چیز اسی کام پر لگی ہوئی ہے جس پر اسے لگا دیا گیا ہے۔

ہوائیں اسی کے حکم سے چلتی ہے بارش اسی کے حکم سے ہوتی ہے۔ الغرض سارا عالم اس کے احکام میں جکڑا ہوا ہے۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم کے خلاف چل سکے۔ یہ نظام اطاعت و فرمانبرداری ہی سے قائم قائم ہے۔ اگر کائنات فرمانبرداری سے انکار کر دے۔ تو پہاڑ پہاڑوں سے ٹکرا جائیں۔ ستارے ستاروں سے باہم متصادم ہو جائیں مگر سبحان

اللہ تعالیٰ کا کتنا زبردست بدِ قدرت ہے۔ کہ جس کے قبضہ میں کل کائنات ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ

اس اطاعت و فرمانبرداری کا نام عبادت ہے تو پھر کیوں نہ کہا جائے کہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ کی عبادت میں مصروف ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ہ

انسان

اب آیئے حضرتِ انسان کی طرف۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اُسے خدا نے خلافت کا شرف بخشا ہے۔ اس لیئے اُسے عقل و ادراک اور آزادئ عمل بھی عطا فرمائی ہے اور اپنے حسب مرضی کام کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ اس کے سامنے حق و باطل کی دونوں راہیں پیش کر کے اُسے اختیار دے دیا ہے کہ وہ جس راہ پر چلے چل سکتا ہے "

قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ۔

یعنی ہم نے تمہارے سامنے اچھی بری دونوں راہیں پیش کر دی ہیں۔ اب جس کا جی چاہے۔ ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔

حضرات! اب یہ انسان کی اپنی عقل و بصیرت کا کام ہے کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کرے اور جان بوجھ کر بُری راہ اختیار نہ کرے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی خدا تعالیٰ نے اسی لیے بھیجا۔ تاکہ وہ انسان کو اچھی راہ پر چلنے کی تلقین فرمائیں۔ باوجود اس کے اگر کوئی پھر بھی بری راہ اختیار کرتا ہے۔ تو وہ یقیناً سزا کا مستوجب ہے۔

عقل بھائیو! انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو عقل عطا فرمائی ہے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ انسان اگر عقل سے ہی کام لے تو اُسے اپنے اللہ کی عبادت کرنا ضروری نظر آئے گا اور وہ کبھی اللہ کی عبادت سے روگردانی نہ کرے گا۔ بھائیو! اسی عقل سے انسان مکلف بھی ہے۔ یہ نماز اور روزہ وغیرہ فرائض عقل والوں پر ہی فرض ہیں۔ جو بے عقل ہیں مثلاً جانور یا بچے وغیرہ جن کی عقل پختہ نہیں ان پر یہ نماز روزہ فرض نہیں اور خوب یاد رکھیے۔ جو لوگ نماز روزہ کے پابند نہیں۔ اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ کے مطابق وہ دراصل بے عقل جانور۔ بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

لطیفہ ایک مجلس میں ایک ترقی یافتہ ماڈرن مسلمان نے مجھ سے پوچھا مولوی صاحب! کوئی ایسی تدبیر بھی ہے۔ جس سے یہ روزہ معاف ہو جائے۔ میں نے کہا۔ ہاں ہے وہ بڑی خوشی سے بولا۔ تو جلد بتلائیے میں کہا۔ نماز روزہ سے بچنا ہے۔ تو پاگل ہو جاؤ۔ یا مر جاؤ۔ اس لیئے کہ دیوانے پر اور میت پر نماز روزہ فرض نہیں۔ اس پر وہ ہنسنے لگا۔

ترقی یافتہ حضرات! یہ آج کل کے ترقی یافتہ حضرات بھی خوب ہیں ان کا یہ کہنا ہے۔ کہ ہم آگے بڑھ رہے ہیں اور یہ مولوی ہم کو پیچھے دھکیلتے ہیں۔ بھائیو! قرآن پاک کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۔

یعنی تم لوگ اتنا آگے بڑھ چکے تھے۔ کہ جہنم کے کنارے پر جا پہنچے تھے۔ میرے محبوب نے تمہیں آگ سے بچالیا"

یعنی پیچھے دھکیل کر تمہیں جہنم سے بچالیا۔ بھائیو!۔ یہ مولوی بھی تمہیں پیچھے اس لیئے دھکیلتے ہیں۔ تاکہ تم اتنا پیچھے آجاؤ۔ کہ پھر اسی مرکز پر آپہنچو۔

جس مرکز پہ اللہ کے محبوب نے نہیں کھڑا کیا تھا۔ یہ آج کل کی ترقی تو اُس مرکز سے ہٹا کر آگے لے جانا چاہتی ہے۔ خدا سے دعا کیجئے۔ کہ وہ اس قسم کی ترقی سے بچائے جس سے مسلمانوں کا اصل مقام چھن جائے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے ہمیں بتایا کہ عبادت اللہ کی ہی کرنی چاہیئے۔ اور عبادت کے لائق وہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی مشرکوں کو یہی درس دیا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحکم خدا یہی فرمایا کہ میری نماز۔ میری قربانیاں۔ اور میرا جینا۔ اور مرنا سب اللہ کے لیے ہے "۔

اسلامی زندگی

حضرات! مسلمان کی زندگی اسی طرح ہونی چاہیئے۔ کہ زندگی بھر اس کی ہر حرکت اللہ کے لیئے ہو۔ اس کے حکم کے مطابق ہو اور اس کی رضا کے لیئے ہو۔ چنانچہ ایک مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔

یہ دنیا مومن کے لیئے جیل اور کافر کے لیئے باغ ہے۔

مطلب یہ کہ جیل میں قیدی کا اٹھنا بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ اور کھانا، پینا۔ اور اس کی ہر حرکت وادا جیل کے افسروں کے احکام کے ماتحت ہوتی ہے۔ وہ کام کرتا ہے تو حکم سے۔ چھٹی پاتا ہے تو اجازت سے۔ جاگتا ہے تو حکم سے سوتا ہے۔ تو اجازت سے۔ جب کھانے کا وقت آئے، کھاتا ہے۔ کہیں جانا چاہیے تو بغیر اجازت کے نہیں جا سکتا۔ الغرض اس کا ہر کام افسروں کے احکام کے ماتحت ہوتا ہے۔ برخلاف باغ کے سیر کرنے والے کے۔ کہ وہ اپنی مرضی سے باغ کے جس گوشے میں چاہیے جائے جہاں چاہیے بیٹھے جہاں چاہے لیٹے۔ جب تک چاہے باغ میں رہے۔ جب چاہے نکل جائے۔ گویا وہ کسی کے تابع نہیں۔ بلکہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اسی طرح کافر کے لیئے تو یہ دنیا گویا ایک باغ ہے۔ اس کے لیے تو یہ دنیا میں حلال حرام کی تمیز نہیں جو چاہے کھائے جہاں چاہے جائے۔ جو چاہے کرے

لیکن مسلمان کے لیئے یہ دنیا مثل جیل ہے۔ یعنی وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ جہاں اس کا خدا جانے کی اجازت دے وہاں جا سکتا ہے۔ جس چیز کے کھانے کی اجازت دے وہ کھا سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو حد در قائم کر دی ہیں ان سے وہ سر مو انحراف نہیں کر سکتا۔

میرے بزرگو۔ دوستو! اور عزیزو! اسی بات میں سمجھ لو۔ کہ اسلامی زندگی کا مفہوم یہی ہے کہ مسلمان کا اٹھنا بیٹھنا۔ چلنا پھرنا۔ کھانا۔ پینا۔ شادی غمی وغیرہ ہر بات احکام الٰہی کے مطابق ہوں۔ اس کا کوئی کام بھی اپنی ذاتی خوشی۔ اور عیش و آرام کی خاطر نہ ہو بلکہ سب کچھ خدا کی مرضی و خوشنودی کے لیئے ہو۔ یہ ہے اسلامی زندگی اور خدا کے نزدیک زندہ ہی وہ ہے جس میں یہ آثار پائے جاتے ہیں۔ اور جس میں یہ آثار نہ پائے جاتے ہوں۔ تو وہ اگرچہ برائے نام زندہ ہے۔ مگر حقیقت میں مردہ ہے۔ جس میں اسلامی زندگی پائی جائے۔ وہ مزار میں بھی لیٹ جائے۔ تو وہ زندہ ہی ہے۔ اور جس کی زندگی اسلامی زندگی نہیں۔ وہ بازار میں بھی چلتا پھرتا نظر آئے تو مردہ ہی ہے۔

آج کل حضرات! آج کل بالعموم زندگی سراپا غیر اسلامی تہذیب میں رنگی ہوئی نظر آتی ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ۔ ہمارا اٹھنا۔ بیٹھنا چلنا پھرنا۔ کھانا پینا اور ہر حرکت غیر اسلامی نظر آتی ہے۔ یورپین تہذیب نے تو مسلمان کو اپنی تہذیب سے بالکل ہی دور کر دیا ہے آج کل کا ماڈرن مسلمان شعائر اسلامی کی کچھ پرواہ نہیں کرتا بلکہ مذاق اڑاتا ہے۔ نماز کی بجائے رقص سے قرآن کی بجائے ناول و اخبار سے اور حج کی بجائے سیر یورپ سے اُسے پیار ہے۔ یورپ سے تو اتنی الفت ہے کہ اپنے ملک کی زبان تک بولنے میں عار سمجھتا ہے۔ اور جب تک انگلش میں بات نہ کر لے۔ اسے چین ہی نہیں آتا۔

لطیفہ یہاں ایک لطیفہ بھی سنتے چلیئے۔ بعض لوگ انگریزی بولنا فیشن سمجھتے ہیں۔ انگریزی آئے یا نہ آئے۔ چنانچہ ایسی ہی ایک جاہل عورت

تھی۔ مگر تھی فیشن زدہ۔ وہ اندھیری رات میں کسی کے گھر ملنے کے لیئے گئی۔ تو ان سے کہنے لگی بڑی اندھیری رات تھی۔ کیا بتاؤں میں کسقدر ڈر گئی۔ ڈر سے میرا تو ہاف ٹائم ہونے لگا تھا۔ دیکھا آپ نے ،،ہارٹ فیل،، کہنا چاہتی تھی مگر اس کے جگہ ،،ہاف ٹائم کہہ دیا۔ چلو کچھ بھی سہی فیشن تو پورا ہو گیا۔

بھائیو! اس تعالی سے بچو۔ اور اپنی زندگی کو سراپا اسلامی زندگی بناؤ۔ اور اسلام کو ظاہر و باطن سے اپنالو۔ یہ میں نے اس لیے کہا ہے۔ بعض لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ ہم اندر سے تو مسلمان ہی ہیں۔ باہر کو نہ دیکھئے۔ بھائیو! دیگچی کے اندر اگر پانی گرم ہوگا۔ تو وہ باہر سے بھی ٹٹولیئے، تو گرم ہی نظر آئے گی۔ اور جس برتن میں دودھ ہوگا۔ اس سے دودھ ہی نکلے گا۔ جس میں پانی ہوگا۔ اس سے پانی ہی نکلے گا۔ اگر اندر اسلام ہے تو پھر لازم یہ ہے کہ زبان سے جب بھی کوئی بات نکلے گا اور ہر عضو کی ہر حرکت اسلامی ہی ہو۔ یہ بات ہونا چاہیئے۔ کہ اندر تو اسلام ہونے کا دعویٰ ہو۔ اور کام سارے غیر اسلامی ہوں۔

بھائیو! اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو۔ جنہوں نے یوں فرمادیا کہ میری نماز، میری قربانیاں۔ اور میرا جینا مرنا سب اللہ ہی کے لیئے ہے۔ اس ارشاد کے مطابق ہمیں کوشش کرنا چاہیے۔ کہ ہم جیئیں۔ تو مسلمان ہو کر جیئیں۔ اور مریں۔ تو وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کے مطابق مسلمان ہو کر مریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



ساتواں خطاب (۷)



صبر و شکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (پ ۲۳ ع ۱۶)

"صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے بے گنتی۔"

حضرات! - یہ خطاب محرم شریف کے مہینے کا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے المناک واقعہ سے بھی ہے۔ اس لیے میں چاہا۔ کہ آج کچھ صبر و شکر کے متعلق بیان کرو۔ اور بتاؤ۔ کہ مصائب و آلام کے وقت مسلمان کو کیا کرنا چاہیے۔ اور یہ کہ مشکل و مصیبت کے وقت صبر و شکر سے کام لینے

پر خدا تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔ اور اپنے صابر و شاکر بندے کو بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ میں نے جو آیت کریمہ پڑھی ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ کہ صبر و شکر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ اور مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ قیامت کے روز جب اصحابِ بلا و مصیبت حاضر کیئے جائیں گے۔ تو اُن کے لیے نہ دفتر کھولے جائیں گے اور نہ ہی میزان قائم کیے جائیں گے۔ بلکہ اجر و ثواب کی اُن پر بے حساب بارش ہو گی۔ یہاں تک کہ دنیا میں عافیت کی زندگی بسر کرنے والے انہیں دیکھ کر آرزو کرنے لگیں گے۔ کہ کاش وہ اہل مصیبت میں سے ہوتے اور ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے گئے ہوتے۔ تاکہ آج انہیں بھی یہی اجر ملتا۔

بھائیو! یہ اس قدر انعام و اکرام کی بارش محض صبر کی وجہ سے ہو گی۔ معلوم ہوا کہ مصیبت و بلا کے وقت صبر سے کام لینا بہت بڑے اجر کا موجب ہے۔ اور مصیبت کے وقت صبر کا دامن چھوڑ دینا بے حساب اجر و ثواب سے محرومی کا باعث ہے۔"

صبر کیا ہے

حضرات! عام طور پر صبر اس کو کہا جاتا ہے۔ کہ کوئی مر گیا۔ اور آنسو نہ بہائے۔ گویا کسی نقصان پر آنسو بہانا یا آنسو بہانے بند کر دینے کا نام صبر ہے۔ گو اس میں بھی صبر کا مفہوم تو آجاتا ہے۔ مگر بہت بڑے فرق کے ساتھ صبر درحقیقت بہت بلند صفت ہے۔ صبر کے مفہوم میں عزم راسخ پختہ ارادہ۔ بلند ہمت۔ حوصلہ رفیع۔ استقلال و استقامت، اور شجاعت، جلالت اجتماعی حیثیت سے شامل ہیں۔ ان تمام صفات کا ذکر اگر ایک لفظ کے ساتھ کرنا مقصود ہوتا۔ تو صرف صبر کے لفظ کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔

انتہائی ناکامی۔ انتہائی مصیبت۔ انتہائی نقصان اور انتہائی ابتلاء پر بالکل نہ گھبرانے اور نا امید نہ ہونے۔ بلکہ اسی شان اور اسی جوش و سرگرمی سے کام کیے جانے اور اللہ پر بھروسہ رکھنے کے معنے صبر کے ہیں اور قرآن میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے انہی معنوں میں آیا ہے۔ صبر کرنا اور جان مال و اولاد کے نقصان

اور خوف کی حالت میں مستقل مزاج رہنا۔ ہنسی کھیل نہیں بڑے دلاوروں کے حوصلے پست، اور حواس باختہ ہو جاتے ہیں آگ اور خون کی بارش ہو رہی ہے سامنے لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ اس وقت نہ ڈرنا اور ثابت قدم رہنا کوئی معمولی کام نہیں کوئی دبا پڑی۔ دو دن کے اندر اندر اپنے کھیتے کودتے تین بچے اپنی بیوی اور اپنا جوان بھائی، اپنی آنکھوں کے سامنے ختم ہو گیا۔ عام انسان سے اس پر صبر کے لیے کہا جائے گا۔ تو وہ منہ نوچ لے گا۔ اور آہ و زاری کرنے لگے گا۔ کھیتیاں اور باغات اجڑ جائیں۔ ایک بچہ کی موت۔ کاروبار کے نقصان اور مصیبت کے آجانے پر انسان گھبرا جاتا ہے۔ اور بڑے بڑے حوصلہ مند کانپنے لگتے ہیں مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیم کا اثر تھا۔ کہ صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم اس قسم کے کسی وقت پر نہیں گھبرائے۔ اور ہر مصیبت پر وہ نفوس قدسیہ صبر و شکر ہی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ حضرت بلال کو دیکھیے جھلستی ہوئی دھوپ میں اور تپتی ہوئی ریت پر برہنہ پشت لٹا کر گردن پر وزنی پتھر رکھ دیا جاتا ہے، اور خدا اور رسول سے مونہہ موڑ لینے کو کہا جاتا ہے۔ مگر حضرت بلال کی زبان سے احد احد ہی کے نعرے نکلتے ہیں۔ اور وہ گویا یہی اعلان فرماتے ہیں۔ کہ ؎

حلق پر تیغ رہے سینہ پر جلاد رہے۔
لب پہ ترا نام رہے دل میں تیری یاد رہے۔

حضرت خبیب رضی اللہ کو دیکھیے۔ دشمنوں کے نرغے میں گھر ہوئے ہیں سنگینوں کے سائے میں اور خون کے پیاسوں کے ہجوم میں ہیں۔ اور ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مونہہ موڑ لیں مگر ان کا جواب یہ تھا۔ کہ ؎

مجھے ہو ناز قسمت پہ اگر نام محمدؐ پہ
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس کو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جانہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوا میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی دیکھئے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے عزیز و اقارب اپنے جگر گوشے، مرحوم بھائی کے لختِ جگر اور بیوی بہن کے دل کے ٹکڑے خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں۔ مگر امام پاک کے عزم و استقلال اور صبر و ثبات میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا۔ اور آپ اسی شانِ استقلال حوصلہ و ثبات اور صبر و شکر کے ساتھ اللہ کی راہ میں خود بھی قربان ہو گئے۔ ؎

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین
جو جوان بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین
مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

اہل بیت کے ارشادات

حضرات! صبر و شکر ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کے لئے خود حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بڑی بڑی تاکیدیں فرمائی ہیں۔ اور صبر کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يُصَابُ بِمُصِيْبَةٍ فِي الدُّنْيَا فَيَسْتَرْجِعُ عِنْدَ مُصِيْبَتِهٖ وَيَصْبِرُ حِيْنَ تَفْجَاهُ الْمُصِيْبَةُ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ مَا مَضٰى۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ص ۳۵)

مومن پر مصیبت واقع ہو۔ اور وہ مصیبت کے وقت انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھے، اور صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔"

اسی طرح دیگر کئی ایک روایات آئی ہیں۔ جن میں خود اہل بیت عظام نے صبر وشکر اور عزم و استقلال کا مظاہرہ آپ نے فرمایا ہے۔ وہ سب پر ظاہر ہے اس قدر مصائب و آلام کے نرغے میں گھر کر جس عزم و ثبات، اور جس صبر و استقلال کا مظاہرہ آپ نے فرمایا۔ وہ آپ ہی کا کمال تھا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

میرے بھائیو! یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرتا چلوں۔ آج کل کے اس دور میں بعض لوگ یوں کہتے نظر آتے ہیں۔ کہ تم لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حامی و مددگار بتاتے ہو۔ اور کہتے ہو۔ کہ وہ ہماری مشکلات میں مدد فرماتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے۔ تو پھر حضور نے اپنے نواسے کی مدد کیوں نہ فرمائی۔ اور کربلا میں وہ کیوں اس قدر مصائب و آلام میں گھر گئے۔ اور حضور نے انہیں کیوں نہ بچایا۔

بھائیو! آپ نے بھی اکثر یہ اعتراض سنا ہوگا۔ لیکن بخدا اس اعتراض سے ان لوگوں کی اپنی بے خبری کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ اور ایسے لوگ نہیں جانتے۔ کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں"

خدا کا وعدہ

سب سے پہلے خدا تعالیٰ کا ایک وعدہ سنئے۔ خدا فرماتا ہے۔

حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (پ ۱۱ ع ۱۵)

ہمارے ذمہ کرم پر حق ہے مسلمان کو نجات دیں"

دوسری جگہ فرمایا:۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (پ ۲۱ ع ۸)

اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ مسلمانوں کی مدد فرمانا"

دیکھئے خدا تعالیٰ نے صاف اعلان فرمایا ہے۔ کہ مومنوں کی مدد کرنا میرا حق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کی یقیناً مدد فرماتا ہے۔ اور وہ لوگ اپنے ایماندار بندوں کا مددگار ہے۔ اس وعدۂ حق کو سامنے رکھئے اور پھر یہ آیت

کریمہ ملاحظہ فرمائیے

وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۔ (پ۱ ع۷)

اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے "

وَيَقْتُلُونَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۔ (پ۴ ع۳)

اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے "

چنانچہ مفسرین کرام نے لکھا ہے۔ کہ حضرت زکریا و یحییٰ اور شعیا علیہم السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو جن کی تعداد مفسرین کرام نے ۳۴۳ لکھی ہے۔ یہودیوں نے قتل کر دیا۔ یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام جن کے متعلق قرآن پاک فرمایا رہا ہے۔ کہ ان یہودیوں نے انہیں ناحق قتل کر دیا۔ جائے۔ بتائے۔ خدا تعالیٰ جو قادرِ مطلق اور مددگارِ حقیقی ہے۔ اس نے ان اپنے نبیوں کی مدد کیوں نہ کی اور کیوں نہ انہیں قتل ہونے سے بچا لیا؟ حالانکہ خدا تعالیٰ کا یہ اعلان و وعدہ بھی ہے۔ کہ مومنوں کی مدد کرنا میرا حق ہے۔ باوجود اس وعدہ کے اُس کے نبی شہید ہوئے۔ یہ کیا بات ہے؟

بعض لوگ یوں بھی کہتے ہیں۔ کہ حضور کو اگر علم ہوتا۔ کہ میرے نواسے حسین سے کربلا میں یہ سلوک ہونے والا ہے۔ تو آپ انہیں کربلا سے روک دیتے اگر یہ اعتراض بھی درست ہو سکتا ہے۔ تو پھر کہنے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدا کو علم تھا کہ میرے نبی دنیا میں آئے۔ اور کافروں کے سامنے انہوں نے اپنا اعلانِ نبوت کیا۔ تو یہ شہید کر دیئے جائیں گے تو خدا نے انہیں دنیا میں بھیجا ہی کیوں؟۔ اور اعلانِ نبوت کرنے سے کیوں نہ روک دیا؟۔ تو جو جواب اس کا یہ لوگ دیں گے۔ وہی جواب ہمارا ہوگا۔

اصل بات

حضرات!۔ یہ سب شک و شبہات اس وقت پیدا ہوتے ہیں۔ جب کہ اصل بات سمجھ میں نہ آئے دراصل یہ لوگ مدد اس چیز کو سمجھے ہیں۔ کہ شہید ہونے والے کو اللہ کی راہ میں مرنے سے بچا

لیا جائے۔ اور اسے مرتبہ شہادت پر فائز نہ ہونے دیا جائے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اپنے نواسے کو شہید ہونے سے روک دیتے۔ اور کربلا میں آپ کو اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کردینے سے باز رکھتے۔ تو یہ ان کی مدد تھی۔ استغفر اللہ! کیا ہی غلط خیال ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسلمانوں میں جذبہ شہادت پیدا فرمایا تھا۔ اور یہ آپ ہی کی تعلیم کا اثر تھا کہ مسلمان اللہ کی راہ میں قربان ہو جانے کو ترسا کرتے تھے۔ ؎

شہادت سے ڈرائے کوئی کیسے مردِ مومن کو

کہ مومن ڈھونڈنے آتا ہے دنیا میں اسی دن کو

غور فرمایئے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عوام مسلمانوں میں بھی جذبہ شہادت پیدا فرما دیا تھا پھر وہ بھلا اپنے ہی نواسے کو اس نعمت کے پا لینے سے روک کیوں دیتے؟ بھائیو! مدد یہ نہیں جو یہ بتاتے ہیں۔ مدد اور چیز ہے۔ جس کا انہیں پتہ نہیں۔ مدد وہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے واقعی مومنوں کی فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے نواسے کی فرمائی۔ آیئے میں بتاؤں۔ اس کی مدد فرمائی اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اپنے نواسے کی فرمائی۔

خدا تعالیٰ اپنی مدد کا ذکر فرماتا ہے۔ فرمایا۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (پ ۱۰ ع ۱۵)

اور مدد نہیں۔ مگر اللہ کی طرف سے۔ بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی مدد کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ کہ کس طرح مدد کرتا ہے۔"

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ - اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - (پ ۹ ع ۱۶)

اور تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے۔ اور اس سے تمہارے قدم جمائے۔ جب اے محبوب۔ تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ

میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔
دیکھا آپ نے! یہ ہے اللہ کی مدد، کہ دشمن کے مقابلہ میں دل کا مضبوط رکھنا۔ اور ثابت قدم رکھنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مومنوں کی مدد اس طرح فرمائی کہ تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود ان کے حوصلے بلند رکھے۔ ان کے دلوں کو مضبوط رکھا۔ اور صبر و استقلال۔ عزم و ثبات کے ساتھ دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہے کیوں میرے بھائیو! دشمن کے مقابلہ میں گھبرا کر جان بچا کر لوٹ آنا یہ اللہ کی مدد ہے یا دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا۔ اور عزم و استقلال کے ساتھ اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیئے لڑنا۔ اور شہادت پا جانا یہ اللہ کی مدد ہے۔؟ یقیناً یہ دوسری شق ہی اللہ کی مدد کی ہی کیفیت پائی جائے گی۔ تو پھر کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپنے نواسے کی کربلا میں مدد کیوں نہ فرمائی۔

بھائیو! ہزاروں کے یزیدی لشکر کے مقابلہ میں ۷۲ افراد کا عزم و استقلال کے ساتھ ڈٹ جانا۔ اور بھوکے پیاسے رہ کر بھی علم دین کو بلند کئے رکھنا اور حوصلہ نہ ہارنا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ تھی تو اور کیا تھا؟ اے کاش! ایسے لوگ سمجھیں اور اپنے فضول اعتراضات سے اہل حق کو ناحق نہ ستایا کریں۔

ایک حکایت

ہاں تو بھائیو! میں صبر و شکر کے متعلق بیان کر رہا تھا۔ صبر بڑی اچھی چیز ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک بڑا خوبصورت اور خوش آواز پرندہ تھا اُسے ایک ہزار دینار سے ایک شخص نے خریدا اور اُسے پنجرہ میں بند کر دیا۔ ایک ایک دوسرا پرندہ اس پنجرے کے اوپر اڑتا ہوا آ کر ٹھہر گیا۔ اور اپنی زبان میں کچھ کہہ کر پھر چلا گیا اس کے بعد پنجرے کا قیدی پرندہ بالکل خاموش ہو گیا۔ اس شخص نے جب دیکھا۔ کہ میرا ایک ہزار دینار سے خریدا ہوا پرندہ اب بولتا ہی نہیں۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر پہنچا۔ سلیمان

علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس پرندے کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ شخص پنجرہ اٹھا لایا۔ اور حضرت سلیمان نے اس پرندہ سے فرمایا کہ تمہارے مالک کا تم پر حق ہے اس نے اتنی زیادہ رقم سے تمہیں خریدا ہے۔ تم بولتے کیوں نہیں؟ پرندے نے جواب دیا حضور! میرے مالک سے کہہ دیجئے کہ وہ میری محبت دل سے نکال دے۔ میں بھی نہ بولوں گا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا۔ حضور! میری چیخ و پکار اور آواز اپنے وطن، اور اولاد کی فرقت میں بے صبری کے سبب تھی۔ حتیٰ کہ ایک دن ایک میرے بھائی نے میرے پنجرے کے پاس آکر مجھے نصیحت کی۔ کہ تم اپنی بے صبری کے باعث پنجرے میں قید ہو۔ اگر صبر کر کے خاموشی اختیار کر لو۔ تو پنجرے سے رہا ہو سکتے ہو۔ چنانچہ میں عہد کر لیا ہے۔ کہ اب جزع و فزع نہ کروں گا۔ اور صبر سے کام لے کر خاموش رہوں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پرندے کی یہ بات سن کر ہزار دینار اپنے پاس سے دے کر اُسے پنجرے سے رہا کر دیا۔ (روح البیان صفحہ)

اس حکایت سے معلوم ہوا۔ کہ جزع و فزع سے پریشانی و کوفت میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اور صبر و شکر سے کام لینے کو ہر مراد ملتا ہے، اور بشارت اخروی و نعمتِ حقیقی کا حصول اسی صبر و شکر پر مبنی ہے۔

خدا ہم سب کو صبر و شکر کی توفیق دے۔"

آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



آٹھواں خطاب (۸)

جَآءُوْكَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

(پ ۵ ع ۶)

(ترجمہ) اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں۔ تو اے محبوب تیرے حضور حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں۔ اور رسول ان کی شفاعت فرمائے۔ تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں!!

حضرات! حج کے دن قریب ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عرش پناہ کی حاضری کے متعلق کچھ عرض کروں۔ میرے بھائیو بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ حضرات جو حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور مدینہ منورہ کی حاضری کے شرف سے مشرف ہو کر گناہوں سے پاک و صاف ہو کر لوٹتے ہیں۔" بھائیو! یہ حج بھی اللہ کا ایک انعام ہے اور استطاعت والوں پر فرض ہے۔ کہ وہ حج کریں لیکن خوب یاد رکھیئے۔ ؎

ان کی طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے۔
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا صدقہ ہے۔ کہ ہم نعمتِ حج سے بھی مشرف ہوئے۔ اور حج کی جان یہ ہے۔ کہ حاجی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ ورنہ ایسا حج جس میں سبز گنبد کی حاضری نہ ہو۔ حج نہیں بلکہ ایک بے معنی لفظ اور ایک بے جان جسم ہے، ؎

جس حج میں نہ سیر مدینہ ہو وہ حج تو ہے لیکن ایسا حج!
اک لفظ ہے لیکن بے معنی اک جسم ہے لیکن بے جان ہے۔

محسن کا شکریہ

حضرت والدہ ماجدہ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے سفرِ حج کا قصہ سنایا تھا۔ فرمایا کہ جہاز میں ایک روز میں مدینہ منورہ کے فضائل اور حضور کی زیارت شریفہ کی عظمت واہمیت بیان کر رہا تھا۔ کہ ایک "مولوی" مجھ سے تکرار کرنے لگا۔ اور اس بات پر زور دینے لگا۔ کہ مدینہ منورہ کی حاضری کوئی ضروری نہیں اور قبر شریف کی زیارت کی نیت سے تو جانا ناجائز نہیں۔ والدہ ماجد فرماتے تھے۔ کہ میں اسے مشہور حدیث لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ کا اصل مقصد سمجھا رہا تھا۔ کہ ایک سادہ لوح مسلمان نے مجھ سے کہا۔ کہ آپ ذرا ٹھہر جایئے۔ اس سے ایک بات دریافت کر لوں چنانچہ اس نے مجھے خاموش کرا کے۔ اس سے پوچھا۔ کہ مولوی جی! حضور کی بارگاہ میں اگر جانا ناجائز نہیں۔ تو آپ کہاں جا رہے ہیں اس نے جواب دیا کہ

میں مکہ شریف حج کے لیے جا رہا ہوں۔ سادہ لوح مسلمان نے پھر پوچھا کہ مکہ شریف میں آنے اور حج کرنے کی ہدایت آپ کو کس نے کی؟ اور یہاں تک لانے والا آپ کو کون ہے؟ اور کس کے بتانے سے آپ اتنے بڑے شرف سے مشرف ہوں گے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی ہدایت دی اور انہوں نے اس در کا پتہ دیا تو وہ مسلمان بولا کہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ جس محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر اتنا بڑا احسان اور کرم فرمایا ہے تم اسی کے پاس جانے سے کتراتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی نہیں جانے دیتے۔ کم از کم محسن کا شکریہ ادا کرنے ہی وہاں جاؤ۔ اور دوسروں کو بھی جانے دو۔ والد ماجد فرماتے تھے۔ کہ اس کی اس سادہ سی مگر ٹھوس گفتگو کا بڑا ہی لطف آیا۔ اور اس مولوی سے بھی اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد بھی ہے۔ کہ

مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔ (مواهب لدنیہ ص ۳۸۳/۲)

جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

فرمایئے۔ ایسا حج جس میں زیارت پاک نہ ہو۔ حج ہوا۔ یا ظلم؟ اور ایسا حاجی حاجی ہوا یا ظالم؟

ہاں تو بھائیو! میں نے جو آیت کریمہ پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ بھی یہی فرما رہا ہے کہ جو لوگ گناہوں میں رہ کر اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور پھر چاہیں کہ خدا تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے تو وہ کیا صورت اختیار کریں۔

حضرات! یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ بلکہ خدا کے ارشاد کا ترجمہ کر رہا ہوں خدا خود فرماتا ہے۔ کہ گنہگار اگر مجھ سے معافی چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے۔ کہ ۔۔۔

جَآءُوْكَ

اے محبوب! تیرے حضور حاضر ہو جائیں۔ سبحان اللہ! کیا شانِ ہے اس بار گاہ عالی کی۔ کہ گناہ خدا کے کیئے جائیں۔ اور معافی چاہنے کے لیئے دروازہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنایا جائے۔ اور اس دروازے پر حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگی جائے۔ اور پھر حضور کی شانِ پاک کو اور بھی بلند فرمایا اور یوں فرمایا کہ رسولِ خدا کے دروازے پر آکر اللہ سے معافی مانگو۔ تو بھی کچھ نہیں ملے گا۔

ہاں وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی شفاعت فرما دے۔"

پھر لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائے گا۔

بھائیو! دیکھ لو۔ حاضری پاک کی عظمت۔ کہ گناہوں کی معافی کے لیئے بجز اس کے اور کوئی طریقہ ہی نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو جائے اللہ تعالیٰ سے اگر کچھ ملے گا۔ تو اسی در سے۔ اگر یہاں آگئے۔ تو سب کچھ پائے گا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر۔

جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرات! ممکن ہے یوں کہہ دے کہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی کے لیئے تھی۔ اور اب آپ کے وصال شریف کے بعد اس کا حکم باقی نہیں رہا تو کے جواب کے لیئے حضرت امام قسطلانی شارح بخاری کی کتاب مواہب لدنیہ ملاحظہ فرمایئے۔ وہ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ۔

لِاَنَّ تَعْظِيْمَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْقَطِعُ بِمَوْتِهٖ
وَلَا يُقَالُ اِنَّ اِسْتِغْفَارَ الرَّسُوْلِ لَهُمْ اِنَّمَا هُوَ فِىْ

حَالِ حَيَاتِہٖ وَلَيْسَتِ الزِّيَارَةُ كَذٰلِكَ (مواہب لدنیہ صفحہ ۳۸۴ ج ۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم حضور کے وصال کے بعد منقطع نہیں اور یہ نہ کہا جائے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہ گاروں کے لیئے استغفار حضور کے اپنے زمانہ ہی کے لیے تھا اور اب جو زیارت کے لیے جائیں۔ ان کے لیئے نہیں"

معلوم ہوا کہ آج بھی یہی حکم ہے۔ کہ اللہ سے معافی چاہنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضری دینا ضروری ہے

ایک دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ

اگر کہا جائے۔ کہ گنہ گار مدینہ منورہ نہ پہنچ سکے وہ کیا کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ ظاہری حاضری حاصل نہ ہو سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہی ایک معنی میں اپنے گناہوں کی معافی چاہیئے۔ حضور کا وسیلہ بھی ایک معنی میں درِ مصطفٰے کی حاضری ہی ہے۔ الغرض خدا سے کچھ پانے کے لیئے حضور کا واسطہ ضروری ہے ورنہ ؎

بے اِن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط، یہ ہوس بے بصر کی ہے۔

ایک مثال

میرے بزرگو اور دستو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد آپ نے سن لیا کہ وہ اپنی بخشش و مغفرت کے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کی حاضری کو ضروری فرما رہا ہے۔ اب اس سے کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ حضور کے دروازہ پر جانا غیر اللہ کے دروازہ پر جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو لامکان ہے اور مکان و دروازوں سے منزہ ہے اس نے ہماری آسانی کے لیئے درِ مصطفٰے ہی کو اپنا دروازہ ٹھیرایا ہے۔ جو اس دروازے پر آئے گا وہی خدا کو پائے گا۔ ایک مثال عرض کروں۔ نظامِ عالم کے مشاہدہ سے بات عیاں ہے۔ کہ کائنات کے باہمی نظم و نسق کو قائم رکھنے کے لیئے خدا تعالیٰ

نے اپنی مخلوق سے منتخب ہستیوں کو کوئی ایک خصوصی اختیارات دے رکھے ہیں جیسا کہ اس دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر بادشاہ نے اپنی حدود مملکت میں نظم و نسق چلانے کے لیے حکام مقرر کر دیئے ہیں۔ اور رعایا کے ہر فرد کے لیئے ضروری قرار دیا ہے کہ اگر اس کو کوئی ضرورت یا تکلیف پیش آئے۔ تو متعلقہ حاکم کی طرف رجوع کریں۔ مثلاً چوری ہو جائے تو تھانہ دار صاحب کے پاس جا کر فریاد کرے۔ اس سے بھی زیادہ اہم کام ہو۔ تو کمشنر یا وزیر اعلیٰ کے حضور حاضر ہو کر فریاد کرے۔

وہ اس کی تکلیف کا ازالہ کریں گے

یہ بادشاہ کی مرضی و منشاء۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ میں تھانہ دار یا ڈپٹی کمشنر کے پاس کیوں جاؤں۔ جبکہ بادشاہ موجود ہے۔ اور تمام اختیارات کا مالک ہے۔ تو ہم اس کو یہی کہیں گے کہ یہ پاگل ہے کیونکہ بادشاہ کے ضابطہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اور اس کی منشاء کے خلاف چل رہا ہے۔ بلکہ بادشاہ اُسے اپنے ضابطہ کا باغی قرار دے گا۔ کیونکہ وہ اس کے جاری کردہ حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

اب اسی مثال کے دوسرے پہلو پر غور فرمایئے۔ جب بادشاہ نے اپنی رعایا کی سہولت کے پیش نظر یہ آسان و سہل ترین طریقہ مقرر فرمایا دیا تو اب جو شخص تھانہ دار، یا ڈپٹی کمشنر کے پاس جاتے ہوئے یہ سمجھتا ہے۔ کہ میرا بادشاہ ہے۔ اور جو کچھ ہے۔ بس اسی کے بس میں ہے۔ تو وہ بھی بادشاہ کا باغی ہے کیونکہ بادشاہ کی سلطنت میں اس نے ایک اور بادشاہ تسلیم کر لیا ہے جو کھلی بغاوت ہے۔

اس مثال کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آیت کریمہ جو میں نے پڑھی ہے کا مطلب و مفہوم خوب واضح ہو جاتا ہے۔ اور کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ اللہ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ٥

وہ اپنی جانوں پر (نافرمانی کر کے) ظلم کریں۔ تو اے محبوب۔
تمہارے حضور حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان
شفاعت فرمائے۔ تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا۔
مہربان پائیں گے،،

اس ارشاد پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ بادشاہ حقیقی کی سلطنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند ترین مقام ہے۔ گویا آپ کی ذات اللہ تعالیٰ رعایا میں وزیر اعظم ہے کا درجہ لیئے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ نے حضور کو اختیارات خصوصی سے نوازا ہے اور اللہ کی منشاء ہے۔ کہ میرے بندے جب کوئی قصور کریں اور ان دولتِ ایمان کو شیطان جیسے ڈاکو کا خطرہ لاحق ہو۔ تو سیدھے میرے محبوب کے درِ دولت پر حاضر ہوں۔ اور وہاں آکر اپنا استغاثہ دائر کریں۔ تو مجھے وہیں پائیں گے،،

سبحان اللہ! کیا شانِ مصطفےٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم
اعلیٰ حضرت نے خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیگ مانگنے کو ترا آستاں بتایا۔

دوسری مثال ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ میں داتا صاحب کے عرس میں شرکت کے لیے لاہور جا رہا تھا۔ ایک صاحب نے دریافت کیا۔ کہ عرس میں آپ کیوں جا رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ خدا کی رحمت پانے کے لیئے، معترض نے کہا خدا کی رحمت تو ہر جگہ ہے۔ داتا دربار کی کیا خصوصیت؟ مولوی صاحب جواب دیا۔ ریلوے لائن پشاور سے کراچی تک بچھی ہوئی ہے۔ اور گاڑی اس پر سے گزرتی ہے۔ لیکن اگر کسی نے گاڑی پر سوار ہونا ہے تو اس کے لیے اسٹیشن

کی حاضری ضروری ہے اسی طرح خدا کی رحمت اگرچہ ہر جگہ ہے۔ لیکن اس کے حصول کے لیے رحمت کے اسٹیشن بھی ہیں۔ انہیں رحمت کے اسٹیشنوں میں سے ایک اسٹیشن بھی ہے۔ اور سب سے بڑا رحمت کا اسٹیشن اور جنکشن اسٹیشن، جہاں سے رحمت کی کئی لائینیں نکلتی ہیں۔ مدینہ منورہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت ومغفرت کے حصول کے لیے اس اسٹیشن کی حاضری کو ضروری قرار دیا ہے۔

ایک واقعہ

حضرات! آیئے آپ کو ایک ایمان افروز واقعہ سناؤں۔ حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ نے یہ روایت اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر ایک شتر سوار اعرابی آیا اور اپنی اونٹنی کو بیٹھا کر قبرِ انور کے سامنے ادب سے بیٹھ گیا۔ اور پھر رو رو کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ کہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں۔ وہ تیرے حضور حاضر ہوں۔ یا رسول اللہ! میں اس ارشاد کے مطابق اپنے گناہوں کی معافی کے لیے آپ کے درِ اقدس پر حاضر ہو گیا ہوں۔ میری بخشش فرمایئے اور پھر جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھنے لگا۔

یاخیر من دفنت فی التراب اعظمہ
فطاب من طیبھن القاع والاکم
نفسی الفداء بقر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

(مواہب لدنیہ ص۳۸۸ ج۲)

سبحان اللہ! یہ شعر اتنے مقبول ہوئے۔ کہ ان کو روضہ اقدس پر کندہ کر دیا گیا اور آج بھی یہ شعر روضہ اقدس پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔

دوسرا واقعہ

ایک اور اعرابی روضہ شریف پر حاضر ہوا۔ اور کیا مزے کی عرض کی۔ کہ:

اللھم انک امرت بعتیق العبید وھذا حبیبک

وانا عبدك فاعتقنی من النار علی قبر حبیبک۔
فهتف هاتف۔ یا هذا تسال العتق وحدك هلا
سألت بجمیع الخلق اذهب فقد اعتقناك من النار۔

(صفحہ مذکور)

اے اللہ تو نے حکم دیا کہ غلاموں کو آزاد کرو۔ یہ تیرا حبیب ہے۔ اور میں تیرا غلام ہوں۔ پس اپنے حبیب کی قبر پر اپنے اس غلام کو آگ سے آزاد کرے۔ ہاتف سے آواز آئی اے صرف اپنی آزادی چاہنے والے۔ تو ساری مخلوق کی آزادی کیوں نہ چاہی۔ جا تجھے آگ سے آزاد کر دیا

تیسرا واقعہ ایک تیسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ ایمان افروز ہے۔ کہ ایک اعرابی قبر انوار پر حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ کہ اے اللہ! میں تیرا غلام ہوں اور یہ تیرا حبیب ہے۔ اور شیطان تیرا دشمن ہے

۔الٰہی! اگر تو نے مجھے بخش دیا۔ تو تیرا غلام آزاد ہو جائے گا۔ تیرا حبیب خوش ہو جائے۔ اور تیرا دشمن ناراض ہو جائے گا۔ تیرا حبیب رنجیدہ ہوگا۔ اور تیرا دشمن خوش ہو جائے گا۔ ہاتف سے آواز آئی۔ ہم اپنے حبیب کو ناخوش اور دشمن کو خوش نہیں کرنا چاہتے۔ جا تجھے بخشا۔

پڑھیئے درود شریف۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

ہاں تو بھائیو! آج میں جان اسی وقت پڑتی ہے۔ جب در مصطفٰے کی حاضری بھی ہو۔ ورنہ یہ ایک بے مقصد سفر ہے۔ اور حقیقت وہی ہے جو اعلیٰ حضرت نے لکھی ہے۔ کہ ؎

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منٰی!!
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے۔

خدا تعالیٰ کروڑ کروڑ رحمتیں نازل اعلیٰ حضرت پر۔ ایک دوسری جگہ کیا ایمان افروز شعر لکھا۔ کہ ؎

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

بھائیو! روضۂ انور کی عظمت کا کیا پوچھتے ہو۔ یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں ستر ہزار فرشتے ہر وقت حاضر رہ کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے رہتے ہیں ستر ہزار صبح آتے ہیں۔ عصر تک رہتے ہیں، عصر کے وقت یہ بدل جاتے ہیں ستر ہزار۔ دوسرے آجاتے ہیں۔ یونہی قیامت بدلی ہوتی رہے گی۔ اور جو ایک بار آئے وہ دوبارہ نہ آئینگے کہ منظور ان سب فرشتوں کو یہاں کی حاضری سے مشرف فرمانا ہے (مشکوٰۃ شریف)

بھائیو! وہ مقدس و ارفع مقام جہاں ہر روز ستر ستر فرشتے حاضری دیتے ہوں اس جگہ حاضری کی عظمت کو کون بیان کر سکتا ہے۔

افضل حضرات! کعبہ شریف اور روضہ شریف میں سے افضل کون سی جگہ ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ لیکن محدثین کرام نے اس خاص جگہ کو جس حصۂ زمین سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم انور لگتا ہے۔ کعبہ و عرش سے بھی افضل قرار دیا ہے میں یہاں اعلیحضرت کے چند عاشقانہ اور محبت بھرے اشعار سنانا چاہتا ہوں۔ جن میں اعلیحضرت نے ایک عجیب انداز اور انوکھی طرز سے یہ ثابت کیا ہے کہ قبر شریف کعبہ سے افضل ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

کعبہ دلہن ہے تربتِ اطہر نئی دلہن
وہ رشک آفتاب یہ غیرت قمر کی ہے

یعنی کعبہ کو ایک دلہن تصور کر لیجیے۔ اور قبر انور کو نئی دلہن دونوں دلہن دونوں دولہنوں کا مقدس دولہا کی یہ دونوں دلہنیں حسن و جمال کی پیکر ہیں۔ ایک اور رشکِ آفتاب ہے۔ تو دوسری غیرتِ قمر ؎

دونوں ہی سہیلی انیلی بنی مگر!
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے

فرماتے ہیں۔ حسن و جمال میں تو دونوں یکتا ہیں۔ مگر ان میں سے خوش قسمت کون سی دلہن ہے؟ فرمایا! وہ جس کے پاس دولہا رہتا ہے۔ اور وہ قبر انور ہے۔
سبحان اللہ! کیا عجیب انداز ہے پھر فرمایا ؎

سر سبز وصل وہ ہے۔ سیاہ پوش ہجر یہ
چمکی ڈوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

یعنی دیکھ لو۔ کعبہ شریف کا غلاف کالا ہے۔ یعنی وہ سیاہ پوش ہے۔ کیونکہ وہ دلہا کے فراق میں ہے اور قبر انور کا غلاف سبز ہے۔ کیونکہ وہ وصال کے مزے لوٹ رہی ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ خوش قسمت وہی ہے۔ جس کے پاس دولہا رہتا ہے۔

پڑھیے درود شریف

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

بہر حال اس خدا کا شکر ہے۔ جس نے ہم گناہگاروں کی مغفرت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی حاضری کا حکم دیا۔ اور نجات کا سامان پیدا فرمایا:۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نانواں خطاب (۹)



ذکرِ مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرو۔ تاکہ تمہارا بھلا ہو۔"

حضرات! ربیع الاول شریف کا مہینہ آنے والا ہے۔ اور میں اس مبارک مہینے کی خوشی میں اسی مہینے سے "ذکرِ مصطفیٰ" کے عنوان پر خطاب شروع کر رہا ہوں کچھ ذکرِ مصطفیٰ اس مہینے میں سنیئے۔ اور پھر یہ ذکرِ پاک تفصیل کے ساتھ اگلے

مہینے۔ ربیع الاول شریف میں سنئے گا۔ آیئے پہلے سب مل کر پڑھیں۔

کر ذکرِ مصطفےٰ

پیدا ہوئے ہیں فخرِ رسل سید الوریٰ ——— کر ذکرِ مصطفےٰ!
نورِ خدا ہے جن کا لقب ہیں وہ مرتقا ——— کر ذکرِ مصطفےٰ!
آنے سے اُن کے مٹ گئی ظلمت جہاں کی ——— پھیلی ہے روشنی
نورِ خدا کے نور کی ہے چار سو ضیا ——— کر ذکرِ مصطفےٰ!
ایمان کی ہے جان محبت حضور کی ——— پس ہے یہ لازمی
الفت رہے حضور کی دل میں ترے سدا ——— کر ذکرِ مصطفےٰ
کیوں سامعین بیٹھ کے پڑھتے نہیں درود ——— رحمت کا ہو ورُود
باتیں نہ کر کہ ہوتا ہے ذکرِ شہِ ھدیٰ ——— کر ذکرِ مصطفےٰ

(صلی اللہ علیہ وسلم)

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! میں نے قرآن پاک کی جو آیت کریمہ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرو۔ تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں ہمیں حکم فرما رہا ہے۔ کہ ہم اللہ کی نعمتوں کا ذکر کریں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ اور کوئی بھی اسکا انکار نہیں کر سکتا۔ کہ اللہ کی سب سے بڑی اور سب نعمتوں سے اعلیٰ وارفع نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ خدا تعالیٰ کی انسان پر بے شمار نعمتیں ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن وہ سب نعمتیں فانی ہیں۔ مرنے بعد وہ ساتھ نہ دیں گی۔ مگر لاکھوں درود اور کروڑوں سلام بحضور کی ذاتِ اقدس پر کہ یہ لاکھوں ایک ایسی باقی نعمت ہے۔ جو مرنے کے بعد بھی کام آئے گی۔ نزع۔ قبر۔ حشر۔ اور جنت و دوزخ میں ہر جگہ کام آئے گی۔ ؎

نزع میں، گور میں میزان پہ سرِ پل پہ کہیں
نہ چھٹے ہاتھ سے، دامانِ معلّٰے تیرا

بھائیو! اس نعمتِ عظمیٰ نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی اس نے ہمارا ساتھ دیا۔ اور ساتھ نہ چھوڑا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد

آیئے! میں آپ کو حضور حضور صلی علیہ وسلم کا اپنا ارشاد سناؤں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضور سے عرض کی۔ یارسول اللہ! قیامت کے روز میری شفاعت فرمایئے گا۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں میں کروں گا۔ حضرت انس نے فرمایا۔ حضور! قیامت کے روز میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ کہاں ملیں گے؟ حضور نے فرمایا۔

اُطْلُبْنِیْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِیْ عَلَی الصِّرَاطِ

سب سے پہلے مجھے پل صراط پر تلاش کرنا۔ عرض کیا۔ حضور! اگر آپ نہ مل سکیں تو پھر کہاں تلاش کروں؟۔ فرمایا:۔

فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَ الْمِیْزَانِ

پھر مجھے میزان پر تلاش کرنا۔ عرض کیا۔ حضور! اگر وہاں بھی آپ نہ مل سکیں تو؟ فرمایا:۔

فَاطْلُبْنِیْ عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّیْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلَاثَ الْمَوَاطِنَ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۵)

پھر مجھے حوض کوثر پر تلاش کرنا۔ کہ ان تینوں مقامات سے کسی کسی مقام پر میں ضرور ملوں گا۔

پڑھیے درود شریف

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

سبحان اللہ! کیا ہی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ کہ اپنی امت کے لیے حضور پل صراط پر تشریف فرما ہوں گے۔ اور اپنے غلاموں کے لیے رَبِّ سَلِّمْ فرماتے ہوئے

غلاموں کو پل پر سے گزارتے ہوں گے۔ اسی لیئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ:۔

رضا پل سے اب وجد کرتے گزرئیے
کہ ہے رَبِّ سَلِّم صدائے محمدؐ

صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور یا آپ میزان کے پاس تشریف فرما ہو کر اپنے غلام کے نیک اعمال کا پلہ بھاری فرماتے ہوں ہونگے۔ اور یا پھر حوضِ کوثر پر تشریف فرما ہو کر پیاسے غلاموں کو پانی پلاتے ہوں گے اور منظر یہ ہوگا۔

ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا
پیتے ہم ہیں پلاتے یہ ہیں

اس موقعہ پر شاعر کے چند شعر یاد آئے۔ شاعر لکھتا ہے ؎

گر حکم جہنم کا مجھے دے گا الٰہی
اور بھیجے پکڑنے کیلئے اس نے سپاہی
اُس وقت میں چلاؤنگا اور دونگا دہائی
ٹھہرو! میں ذرا اپنے محمدؐ کو بلالوں

شاعر لکھتا ہے میں حضور کو پکاروں گا۔ تو ؎

آئینگے شہِ والا مدد کرنے اُسی دم
فرمائینگے اے اُمتی کر تو نہ کوئی غم
میں آیا ہوں بن کر ترا مونس ترا ہمدم
آ تجھ کو میں اس کملی اقدس میں چھپالوں

حضور مجھے اپنی کالی کملی میں چھپالیں گے۔ اور جو اس مقدس کملی کی پناہ میں آگیا۔ تو مولا حسن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

ڈھونڈا ہی کریں صدرِ قیامت کے سپاہی
وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہوا

بھائیو! ہمارا ایمان ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی ایک ایسی

نعمت ہیں۔ جو یہاں بھی ہمارے کام آتی ہے۔ اور وہاں بھی کام آئیگی ہم یہاں بھی اِن کے محتاج ہیں۔ اور وہاں بھی آج اِن سے بے نیاز رہنے والوں کو کل پتہ چلے گا۔ کہ بغیر اِن کی مدد کے نجات مشکل ہے اسی لیئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ :-

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ایک ایسی نعمت ہیں جو باقی ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی ہمارے کام آئے گی۔"

نعمت کو نعمت بنا دینے والے

دوسرے یہ کہ دوسری نعمتیں اسی وقت نعمتیں ہوں گی۔ جب کہ اِن استعمال صحیح ہو۔ ورنہ ہر نعمت، زحمت بن جائے گی۔ مثلاً تلوار اگر دشمن کو مارے گی تو نعمت ہے۔ اور اگر اپنے دوست کو مارے تو زحمت ہے اسی طرح ہاتھ پاؤں سر وغیرہ اللہ کی نعمتیں ہیں۔ لیکن اِن اعضاء کو اگر اچھے کاموں میں اگر لگایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلاً سر ہی کو لیجئے۔ یہ سر اگر بتوں کے آگے جھکتا تو جہنم میں لے جاتا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خدا کے آگے جھکا دیا۔ اب یہ جنت میں لے جائے گا۔ اسی طرح دیگر اعضائے سے بُرے کام صادر ہوئے۔ تو موجبِ عذاب بن گئے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نیک کاموں میں۔ لگا کر موجبِ اجر و ثواب بنا دیا۔

معلوم ہوا۔ کہ اِن نعمتوں کو نعمت اگر بنا دیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضور کی ہدایات سے الگ ہو جانے سے یہ نعمتیں زحمت اور موجب عذاب بن جاتی ہیں۔

قیامت کے روز

علاوہ ازیں یہ ہمارے اعضاء ہاتھ پیر وغیرہ اللہ کی نعمتیں ہیں۔ لیکن کل قیامت کے روز یہی ہمارے

دشمن ہو جائیں گے۔ اور ہمارے عیوب ظاہر کرنے لگیں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ؎

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (پ۱۸، ع۹)

جس دن اُن پر گواہی دیں گی۔ ان کی زبانیں۔ اور ان کے ہاتھ اور
ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ کرتے تھے؟

دیکھا آپ نے؟۔ یہی نعمتیں کل ہمارے خلاف گواہی دینے لگیں گی۔ یہ ہمارے اعضاء بولنے لگیں گے۔ اور بتانے لگیں گے، کہ انہوں نے ہمارے ساتھ فلاں فلاں برے کام کئے۔ لیکن ہزار بار درود و سلام اُس نعمتِ عظمےٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ کہ آپ قیامت کے روز بھی ہم گنہگاروں کی رہائی و نجات کے لیئے شفاعت پر کمربستہ ہو جائیں اور صورتِ حال یہ ہو گی کہ ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

مسلمانو! لاکھوں بار شکر کرو۔ اُس ربِ کریم کا جس نے ہمیں یہ نعمتِ عظمیٰ بخشی جو کل قیامت کے روز گریہ فرمائیں گے صرف اس لیے کہ ہم کو گنہگاروں کی نجات ہو جائے۔ ہمیں ہنسانے کے لیئے آپ گریہ فرمائیں گے ہزار بار سلام اُس دامنِ محبوب پر جس کی وسعت کا یہ عالم ہے۔ کہ ؎

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو
جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائینگے

اور کیا خوب فرمایا۔ کہ ؎

خاک افتادو بس اُن کے آنے ہی کی دیر ہے
آپ گر کر سجدے میں ہم کو اٹھاتے جائیں گے

حضور سجدے میں

آیئے قیامت کے روز جو کچھ ہونے والا ہے اور حضور اپنی امت کی جس طرح شفاعت فرمائیں گے

اس کی تفصیل خود حضور ہی کی زبانِ انور سے سنیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز جب لوگ حیران و مضطرب ہوں گے اور ان میں کھلبلی مچی ہو گی۔ اور سب متحیر ہوں گے۔ کہ آج کے دن کون ہماری مدد کرے۔ تو سب لوگ آدم علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کے لیئے عرض کریں گے تو حضرت آدم علیہ السّلام شفاعت کرنے انکار فرمادیں گے، اور فرمائیں گے۔ ابراہیم علیہ السّلام کے پاس جاؤ۔ کہ وہ اللہ کے خلیل ہیں۔ لوگ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں گے۔ تو آپ بھی انکار فرمادیں گے۔ تو آپ اور فرمائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ وہ کلیم اللہ ہیں۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس گے تو وہ بھی انکار فرمادیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کا فرمائیں۔ لوگ عیسےٰ علیہ السلام کے پاس جائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انکار فرمادیں گے اور فرمائیں کہ شفاعت مطلوب ہے۔ تو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ حضور فرماتے ہیں پھر لوگ میرے پاس آئیں گے۔ تو میں یوں فرماؤں گا۔

اَنَا لَهَا

ہاں میں شفاعت کے لیئے ہوں

سبحان اللہ! کیا شانِ کرام ہے۔ کہ جہاں سارے نبی شفاعت کرنے سے انکار فرمادیں گے۔ وہاں ہمارے نبی اَنَا لَهَا۔ فرما کر شفاعت فرمانے پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔ حضور فرماتے ہیں۔ پھر میں خدا تعالیٰ سے اذن مانگ کر اور اذن پاکر اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کروں گا۔ اور اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَ وَ اشْفَعْ تُشَفَّعْ۔

اے محمد! اپنا سر اٹھا۔ کہو۔ سنا جائے گا۔ مانگ۔ دیا جائے گا اور شفاعت
کرو قبول کروں گا۔ تو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جب مجھ سے یوں فرمائے گا۔ کہ جو
مانگو دوں گا۔ اور جو شفاعت کرو قبول کروں گا۔ تو۔

فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ

پس میں کہوں گا۔ اے رب! میری امت کو بخش۔ میری امت کو بخش۔
حضور فرماتے ہیں۔ پھر خدا مجھ سے فرمائے گا۔

اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
اَوْخَرْدَلَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ۔

جاؤ اور جس کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہے اسے نکال لو۔"
حضور فرماتے ہیں۔

فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ

پس میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔
(مشکوٰۃ شریف ص۴۸۱)

یعنی گنہگاروں کو جہنم سے نکال لاؤں گا۔

سبحان اللہ! کیا شانِ شفاعت و رحمت ہے۔ اور حضور کا وجود باوجود اللہ کی
کتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ یہاں بھی ہماری یاری اور وہاں بھی ہماری غمخواری۔ اس
موقعہ پر حضرت مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ کی ایک نعمت سنئے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

دکھائی جائے گی محشر میں شانِ محبوبی
کہ آپ ہی کی خوشی آپ کا کہا ہو گا!
خدائے پاک کی چاہیں گے اگلے پچھلے خوشی
خدائے پاک کی خوشی ان کی چاہتا ہو گا
کسی کے پاؤں کی بیڑی یہ کاٹتے ہوں گے

کوئی اسیر غم ان کو پکارتا ہو گا!
کسی طرف سے صدا آئے گی حضور آؤ
نہیں تو دم میں غریبوں کا فیصلہ ہو گا
کسی کے پلّہ پہ یہ ہوں گے وقتِ وزنِ عمل
کوئی امید سے منہ اُن کا تک رہا ہو گا!
کوئی کہے گا دہائی ہے یا رسول اللہ!
تو کوئی تھام کے دامن مچل گیا ہو گا
عزیز بچہ کو ماں جس طرح تلاش کرے
خدا گواہ یہی حال آپ کا ہو گا!
کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ
میرے حضور کے لب پہ اَنَا لَهَا ہو گا
دعائے امتِ بدکار وردِ لب ہو گی
خدا کے سامنے سجدے میں سر جھکا ہو گا

پڑھیئے درود شریف

مسلمانو! دیکھا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ شفاعت ورحمت کو بخدا ہم اس نعمت عظمٰی کا عمر بھر شکر کرتے رہیں گے۔ تو بھی حقِ شکر ادا نہ ہو۔ ایسی نعمت جو سراپا رحمت وبرکت ہے۔ اور یہاں وہاں ہر جگہ کام آنے والی ہے۔

بال مبارک

بھائیو! یہ وہ نعمت ہے کہ جس کا بال بال شریف ہمارے لیے اور موجبِ نجات ہے۔ بزرگانِ دین کا ایک ارشاد سنئے اور اپنے اسلاف علیہم الرحمۃ کا مبارک عقیدہ ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں

لَوْ وُضِعَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ عَصَاهُ اَوْ سَوْطُهٗ عَلٰى
قَبْرِ عَاصٍ لَنَجَا ذٰلِكَ الْعَاصِىْ بِبَرَكَاتِ

تِلْكَ الذَّخِيْرَةِ مِنَ الْعَذَابِ اِنْ كَانَ
فِيْ دَارِ اِنْسَانٍ اَوْ بَلْدَةٍ لَا يُصِيْبُ سُكَّانَهَا
بَلَاءٌ بِبَرْكَتِهٖ وَاِنْ لَمْ يَشْعُرُوْا بِهٖ ۔

(روح البیان ص۹۳۲ ج ۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف یا عصا شریف۔ یا آپ کا دُرّہ شریف اگر کسی گنہ گار کی قبر پر رکھ کر دیا جائے تو ان کی برکات سے وہ گنہگار عذاب سے نجات پائے گا اور اگر ان میں سے کوئی چیز! کسی گھر یا شہر میں ہوگی، تو اس کے رہنے والے اس برکت سے ہر بلاء سے محفوظ رہیں گے اگرچہ انہیں اس بات کا علم بھی نہ ہو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی چیز ان کے گھر میں موجود ہے"

سبحان اللہ! کیا رحمت و برکت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک۔ عصاء مبارک، یا درّہ مبارک کی بھی برکت سے عذاب ٹل جاتا ہے بھائیو! جس کے بال شریف اور عصا شریف کی یہ شانِ برکت ہے۔ بھلا وہ خود وجود باوجود کیوں نہ دافع البلاء ہوگا۔ اور قیامت کے روز اُس وجود باجود کا سرِ انور امت کے لیئے جب سجدے میں جھک جائے گا۔ تو امت سے عذاب کیوں نہ ٹلے گا!

ناقدر شناس

حضرات! آج کل یہ بھی کہا جانے لگا ہے۔ کہ یہ برکت ورکت اور خدا کے سوا کسی دوسرے کا دافع البلاء ہونا کوئی چیز نہیں۔ کسی بال یا عصا میں یہ بات کیسے ہو سکتی ہے۔ کہ اس کے لگ جانے سے عذاب ٹل جائے۔ افسوس اس قسم کی باتیں کرنے والوں نے اس نعمتِ عظمٰے کی قدر ہی نہ جانی۔ ایک زخم پر اگر زمبک مرہم لگ جائے۔ تو زخم کے عذاب سے نجات مل جانا۔ مان لیا جائے۔ امرت دھارا پیٹ میں چلا جائے۔ تو پیٹ کے درد ، درد، اور کئی دردوں کے عذاب سے

رہا ئی تسلیم کر لی جائے۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک یا اعضاء مبارک کے قبر سے لگ جانے سے عذاب کا ٹلنا تسلیم نہ کیا جائے۔ ع

اے تجھ کو کھائے تپِ سقر تیرے دل میں کس سے بخار ہے

بھائیو! اسی طرح حضور صلی اللہ وسلم کی اتباع نہ کرنا اور حضور کے احکام اور ارشادات کی تعمیل نہ کرنا بھی بہت بڑی ناقدر شناسی ہے۔ دیکھیے اعضاء جسم ہاتھ پیر آنکھ، کان وغیرہ کا جو فانی نعمتیں ہیں۔ ہم کس طرح خیال رکھتے ہیں۔ آنکھ کو ہر تکلیف سے بچاتے اور دستانے وجرابیں پہنے رہتے ہیں۔ اور نہیں چاہتے کہ ہمارے کسی عضو کو کوئی تکلیف پہنچے۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو نعمتِ عظمےٰ اور باقی نعمت ہیں۔ ان کے ارشادات پر نہ چل کر ہم انہیں ناراض کر لیتے ہیں۔ اور ان کی مرضی کو ہم نہیں اپناتے، نماز روزہ حج وزکوٰۃ اور دیگر شرعی احکام کی تعمیل نہ کرنا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر لینا ہے۔ افسوس! ہزار بار افسوس ایسی ذہنیت پر۔ کہ آنکھ، کان۔ اور ہاتھ پیروں کی حفاظت کے لیے تو نت نئے قیمتی سامان تیار کیے جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی حفاظت تو در کنار۔ خود ان احکام میں کتر بیونیت شروع کر دی جائے۔

لطیفہ آج کل ماڈرن افراد کا جو سلوک مذہب سے ہے وہ ایک لطیفہ کے مطابق ہے ایک شخص نے شاعروں کے محلے میں مچھلی کی دکان کھلی۔ اور اس پر ایک بورڈ لکھوا کر لگایا

اس جگہ تازہ مچھلی فروخت ہوتی ہے"

ایک شاعر گاہک نے اس سے کہا "تازہ کا لفظ زائد ہے۔ سب جانتے ہیں۔ کہ مچھلی تازہ ہی فروخت ہوتی ہے۔ دکان دار نے گاہک کا مشورہ مان کر تازہ کا لفظ مٹا دیا۔ دوسرے دن ایک دوسرا شاعر گاہک آیا اور کہنے لگا اس عبارت میں "اس جگہ" زائد ہے سب جانتے ہیں۔ کہ مچھلی اس جگہ فروخت ہوتی

ہے۔ لہذا،، اس جگہ،، کو مٹا دو۔ دوکاندار نے یہ لفظ بھی مٹا دیا۔ تیسرے روز ایک نیا شاعر آیا۔ اور مچھلی خریدتے وقت بولا۔ لفظ،، فروخت،، زاید ہے۔ سب لوگوں کو معلوم ہے۔ کہ اس جگہ مچھلی فروخت ہی ہوتی ہے۔ نہ کہ خیرات دی جاتی ہے۔ لہذا فروخت کو مٹا دو، دوکاندار نے،، فروخت بھی مٹا دیا۔ بورڈ پر اب صرف ،،مچھلی،، لکھارہ گیا۔ چوتھے دن ایک اور شاعر آیا۔ اور بولا لفظ مچھلی،، غیر ضروری ہے مچھلی کی بوُ سب کو بتا دیتی ہے۔ کہ یہاں پر مچھلی،، بھی مٹا دیا۔ اور اب وہاں صرف ایک خالی بورڈ رکھا تھا۔ اور کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ کہ یہاں کیا بکتا ہے۔

بھائیو! کچھ اسی طرح اُن ماڈرن مسلمانوں کا بھی حال ہے ــــ جو،، اسلامی بورڈ،، کو دیکھ کر اپنی اپنی ترمیمیں پیش کر رہے ہیں۔ کسی کو داڑھی زاید نظر آرہی ہے کوئی نماز روزہ اور زکوٰۃ کو ضروری بتا ہے۔ اور کوئی صدقہ وخیرات کو بیکار کہہ رہا ہے۔ اور کوئی حج وقربانی کو اسراف وفضول بتا کر اُسے کھرچ ڈالنے کی تلقین کر رہا ہے ظاہر ہے کہ ان روشن خیالوں اور تہذیب نَو کی غزل کے شاعروں کے مشوروں پر عمل کرنے سے نتیجہ یہی نکلے گا۔ کہ یہ صاحب ہیں کون؟ میں نے لکھا ہے کہ ؎

نئی تہذیب کے کھائے جو جھٹکے
رہِ حق سے رہے ہر وقت بھٹکے
رہے پورے نہ اب ارکانِ دین بھی
ہوا مذہب بھی ٹیڈی اب تو کھٹ کے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اللہ کی سب۔ نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ جس قدر اللہ کی نعمتیں ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے صدقہ میں ہیں حضور کی ذاتِ گرامی اگر نہ ہوتی۔ تو کچھ بھی نہ ہوتا ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو۔
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے۔

قاسمِ نِعَم حضرات! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی نعمتِ عظمیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں آپ ہی کے ہاتھوں ملتی ہیں۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کے حضور ہی قاسم ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۲)

سوائے اس کے نہیں کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ اور اللہ دینے والا ہے"

یعنی اللہ کی عطاؤں اور نعمتوں کا تقسیم کرنے والا ہوں"

بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قاسم ہونے کو کسی خاص چیز سے مقید کر کے نہیں فرمایا۔ کہ فلاں چیز کا میں قاسم ہوں۔ اور فلاں کا نہیں۔ بلکہ آپ نے کسی زمانے یا وقت یا کسی اور چیز کی قید کے بغیر علی الاطلاق فرمایا۔ کہ خدا تعالیٰ ہر نعمت کا دینے والا ہے۔ اور تقسیم کرنے والا اُس کا میں ہوں۔ گویا ہر وہ نعمت جو خدا عطا فرماتا ہے۔ اس کی تقسیم میرے ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی بھی نعمتیں ہیں اِن کا دینے والا خدا ہی ہے۔ پس جتنی بھی نعمتیں ہیں۔ ان کی تقسیم کرنے والے حضور ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر حضور کی تقسیم کو کسی خاص چیز سے مقید مانا جائے گا۔ تو پھر ساتھ ہی ساتھ اللہ کی عطا کو بھی مقید ماننا پڑے گا۔ افسوس کہ بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کو محدود فی العلم بتانے لگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔ کہ یہ تقسیم صرف علم کے لیے ہے۔ یعنی حضور علم و فہم ہی تقسیم فرماتے ہیں۔ بھائیو! اگر اس تحدید کو مان لیا جائے تو پھر اسی حدیث کے مطابق خدا کی عطا کو بھی محدود فی العلم ماننا پڑے گا اور یہ ماننا پڑے گا۔ کہ خدا بھی صرف علم ہی دیتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اور اگر یہ بات صحیح نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے۔ کہ خدا سب کچھ دیتا ہے تو پھر یہ بات بھی صحیح ہے۔ کہ حضور سب کچھ تقسیم فرماتے ہیں"

بھائیو! خوب یاد رکھو۔ خدا تعالیٰ کی شان و عظمت کا ظہور حضور ہی کے ذریعے

ہوتا ہے حضور نبی اللہ علیہ وسلم کو جو اوصاف وکمالات خدا نے عطا فرمائے ہیں۔ ان پر ایمان لانا خدا پر ایمان لانا ہے۔ اور ان کے انکار سے خدا کا انکار لازم آتا ہے۔ اور بقول اعلیٰ حضرت ؎

منکر اُن سے کیا پھرا اللہ ہی سے وہ پھر گیا

ایسا شخص خدا تعالیٰ سے بھی بے تعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قاسم نِعَم نہ ماننے کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی عطاءِ نِعَم کا بھی انکار آتا ہے۔ لہٰذا میرے بزرگو! خدا کی عظمتِ حقیقی کو ماننا ہے۔ تو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا داد عظمت کو پہلے مانیئے۔ ورنہ صورت یہ بن جائے گی۔ کہ ؎

اف اے منکر یہ بڑھا جوشِ تعصب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کمبخت کے ایمان گیا

محبّ و محبوب

حضرات! خدا تعالیٰ کو اپنے محبوب سے اتنا پیار ہے کہ اس نے اپنے ذکر میں اپنے محبوب کو ہر مقام پر اپنے ساتھ رکھا ہے۔ اور اپنے محبوب سے اس نے وعدہ فرما لیا ہے۔ کہ

اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ ۔ (مواہب لدنیہ ص۲۰۶ ج۲)

جب میں ذکر کیا جاؤں۔ تو تو بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

یعنی میرا ذکر کرنے والا تیرا ذکر بھی میرے ساتھ کرے گا۔ جو شخص تیرا ذکر نہ کرے گا۔ وہ میرا ہزار بار ذکر کرے۔ اس کا ایسا ذکر ہرگز قبول نہ ہوگا۔

بھائیو! اس وعدۂ حق کے مطابق دیکھ لو۔ کوئی بھی تو ایسا مقام نہیں۔ جہاں ذکرِ خدا ہو۔ اور ذکرِ مصطفےٰ نہ ہو۔ کلمہ شریف پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ توحیدِ خدا کے ساتھ ہی۔ رسالتِ مصطفےٰ کا بھی ذکر ہے۔ مؤذن کی اذانوں میں۔ خطیب کے بیانوں میں۔ دعاؤں اور التجاؤں میں۔ الغرض ہر جگہ، اور ہر مقام میں ذکرِ خدا کے ساتھ ساتھ ذکرِ مصطفےٰ موجود ہے۔ اسی طرح جہاں نامِ خدا مکتوب ہو۔ وہاں

اسم مصطفےٰ بھی مکتوب نظر آتا ہے۔ مسجدوں میں یا اللہ اگر لکھا ہوتا ہے۔ تو یا محمد بھی لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اور پھر خدا کا اپنے محبوب سے پیار دیکھیئے کہ اگر کسی نے یا محمد میں سے حرف ،،یا،، کو الگ کر کے صرف محمد،، لکھا ہے۔ تو خدا نے اپنے نام کے ساتھ بھی حرف ،،یا،، نہیں رہنے دیا۔ یعنی صرف ،، محمد،، لکھنے والے ،، اللہ،، کا نام لکھیں گے۔ تو وہ بھی بغیر ،، یا،، لکھیں گے۔ آپ یہ کہیں نہ دیکھا ہو گا۔ کہ حضور کا نام تو بغیر یا کے لکھا ہو۔ اور اللہ کا نام ،،یا،، کے ساتھ لکھا ہو۔ نہیں۔ بلکہ اگر حرف یا ہو گا۔ تو تعجب تو محب و محبوب دونوں کے ناموں کے ساتھ۔ اور اگر نہیں تو دونوں ناموں کے ساتھ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی ہمہ گیری اور رفعت کا یہ عالم ہے کہ شہروں۔ آبادیوں، جنگلوں، اور صحراؤں میں بھی اس نام پاک کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ کسی کی مجال نہیں۔ کہ اس ذکرِ پاک کو اپنی مسجدوں سے کھرچا مٹا سکے۔ بعض لوگ اس نام پاک کو اپنی مسجدوں سے کھرچا۔ تو یہ نام پاک دو کانوں۔ گھروں اور بسوں تک میں لکھا نظر آئے گا

لطیفہ ایک صاحب جو ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کے مخالف تھے۔ جس میں یا اللہ۔ یا محمد لکھا ہو۔ ایک ایسی بس میں سفر کر رہے تھے۔ جس کے اندر سامنے کے حصّے پر نمایاں حروف میں لکھا تھا۔

یَا اَللّٰہُ ——— یَا مُحَمَّد

ایک واقف حال نے ان سے کہا۔ کہ جناب! آپ کو تو ایسی بس میں سفر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جس میں یا اللہ، یا محمدؐ۔ لکھا ہوا ہے۔ وہ صاحب جواب کیا دیتے۔ کھسیانے سے ہو کر خاموش رہ گئے۔

یَارَحْمٰنُ۔ یَارَحِیْمُ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ حرف ،،یا،، نہ لکھنے والوں کی ایک مسجد میں یا رحمٰن۔ یا رحیم لکھا دیکھا۔ تو میں نے جمعہ کے ایک بیان میں کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی

قدرت اور اپنے محبوب سے محبت کا کرشمہ دیکھئے۔ کہ منکرین سے بھی اپنے محبوب کے نام کے ساتھ حرف "یا" لکھوا ڈالا۔ اور وہ اس طرح کہ خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کا نام رؤف و رحیم بھی رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

دیکھ لیجئے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کو رؤف بھی فرمایا ہے۔ اور رحیم بھی۔ گویا حضور رحیم بھی ہیں۔ تو منکرین سے خدا تعالیٰ نے اپنے نام رحمٰن" کے ساتھ یا لکھوا کر پھر اپنے محبوب کا نام۔ رحیم بھی "یا" کے ساتھ لکھوایا۔ اور انہیں پتہ بھی نہ چلنے دیا کہ ہم جن کے ساتھ "یا" لکھنے کے روادار نہیں۔ قدرت نے اپنی انہی کے ایک دوسرے نام کے ساتھ یہ حرف "یا" لکھوا کر بتایا ہے کہ ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

ابوالقاسم ہاں تو بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قاسم ہیں۔ اور اللہ کی ہر نعمت کے قاسم ہیں۔ حتیٰ کہ آپ جنت کے بھی قاسم ہیں۔ چنانچہ محدثین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ جو کنیت ابوالقاسم ہے۔ اس لیئے ہے۔ کہ حضور کے بڑے صاحبزادے نام قاسم تھا۔ اس لیئے بھی کہ۔

لِاَنَّهٗ يُقَسِّمُ الْجَنَّةَ بَيْنَ اَهْلِهَا۔

کیونکہ آپ جنتیوں میں جنت تقسیم فرمانے والے ہیں۔

(طحطاوی علی المراقی ص۶)

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی جملہ نعمتوں کے حتیٰ کہ جنت کے بھی قاسم ہیں۔ بھائیو! پھر کیوں نہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہوں خوب فرمایا اعلیٰ حضرت نے ؎

اُدرَبِ العرش جس کو ملا اُن سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمتِ رسول اللہ کی
وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

حضرات! اپنا ایمان رکھیئے۔ کہ ہمارے حضور اللہ کی نعمتوں کے قاسم ہیں۔ ہمیں حضور سے سب کچھ ملا۔ اور ملتا ہے۔ وہ کیا ہے۔ جو درِ مصطفٰے سے نہیں ملتا ے

کس چیز کی کمی ہے مولا تری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبےٰ تیری گلی میں

قوتِ حافظہ

آیئے چند ایک احادیث آپ کو سناؤں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ یارسول اللہ مجھے نسیان کی شکایت ہے۔ آپ سے حدیثیں سنتا ہوں۔ اور بھول جاتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ اپنی چادر بچھاؤ۔ میں نے چادر بچھادی۔ تو۔

نَغَرَفَ بِیَدَیْہِ فِیْہِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّہُ

حضور نے دونوں ہاتھوں سے اس میں کچھ ڈال دیا۔ اور فرمایا اب اس چادر کو سینے سے لگالو۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے اس چادر کو اپنے سینے سے لگالیا۔

فَمَا نَسِیْتُ حَدِیْثًا بَعْدَہٗ ۔ (بخاری شریف صفحہ ۲۲ ج ۱، حجۃ اللہ صفحہ ۴۳)

پھر میں کبھی کوئی حدیث نہیں بھولا۔

سبحان اللہ! کیا شانِ کرم وعطا ہے۔ کہ قوتِ حافظہ جو ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ کو عطا فرمادی۔ بظاہر دیکھنے میں حضور نے اپنے خالی ہاتھوں سے چادر میں کچھ ڈالا۔ مگر حقیقت میں نعمتِ حافظہ نعمت بخش ہاتھوں سے عطا فرمادی۔ ے

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

دولتِ عقل اور سنیئے۔ ایک صحابی کا بیٹا دیوانہ ہو گیا۔ وہ اُسے لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَدَعَالَهُ فَلَمْ يَكُنْ فِي الْوَفْدِ اَحَدٌ بَعْدَ دَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْقَلُ مِنْهُ۔

تو حضور نے اس کے منہ پر ہاتھ مبارک پھیرا۔ اور دعا کی تو اس لڑکے میں اتنی عقل پیدا ہو گئی۔ کہ سارے وفد میں اس سے زیادہ عقلمند کوئی نہ تھا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۲۹)

کروڑوں درُود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جن سے نعمتِ عقل بھی ملتی ہے پھر کتنے بے عقل ہیں وہ جنہوں نے عمر بھر کبھی کوئی عقل کی بات نہ کی ہو۔ اور مثل بننے لگتے ہیں اُس ذاتِ والاصفات کے جن کے ہاتھ مبارک سے عقل بھی ملتی ہے۔"

دولتِ شباب ایک اور حدیث سنیئے۔ حضرت مالک بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ رحمت کے پھرنے سے حضرت مالک نے عمر بہت طویل پائی۔ حتیٰ کہ آپ کے سارے بال سفید ہو گئے۔ لیکن۔

مَا شَابَ مَوْضَعُ يَدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

سر اور داڑھی کے جس حصّہ پر حضور کا ہاتھ مبارک پھرا تھا۔ اتنا حصّہ سفیدی سے محفوظ رہا۔ اور وہ سیاہ ہی رہا۔

(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۲۷)

سبحان اللہ! کیا شان ہے۔ ان مبارک ہاتھوں کی۔ کہ ان سے دولتِ شباب

بھی ملتی ہے۔ میرے بھائیو! یہ حضور کے ہاتھ ہیں، کہ قوتِ حافظہ سے محروم کے لیئے اٹھیں۔ تو نعمتِ حافظہ عطا کردیں، دیوانے کے منہ پر پھریں۔ تو اُسے نعمتِ عقل مل جائے۔ اور بوڑھے کے سر پر پھریں۔ تو دولتِ شباب مل جائے۔ اور ایک آج کل کے ہاتھ بھی ہیں۔ جس کی جیب سے لگ جائیں۔ وہ جیب خالی ہو جائے ایسے ہاتھوں والے اگر انبیاء کرام کی مثل بننے لگیں۔ تو کس قدر ظلم کی بات ہے"

ہاں تو بھائیو! میں کہہ یہ رہا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اللہ کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اور آیت کریمہ جو میں نے ابتداءِ خطاب میں پڑھی ہے۔ اس میں خدا کا ارشاد یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔ اس ارشاد کے مطابق ذکرِ مصطفےٰ مسلمانوں کے لیئے ضروری ہے۔ یاد رکھیئے ذکرِ مصطفےٰ ایک ایسی ذی عظمت چیز ہے کہ خود خدا تعالیٰ بھی ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتا ہے۔ روزِ ازل میں اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کے مطابق نبیوں کی محفل میں خدا تعالیٰ نے حضور کا ذکر فرمایا۔ انبیاء کرام علیہم السّلام ہمارے حضور کا ذکر فرماتے رہے ہے۔ اور اپنی اپنی امتوں کو حضور کے اوصاف و کمالات سناتے رہے ہے"، صحابہ کرام کا بھی دن رات کا یہی شغل مبارک تھا۔ پھر آج ہم غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ حضور کا ذکرِ خیر سنیں سنائیں۔ اور آپ کے فیوض و برکات اور فضائل و کمالات کا چرچا کریں۔

جلسہ و جلوس

بھائیو! جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ ہمارے حضور اللہ کی سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہیں۔ اور نعمت کے لیئے خدا کا ارشاد ہے۔ کہ میری نعمتوں کا ذکر کرو۔ تو ہم جو ماہِ ربیع الاول شریف میں جلوس نکالتے اور محافل میلاد کا انعقاد کرتے ہیں وہ اسی ذکرِ مصطفےٰ کے لیئے۔ جلوس میلاد شریف یا جلسۂ میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے۔؟... یہی ذکرِ مصطفےٰ۔ نعرہائے رسالت کی گونج درود پاک کے نغمات۔ حضور کی نعتوں کی بہتات۔ سیرت نبوی کے بیانات اور حضور کے فیوض و برکات اور آپ کے فضائل و کمالات پر مشتمل مواعظ و تقاریر۔

یہ سب کچھ ذکرِ مصطفےٰ نہیں تو اور کیا ہے؟۔ غور فرمایئے۔ کہ اس ذکر مصطفےٰ پر مشتمل جلسہ و جلوس میں کون سی ایسی بات ہے جس سے یہ تقاریب ناجائز ہو جائیں ہاں اس بات کو بڑا اچھالا جاتا ہے۔ کہ صاحب! دیکھئے جلوس میں بعض شرعی حرکات ہوتی ہیں۔ باجے بجتے ہیں۔ گانے گائے جاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ـــــ میرے بھائیو جو بات غیر شرعی ہے۔ وہ واقعی ناجائز ہے۔ اگر جلوس میں باجے واجے کوئی بجاتا ہے۔ تو بُرا کرتا ہے۔ ہمارے علماء ہر سال ایسی غیر شرعی حرکتوں سے باز رہنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ اصول بھی تو کوئی اصول نہیں۔ کہ کسی جائز چیز کو صرف اس لیئے ناجائز قرار دے دیا جائے کہ فلاں شخص نے اس میں یہ غیر شرعی حرکت کی تھی۔ آپ اس ناجائز چیز کو منع کیجئے۔ نہ کہ صرف اس تقریب ہی کو مٹا دیا جائے۔ نکاح کرنا سنت ہے لیکن تقریبِ نکاح میں اگر کوئی باجے بجائے۔ تو کیا آپ تقریبِ نکاح ہی کو بدعت قرار دے دیں گے۔ یا صرف باجوں کو روکیں گے؟ ظاہر ہے کہ صرف باجوں کو روکیں گے۔ تقریب نکاح کے خلاف کچھ نہ کہیں گے۔ مگر تعجب کی بات ہے۔ کہ جلوسِ میلاد شریف میں کوئی نا عاقبت اندیش غیر شرعی حرکت کر دے۔ تو جلوس ہی کو بدعت قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا تو معنی یہ ہوا۔ کہ سر میں اگر درد ہو تو درد کا علاج نہیں کرنا چاہیے بلکہ سر ہی کو اڑا دینا چاہیئے۔

چرچا

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نعمت ثابت ہو جانے کے بعد اب ایک دوسری آیت کریمہ بھی سنیئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔

اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو

بھائیو! اس ارشاد کے مطابق بھی جلسہ و جلوس، میلاد شریف خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ کیونکہ اس ارشاد کے مطابق جلوس میلاد شریف میں اور جلسۂ میلاد شریف میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت کا خوب چرچا کیا جاتا ہے۔"

اعتراض اور اگر اس ہیئت اور طرز پر اعتراض ہو۔ کہ جس طرز پر یہ چرچا کیا جاتا ہے۔ اس ہیئت کا پہلے زمانہ میں نہیں ملتا۔ تو میری گذارش ہے۔ کہ اصل جب ثابت ہو تو اس کی کوئی بھی طرز اور ہیئت ہو۔ جب تک وہ طرز و ہیئت کسی شرعی ممانعت کی زد میں نہ آئے۔ جائز ہے ورنہ آج کل کے مذہبی جلسے صبح کے درسہائے قرآن۔ تبلیغی انجمنیں، اور قرآن ان کے قواعد و ضوابط، اور ان پر عمل کرنے کو ضروری بتانا سب کچھ ناجائز ہو جائے گا۔ لیکن ان امور کو سب جائز بلکہ موجب اجر و ثواب بتاتے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیئے کہ سب دین کی تبلیغ کی صورتیں ہیں۔ تبلیغ اصل ہے اور وہ ثابت ہے۔ اب اس تبلیغ کو زمانہ کے حالات کے مطابق کسی طرز اور ہیئت سے بھی کیجیئے۔ جائز ہے۔ یہ ہر روز فجر کی نماز کے بعد درسِ قرآن دینا اور آدھ گھنٹہ یا کم و بیش وقت کا تقریر پہلے زمانہ میں کہاں ثابت ہے؟ لیکن جائز اس لیے ہے۔ کہ اصل تبلیغِ دین ہے۔ کسی طرز سے بھی کیجیئے۔ جائز ہے۔ درسِ قرآن کی شکل میں ہو یا سالانہ جلسے کی شکل میں ہر طرح جائز ہے۔ اسی طرح اصل تعظیم رسول ذکر حبیب اور تحدیثِ نعمت ہے۔ اب زمانہ کے حالات کے مطابق کسی طرز و صورت میں کیجیئے۔ جائز ہے۔ جلوس کی شکل میں یا جلسہ کی شکل میں ہر طرح جائز ہے"۔

استنِ حنانہ ہاں تو میرے بزرگو۔ اور دوستو! ذکر مصطفٰے کرو۔ سنو اور سناؤ۔ اور اس نعمتِ عظمٰے کا خوب چرچا کرو اور سوچو۔ کہ اتنی بڑی نعمت جو اللہ نے ہمیں دی ہے۔ ہمارے لیئے اس نعمت کا پہچاننا، اور اس قدر کرنا کس قدر لازم، اور ضروری ہے۔ میرے بھائیو! اس نعمت کی قدر اگر نہ کی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اگر ہم نے پیروی نہ کی۔ تو ہم سے زیادہ ناقدر شناس اور بدنصیب اور کوئی نہ ہو گا یہ حقیقت ہے کہ اس نعمتِ عظمٰے کو غافل انسانوں کے سوا دنیا کی ہر چیز نے

پہچانا اور اس سے محبت کی۔

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے استنِ حنانہ کا واقعہ لکھا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں ایک مسجد بنوائی جس میں کھجور کی سوکھی لکڑیوں کے ستون کھڑے کر کے اوپر کھجور کی شاخوں ہی کا سائبان بنایا تھا۔ جب کبھی آپ وعظ فرمانے کے لیے اس مسجد میں کھڑے ہوتے۔ تو کھجور کی لکڑی کے ستون سے کمر مبارک لگا لیا کرتے تھے۔ جب نمازی بڑھ گئے۔ اور ضرورت ہوئی کہ حضور اونچی جگہ کھڑے ہو کر وعظ فرمائیں۔ تاکہ سب کو آواز پہنچے۔ اس لیے ایک منبر بنوایا گیا۔ جب آپ پہلے پہل منبر پر چڑھے تمام مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے واعظ فرمانا شروع کر دیا کہ اتنے میں ایک ایسی آواز آنے لگی۔ جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہے۔ سب نمازی حیران تھے کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور جس ستون سے کمر مبارک لگا کر آپ وعظ فرمایا کرتے تھے اُسے سینہ سے لگا لیا۔ وہ رونے کی آواز اس کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دلاسہ دیا۔ اور فرمایا۔

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون
گفت جانم در فراقت گشت خون
مسندت من بودم از من تافتی
بر سر منبر تو مسند ساختی

ستون نے کہا۔ یا رسول اللہ! آپ کی جدائی میں میری جان کا خون ہو رہا ہے پہلے آپ مجھ سے تکیہ لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اب میں اس دولت سے محروم ہو گیا۔ آپ نے منبر پر اپنی مسند بنا لی۔ اور مجھ سے آپ جدا ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ منبر کا ہونا ضروری ہے۔ اب تو بتا۔ کہ تیری اس محبت کے بدلہ میں ہم تجھے کیا عطا فرمائیں؟

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

گرتو میخواہی ترا نخلے کنند
شرقی وغربی زتو میوہ چنند

اگر تم چاہو۔ تو تجھ کو ابھی ہرا درخت بنادیں۔ کہ قیامت تک ہر طرف سے آنے والے تبرک کے طور پر تیرا میوہ کھایا کریں۔

اور اگر چاہو۔ تو تجھے جنت کا درخت بنادیں۔ اور جنت میں پہنچادیں۔ ستون نے عرض کیا۔ حضور! مجھے جنت میں پہنچادیں۔ میں وہ بات چاہتا ہوں۔ جو ہمیشہ رہے چنانچہ اس ستون کو مردہ آدمیوں کی طرح زمین میں دفن کردیا گیا۔ تاکہ قیامت کے دن وہ بھی مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ اُٹھے۔ اور جنت میں داخل ہو۔

مولانا رومی یہ واقعہ درج کرکے لکھتے ہیں۔ کہ ایک خشک لکڑی کو دیکھئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھتی ہے۔ اور آپ کی جدائی میں رونے لگتی ہے اور حضور کی معیت چاہتی ہے ... پھر انسان اگر انسان ہوکر حضور سے محبت نہ رکھے تو اس کی برائے نام انسانیت تو لکڑی سے بھی کم ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں حضور کی محبت میں زندہ رکھے اور آپ ہی کی محبت ہی میں ہمارا خاتمہ ہو!

(آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ





دسواں خطاب (۱۰)

رسول الانس و الجن

صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

نَاعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ
الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا
یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ وَ
لَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝

(پ ۲۹ ۔ ع ۱۱)

(ترجمہ) تم فرماؤ۔ مجھے وحی ہوئی۔ کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا تو بولے۔ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا۔ کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے۔ اور ہم ہرگز اپنے رب کا شریک نہ کریں گے۔

حضرات! آج مجھے اپنے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیری رسالت کے سلسلہ میں یہ خطاب کرنا ہے۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر انسانوں کی ہدایت کے لیئے بھی تشریف لائے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول الانس والجن ہیں۔ یعنی آپ کی رسالت انسانوں اور جنوں سب کے لیئے عام ہے۔ یہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو امتیاز حاصل ہے۔ کہ آپ دونوں عالم کے رسول اور خدا کی ساری مخلوق کے آقا و مولیٰ ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:۔

اِنِّیْ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّۃً (مشکوٰۃ شریف ص۵۰۲)

یعنی میں ساری مخلوق کا رسول ہوں

یہ جو میں نے آیت کریمہ پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اور ایمان لانے کے بعد وہ مبلغ اسلام بن کر جنوں میں تبلیغ اسلام کرنے لگے۔

جن حضرات! جس طرح انسانوں کا وجود ہے۔ اسی طرح جنوں کا وجود ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ عربی زبان میں جس لفظ میں جیم نون جمع ہوتے ہیں۔ اس میں پوشیدگی کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔ دل چونکہ مخفی رازوں کا خزانہ ہے۔ اور دل کی بات ظاہر ہوتی ہے۔ پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس لئے عربی زبان میں دل کو ،،جنان،، کہتے ہیں اسی طرح زبان میں ڈھال کو ،،جُنّہ،، کہتے ہیں۔ کیونکہ ڈھال کی آڑ میں آدمی چھپتا ہے۔ اور ڈھال سے آدمی آڑ میں آجاتا ہے۔ یونہی دیوانگی چونکہ عقل کو پوشیدہ کر دیتی ہے۔ اس لیئے عربی زبان میں جنون،، کہتے ہیں

ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہو۔ چونکہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اُسے عربی میں جنین کہا جاتا ہے۔ باغ اپنے پتوں اور درختوں سے زمین کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس لیے عربی زبان میں جنت کہا جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے ان سب لفظوں میں جیم اور نون موجود ہے۔ گویا عربی کے جس لفظ میں جیم اور نون جمع ہوں گے۔ اس میں پوشیدگی اور نظر نہ آنے کی حقیقت موجود ہے۔ لفظ "جن" بھی اسی قبیل سے ہے کہ یہ مخلوق چونکہ نظر نہیں آتی۔ اس لیے اُسے جن کہا جاتا ہے۔ اور بھائیو! جب قرآن پاک سے اس مخلوق کا وجود ثابت ہے۔ تو پھر ایک مسلمان کے لیے کوئی وجہ نہیں۔ کہ خوا مخواہ اس کا انکار کرے۔ اور طرح طرح کی تاویلیں کرتا پھرے۔ اور اپنی محدود عقل، اور ناپائیدار فلسفہ کے ڈھکوسلوں سے یوں کہے کہ "جن" کوئی مخلوق نہیں اور ایک یہ تو ایک جنگلی قوم کا نام ہے۔ جو پہاڑوں میں رہنے کے باعث لوگوں سے مخفی رہتی ہے۔ اس لیے اسے جن کہا گیا ہے۔ میرے بھائیو! اس قسم کی خود ساختہ اور اور رکیک تاویلات سے قرآن پاک کی متعدد آیات کا انکار لازم آتا ہے قرآن پاک میں دیگر آیات کے علاوہ صاف صاف یہ بھی فرمایا گیا ہے۔ کہ

خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۔

اور جن کو شعلہ مارنے والی ہے آگ سے بنایا

دیکھ لیجئے۔ اس آیت شریفہ میں خدا تعالیٰ نے انسان کے مقابلہ میں ایک دوسری قوم کی خلقت کا بیان فرمایا ہے۔ اس آیت سے پہلے یوں فرمایا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

یعنی انسان کو تو کھری مٹی سے پیدا کیا۔ اور پھر آگے فرمایا کہ جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا۔ معلوم ہوا۔ کہ وہ یہ دونوں الگ الگ مخلوق ہیں۔ اور جن کوئی مخلوق نہیں، جو پہاڑوں میں رہنے والی ایک قوم تھی۔ بلکہ یہ دوسری ہی مخلوق ہے۔ جو آگ سے پیدا کئی ہے۔ اور آگ میں چونکہ لطافت ہوتی ہے۔ اس لیے جن اپنے لطیف مادہ کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع

ہے۔ اس نے جہاں پانی اور مٹی سے مخلوق بنائی ہے وہاں اس نے اجسام غیر محسوسہ اور نظر نہ آنے والے عناصر سے بھی مخلوق پیدا فرمائی ہے۔ اور چونکہ اجسام لطیفہ میں بہ نسبت اجسام کثیفہ کے طاقت واستحکام زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیئے ایسی مخلوق قوی اور دیر پا بھی ہوتی ہے

چنانچہ ہوا۔ بجلی وغیرہ کو دیکھئے۔ اس میں طاقت بھی زیادہ ہے اور سرعت سیر بھی زیادہ۔ ہوا۔ اور بجلی اپنی لطافت کی وجہ سے آناً فاناً دور پہنچ جاتی ہے یہ وائرلیس۔ ریڈیو۔ ٹیلیفون اور دیگر آلات اسی بجلی کی لطافت کے باعث، ہماری آوازوں کو بھی دور دور تک پہنچا دیتے ہیں۔ جنّ چونکہ آگ سے بنائے گئے ہیں۔ اس لیئے ان میں بہ نسبت خاکی مخلوق کے قوت بھی زیادہ ہوتی ہے اور عمریں بھی طویل۔ الغرض جنّ ایک مخلوق ہے۔ اور ان کا نظر نہ آنا ان کی لطافت کے باعث ہے۔ میں نے جو آیت کریمہ پڑھی ہے۔ اس میں جنوّں ہی کا بیان ہے۔ اور اس وجہ سے اس سورۃ کا نام بھی سورۃ جن ہے۔

شانِ نزول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے قبل جنوّں اور شیطانوں نے آسمان کے قریب اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے۔ وہاں پہنچ کر آسمانی باتیں فرشتوں سے سن کر آیا کرتے تھے اور ان باتوں میں بہت سا جھوٹ بھی ملا کر کاہنوں سے کہا کرتے تھے۔ کاہن ان باتوں کو اپنی پیش گوئیوں کے رنگ میں بیان کر کے اپنا سکہ جماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے جب نبوت سے سرفراز فرمایا۔ تو دفعتہً سارے جنوّں اور شیاطین کو آسمان سے روک دیا گیا پھر کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ کوئی آسمان کے قریب جا سکے اور اگر کوئی گیا۔ تو آسمان کے ستاروں سے ان پر آگ کے شعلے مارے گئے اور یہ ستارے گویا ان کے لیئے آتش برسانے والے ٹینک بن کر ان کا پیچھا کرنے لگے ایک دن جن اور شیاطین ابلیس کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ سبب کیا ہے جو ہم اب آسمان پر نہیں جا سکتے۔ اور اگر کوئی گیا بھی۔ تو اس پر آگ کے شعلے مارے گئے

ابلیس نے کہا۔ کہ ضرور کوئی نہ کوئی نیا حادثہ زمین پر ہوا ہے۔ اب تم تمام روئے زمین پر اس کے مشرق و مغرب میں، ایک ایک گاؤں،، ایک ایک شہر، ہر ایک آبادی میں پھر جاؤ اور دیکھو کہ کس جگہ کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم آسمان پر جائیں۔ تو ہم پر یہ ستارے آگ بن کر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ چنانچہ یہ جن اور شیاطین روئے زمین پر بکھر گئے۔ اور تجسس کرنے لگے۔ کہ زمین پر کہاں کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جب یہ مکہ مکرمہ کی طرف آئے۔ تو حجاز کے میدان میں عکاظہ بازار کے قریب کھجوروں کے درختوں کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نماز فجر ادا فرما رہے تھے۔ اور حضور صلی اللہ وسلم جماعت کرا رہے تھے۔

حضرات! ذرا غور فرمائیے۔ کہ آج اس گئے گزرے دور میں بھی کوئی قرآن پاک پڑھنے والا ہو۔ اور وہ قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ تو کس قدر کیف و سرور اور روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ روح وجد میں آجاتی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا شاہی مسجد لاہور میں مختلف ممالک کے قاریوں نے قرآن پاک تلاوت کی۔ ایک لاکھ سے زائد اجتماع تھا۔ اور قاریوں کی قرأت پر سارا مجمع جھوم رہا تھا۔ اور ریڈیو پر جہاں بھی کسی نے اس تلاوت قرآن کو سنا۔ وہیں اس کی رُوح وجد میں آگئی۔

بھائیو! یہ حقیقت ہے۔ کہ جو لذت و سرور قرآن پاک میں ہے۔ کسی کلام میں نہیں۔ سننے والا ترجمہ نہ بھی جانتا ہو۔ تو بھی اس پر کیف کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ آج کل کے مسلمانوں میں سے ہیں۔ اب ذرا تصور کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں اور اس تلاوت کا جو ذرا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ۔ کلام ہو خدا کا اور زبان مبارک ہو مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور خود فرماتے ہیں تو فیصلہ فرمالیجئے۔ کہ کس قدر اثر ہوتا ہے اس تلاوتِ حضور کا۔

اللہ اکبر! کوئی بیان کر سکتا۔ کہ وہ کیا سماں ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن پڑھا جاتا ہوگا تو وہ اپنا کیا اثر دکھاتا۔ بھائیو! کافر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن پاک نہیں سُنا

چاہتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی سننے سے روکتے تھے۔ اسی لئے کہ وہ تلاوت پاک دلوں میں اتر جاتی اور قلعہ ہائے کفر پاش پاش کر دیتی تھی۔ اسی لیئے کافروں کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ٥ (پ۲۴، ع۱۸)

اور کافر بولے کہ یہ قرآن نہ سنو۔ اور اس میں بے ہودہ غل کرو۔ شاید یونہی غالب آؤ۔

کافر یہ چاہتے تھے۔ کہ شور مچے۔ اور کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت نہ سن لے۔ چنانچہ ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن پڑھیں۔ تو زور زور سے شور مچاؤ۔ اور خوب چلاؤ۔ اور اونچی اونچی آوازیں نکال کر چیخو۔ بے معنی کلمات سے شور کرو اور تالیاں اور سیٹیاں بجاؤ۔ تاکہ کوئی قرآن کی تلاوت سننے نہ پائے۔ بھائیو! یہ تاثیر قرأتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کافر ایسا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سن کر وہ بے اختیار متاثر ہو کر اپنی کج فہمی اور ازلی بدبختی کے باعث اُسے سحر اور جادو کا نام دیتے تھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب خود تلاوت فرماتے تھے۔ تو فرش و عرش جھوم جھوم جاتا تھا۔ اور دلوں پر بے پناہ اثر ہوتا تھا! ان جنوں نے بھی یہ قرأت سن لی۔ اور کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو یہی بات ہے۔ جس کے سبب ہم آسمان پر جانے سے روک دیئے گئے اور پھر وہیں کھڑے کھڑے مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ کتب تفاسیر میں موجود ہے اور بخاری شریف ص۲۲، جلد۲ پر بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ صاحب علم التنزیل لکھتے ہیں۔

اَمَرَهُمْ اَنْ يُّنْذِرُوا الْجِنَّ وَيَدْعُوْهُمْ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَيَقْرَؤُا عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنَ ط

یعنی حضور صلی علیہ وسلم نے پھر انہیں اس بات پر مامور فرمادیا کہ وہ جنہوں کو جاکر ڈرائیں۔ اور اللہ کی طرف ان کو بلائیں۔ اور ان کو قرآن سنائیں چنانچہ یہ آئے تھے۔ شیطان کے لیے مخبری کرنے کے لیئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت نے وہ اثر دکھایا۔ کہ مسلمان ہو گئے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اپنی قوم کے ہادی اور مبلغ بن کر گئے۔

سعید فطرت

حضرات! سورہ جن سے پہلے سورہ نوح ہے، سورہ نوح میں یہ بات بتلائی گئی تھی۔ کہ نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس وعظ کیا۔ مگر چند اشخاص کے سوا اس شقی قوم نے نہ مانا۔ آخر ہلاک ہوئی اب اے قریش! تم جو نہیں مانتے اور انکار کرتے ہو۔ تو یہ ہمارے محبوب کی تعلیم کا قصور نہیں بلکہ تمہاری فطرت ہی سعید نہیں اور تمہاری استعداد میں فتور ورنہ جن کی فطرت سعید تھی۔ وہ اس تعلیم سے مستفید ہوئے۔ دیکھ لو چند جنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا۔ باوجودیکہ وہ سننے کی نیت سے بھی نہ آئے تھے۔ محض گزرتے ہوئے صرف ایک بار ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے قرآن سن لیا تو سنتے ہی ایمان لے آئے۔ اور قرآن کی خوبی کے قائل ہو گئے۔ اور اپنے عیوب کا اقرار کرلیا اور نہ صرف یہ کہ ہدایت یافتہ بلکہ ہادی بھی بن گئے اور اپنی قوم میں جاکر اسلام لانے کی ترغیب دینے لگے

بھائیو! اس سے معلوم ہوا۔ کہ استعداد کا ہونا ضروری ہے۔ اگر استعداد ہی میں فتور ہے اور فطرت ہی گندی ہو۔ تو وہاں قرآن اگر اثر نہ کرے تو یہ قصور استعداد و فطرت کا ہے۔ آج بھی اگر کسی پر قرآن کا اثر نہیں ہوتا تو اس بات کی فکر نہ کرے کہ اس کی فطرت گندی ہو چکی۔ اور اس کی استعداد میں فتور آ گیا بھائیو! آج کل بعض ایسے افراد بھی ہیں۔ جن کو ملکۂ ترنم نورجہاں کے گانوں میں تو لطف ملتا ہے۔ مگر قرآن سننے میں انہیں لطف نہیں آتا۔ چنانچہ میں نے لکھا ہے ؎

رگا یادِ خدا میں دل ترانہ
مگر سنتے ہے فلمی ترانہ

بھائیو! یہ کیا بات ہے۔ قرآن پاک تو اتنی تاثیر رکھتا ہے۔ کہ۔
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۔
اگر اسے پہاڑ پر خدا نازل فرماتا۔ تو اللہ کے خوف سے پہاڑ ٹکڑے۔ ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ مگر آہ! آج بعض انسان ایسے ہیں۔ جن کے۔ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً۔ کے مطابق پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں "!

بجلی دیکھئے بجلی کی رو کے لیئے پیتل کی تاروں کا ہونا ضروری ہے بجلی ان تاروں میں فوراً سرایت کر جاتی ہے۔ لیکن سامنے اگر لکڑی یا ربڑ آجائے تو بجلی کی رو رک جاتی ہے اور لکڑی یا ربڑ میں بجلی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ تو کیا بجلی کا قصور ہے؟ یا لکڑی اور ربڑ میں یہ استعداد ہی نہیں۔ کہ وہ بجلی کے اثر کو قبول کریں۔ یہی قصہ یہاں بھی ہے۔ کہ ہمارے دلوں پر آج غیر شرعی ماحول کا ربڑ لپٹ چکا ہے۔ اور دنیوی محبت کی لکڑی درمیان میں حائل ہو چکی ہے قرآن پاک کی تاثیر کی بجلی تو یقیناً آج بھی بدستور موجود ہے۔ لیکن اس ربڑ لکڑی نے تاثیر میں رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔ بھائیو! اس لکڑی کو دلوں سے اتار دو۔ اور اس لکڑی کو پرے ہٹا دو۔ اور پھر دیکھو قرآن پاک کی تاثیر کا عالم۔

دُمدار ستارہ حضرات! اس سلسلہ میں ایک اور ضروری بات بھی سنتے چلیئے۔ آپ سن چکے۔ کہ جن اور شیاطین آسمانوں پر فرشتوں کی باتیں سننے کے لیئے جایا کرتے تھے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز ہوا۔ تو ان پر آسمانی ستاروں سے آگ کے شعلے مارے جانے لگے "!

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ۔ (پ ۲۹ ۔ ع ۱)

بیشک ہم نے نیچے کے آسمانوں کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطان کے لیئے مارا گیا۔

یعنے یہ آسمان کے ستارے ایک تو آسمان زینت کے لیے ہیں خدا تعالیٰ نے ان ستاروں سے آسمان پر چراغاں کر کے آسمان مزین فرمایا ہے۔ اور دوسرے یہ ستارے شیطانوں کے لیے مار ہیں۔ کہ جب وہ آسمان کی طرف گفتگو سننے کے لیئے جاتے ہیں۔ تو ان ستاروں سے ان پر شعلے اور آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں تاکہ شیاطین کو مارا جائے اور بھگایا جائے۔

بھائیو!۔ ان ستاروں کے یہ دو کام ہیں۔ جو خدا نے اس آیت میں بیان فرمائے ہیں۔ اور ایک تیسرا کام بھی ہے۔ جو خدا نے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ میں فرمایا ہے یعنی ستارے سے وہ راہ پاتے ہیں۔ یہ ستارے راستے اور منزل کے علامات ہیں۔ ان کو دیکھ کر منزل کا پتہ چلتا ہے اور قبلہ کا تعین ہوتا ہے۔ ان ستاروں کے بس میں یہ تین کام ہیں جن کا ذکر خدا تعالیٰ نے فرما دیا ہے ان کے سوا چوتھی کوئی بات نہیں کہ ان کی وجہ سے دنیا میں کوئی حادثہ ہوتا ہے۔ یا نحوست پھیلتی ہے۔ آج کل جو دم دار ستارہ نظر آ رہا ہے۔ اس کے متعلق لوگ عجیب وغریب قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور پریشان کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ کہ خدا جانے زمین پر کیا آفت آنے والی ہے:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

حضرات! آئیے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی سناؤں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ ایک رات صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ ایک ستارہ ٹوٹا۔ اور بڑی روشنی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے صحابہ سے فرمایا۔ ایام جاہلیت میں تم اس ستارہ کے ٹوٹنے سے کہا کرتے تھے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس کی وجہ سے اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔ مگر ہم یوں کہا کرتے تھے۔ کہ اس رات کوئی بہت بڑا آدمی مرا ہے اور کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سنو! ستارہ کا ٹوٹنا نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے ہے۔ اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم و فیصلہ جب اس آسمانِ دنیا کے فرشتوں تک پہنچتا ہے۔ تو جن ان سے کسی طرح یہ خبریں چرانا چاہتے ہیں۔ تو ان پر یہ آگ برسائی جاتی ہے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۵)

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ

خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ جَعَلَهَا زِیْنَةً لِّلسَّمَاءِ وَرَجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنَ وَعَلَامَاتٍ یُّهْتَدٰی بِهَا۔ فَمَنْ تَأَوَّلَ فِیْهَا بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَخْطَاَ وَاَضَاعَ نَصِیْبَهٗ وَتَکَلَّفَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۶)

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین باتوں کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ ایک تو آسمان کی زینت کے لیے۔ دوسرے شیطانوں کو آگ مارنے کیلیے اور تیسرے راہ پانے لیے نشانیاں۔ ان تین باتوں کے سوا جس کسی نے کچھ اور بھی بتایا۔ تو اس نے غلطی کی۔ اور اپنی عمر کا حصہ ضائع کیا اور خواہ مخواہ ایک ایسی بات کی جسے وہ نہیں جانتا۔"

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ کوئی دم دار ستارہ یا بغیر دم کے کوئی منحوس نہیں اور اس کا زمین پر کسی سے حادثہ کا کوئی تعلق نہیں یہ کہنا کہ صاحب اس دمدار ستارے کی وجہ سے بادشاہیوں میں زوال آتا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ بھائیو

یہ دم دار ستارہ بھی تو ایک زوال میں آئے گا۔ تو اس ستارہ پر زوال کون سے ستارے کی وجہ سے آئے گا؟

یعنی بقول آپ کے اس منحوس ستارے کے لیئے کون سا ستارہ ہوگا۔ جس کے باعث یہ زوال پذیر ہو جائے گا۔ بھائیو! اس قسم کے توہمات سے بچوں۔ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی بیہودہ اور وہمی باتوں سے منع فرمایا ہے مسلمان کی نظر ان ستاروں پر نہیں۔ بلکہ ستاروں والے پر ہے۔ اصلی موثر و فاعل تو خدا ہے یہ ستارے کیا ہیں یہ تو غروب خود ڈوب جاتے ہیں۔ پھر ہم کیوں نہ یوں کہیں کہ

لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ۔

اعلیٰ حضرت کا ایک واقعہ

حیاتِ اعلیٰ حضرت میں ایک ماہر نجوم کا واقعہ درج ہے۔ کہ وہ اعلیٰ حضرت کے پاس ایک مرتبہ آیا۔ تو اعلیٰ حضرت نے اُسے فرمایا کہ صاحب! سنا ہے۔ آپ نے نجوم میں بڑے ماہر ہیں۔ ذرا اپنا حساب لگا کر بتائیے تو۔ کہ بارش کب ہو گی؟۔ اس نجومی نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنا کر بتایا۔ کہ جناب! فلاں ستارہ جب تک فلاں برج میں نہیں چلا جاتا۔ بارش نہیں ہو سکتی۔ اور میرا زائچہ بتا رہا ہے۔ کہ وہ ستارہ اُس برج میں اس مہینے میں نہیں پہنچے گا۔ اس لیے بارش اس مہینے میں نہیں۔ ہاں اگلے مہینے میں ہو گی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ اللہ کو سب قدرت ہے وہ اگر چاہے تو اسی مہینے میں۔ بلکہ آج اور ابھی بارش ہو سکتی ہے۔ نجومی کہنے لگا۔ کہ یہ نہیں ہو سکتا فرمایا ہو کیوں نہیں سکتا۔ تمہاری نظر ستاروں پر ہے ـــــــــ ستاروں کے خالق پر نہیں۔ نجومی نے دیکھ کر یہ بات نہ تو اُسے یوں سمجھایا۔ کہ سامنے دیوار پر لگی ہوئی کلاک کی طرف اشارہ فرما کر پوچھا کہ بتائیے۔ اس وقت کیا بجا ہے۔ نجومی نے دیکھ کر بتایا کہ ساڑھے گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا۔ بارہ کتنی دیر کے بعد بجیں گے؟ وہ بولا آدھے گھنٹے کے بعد آپ نے فرمایا۔ آدھ گھنٹے کے پہلے بارہ نہیں بج سکتے؟ وہ بولا ہرگز نہیں آپ اٹھے اور سوئی کو گھما کر بارہ بجے پر کر دیا۔ فوراً بارہ

بجنے لگے۔ فرمایا تم تو کہتے تھے۔ کہ بارہ آدھ گھنٹہ کے بعد بجیں گے۔ پہلے نہیں لیکن یہ تو ابھی بجنے لگتے ہیں وہ کہنے لگا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے سوئی کو بارہ بجے پر کر دیا ہے۔ اس لیئے بارہ ابھی بجنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ جس ستارے کو جہاں چاہے اور جب چاہیئے اپنے دستِ قدرت سے پہنچا دے۔ وہ چاہے، تو اپنے دستِ قدرت سے ستارے کو آگے کر کے ایک مہینہ کا وقفہ مٹا دے اور بارش ابھی ہونے لگے آپ کی زبان سے اتنا نکلا ہی تھا۔ کہ اس وقت بادل چھا گئے۔ اور نجومی کے بیٹھے بیٹھے ہی بارش ہونے لگی۔

وَرَبُّ النَّجْمِ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔

ستاروں کا رب جو چاہے کر سکتا ہے"

بھائیو! دیکھا آپ نے اعلیٰ حضرت کی خداداد قابلیت و ذہانت اور ولایت کو اتنا مشکل مسئلہ کس آسان طریق سے سمجھا دیا۔ کہ مسلمان کی نظر ان ستاروں پر کیوں اٹکے اور ستاروں کے خالق پر کیوں نہ پڑے؟ بھائیو! کوئی ستارہ منحوس نہیں تم آسمانی ستاروں کو تو چھوڑ دو۔ یہ زمین پر اپنے غیر شرعی و غیر اخلاقی گرہوں کی دمیں لگا کر نئی روشنی کے ستارے ٹوٹتے پھرتے نظر آ رہے ہیں۔ دراصل یہ منحوس ہیں۔ جن کی، بدولت انسانیت و شرافت اور شرم و غیرت پر زوال آ رہا ہے۔ ان ستاروں کی فکر کرو۔ اور ان کے منحوس اثرات سے بچنے کی کوشش کرو۔

میں عرض کر رہا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ انور سے جنوں نے قرآن سُنا۔ تو وہ کچھ ایسے متاثر ہوئے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ اور حضور کے ارشاد سے پھر وہ خود مبلغ اسلام بن کر دوسرے جنوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ اور روایات میں آتا ہے۔ کہ اُن کی تبلیغ سے جنوں کے بڑے بڑے سردار مسلمان ہو گئے۔ اور دن بدن یہ جن حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کو مسلمان ہونے لگے"

جہاد میرے بھائیو! اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر جس طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کافروں سے جہاد کیا۔ اسی طرح مسلمان جنوں نے بھی کافر جنوں سے جہاد کیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے ایک واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں۔ کہ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحابی آئے اور وہ اپنا ایک عجیب قصہ بیان کرنے لگے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم چند احباب ایک سفر میں جارہے تھے۔ کہ راستے میں ہم نے ایک زخمی سانپ دیکھا۔ جو تڑپ رہا تھا ہم دیکھا کہ وہ تڑپتے ہوئے مرگیا ہے۔ ہمیں اس پر رحم آیا اور ہم میں سے ایک صاحب نے اپنا عمامہ پھاڑ کر اُس میں اُسے لپیٹا اور ایک گڑھا کھود کر اس میں دفن کر دیا۔ فرماتے ہیں۔ دوسرے روز ہم اپنی منزل میں بیٹھے تھے۔ کہ دو عورتیں آئیں جو بالکل اجنبی اور بہت خوب صورت تھیں۔ انہوں نے ہم سے پوچھا۔ کہ تم میں سے عمر بن جابر کو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم اس سوال سے حیران رہ گئے۔ اور پوچھا کہ کہ عمر بن جابر کون؟ اور دفن کرنے کا مطلب؟ وہ بولیں۔ آپ میں سے کسی نے سانپ کو دفن کیا ہے یا نہیں۔ ہم نے کہا ہاں! ہمارے اس ساتھی نے اپنا عمامہ پھاڑ کر اس میں ایک زخمی سانپ کو ضرور دفن کیا ہے وہ بولیں

انہ کان اٰخر من بقی ممن استمع القراٰن من

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان بین کافری الجن

ومسلمیھم قتال فقتل فیھم (روح البیان صفحہ جلد ۲)

یہ سانپ دراصل ان جنوں میں سے آخری جن تھا۔ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا۔ یہ مسلمان جنوں، اور کافر جنوں کے درمیان ہونے والے جہاد میں شامل تھا۔ اور کافر جنوں سے جہاد کرتے کرتے زخمی ہوگیا تھا۔

پھر ان عورتوں نے کہا۔ کہ اگر آپ لوگ اس نیکی کا بدلہ اس دنیا چاہتے

ہیں۔ تو ہم دینے کو تیار ہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے کہا کہ نہیں ہم نے تو یہ کام محض اللہ کے لیئے کیا ہے تو وہ عورتیں خوش ہو گیئں اور کہنے لگیں۔ بہت اچھا کام کیا آپ لوگوں نے ہم بھی مسلمان جن عورتیں ہیں۔ اور وہ شہید عمرو بن جابر تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھائیو!۔ دیکھو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیری رسالت۔ کہ جنوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا۔ اور پھر دین کی خاطر جہاد بھی کیے اور شہید بھی ہوئے۔

یہ جو روایت میں نے آپ کو سنائی ہے۔ علامہ دمیری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسے حیوۃ الحیوان صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے۔ اس روایت میں یہ لفظ بھی آتے ہیں۔ کہ ان عورتوں نے کہا کہ یہ سانپ جو آپ نے دفن کیا ہے دراصل وہ جن تھا جو بڑا تہجد گذار۔ اور روزے رکھنے والا تھا۔ اور اس نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر۔ چار سو سال پہلے سن لی تھی۔ اور یہ اسی وقت ایمان بھی لے آیا تھا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ سینکڑوں سال پہلے ہی آپ کی تشریف آوری کے ڈنکے بج رہے تھے اور خوش نصیب تھے وہ افراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بھی پہلے ہی ایمان لے آئے اور کس قدر بدنصیب اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کی صداقت کے ظاہر و روشن نشان دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے بھائیو! یہ قسمت کی بات ہے ہم خدا تعالیٰ کا جتنا شکر بھی ادا کریں۔ کم ہے۔ کہ اس نے ہمیں خوش نصیب کیا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں غلام بنایا۔ ؎

وہی رب ہے جس نے تم کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا۔

اللہ کا احسان بھائیو! ہم جو حضور کے غلام ہیں۔ اور جو مسلمان ہیں۔ یہ اللہ کا ہم پر احسان ہے۔ کہ اس نے ہمیں مسلمان بننے کی توفیق دی۔ ہمارا کوئی احسان اللہ یا اُس کے رسول پر نہیں کہ ہم مسلمان بن گئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ (پ ۲۶، ع ۱۴)

اے محبوب! وہ تم پر احسان جتاتے ہیں۔ کہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی۔ اگر تم سچے ہو۔

دیکھا آپ نے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اپنے اسلام کا تم احسان مت جتاؤ اگر واقعی تم مسلمان ہو۔ تو یہ اللہ کا احسان ہے۔ کہ اُس نے تمہیں مسلمان بننے کی توفیق دی

لطیفہ ایک بہت بڑا آدمی تھا۔ جس نے بھول کر بھی کبھی نماز نہ پڑھی تھی جس طرح کہ آج بھی بڑے بڑے آدمی نماز نہیں پڑھتے اور مسجد میں آنا بھی فیشن کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ یعنی سارے ہی ایسے نہیں۔ ان میں نمازی بھی ہوتے ہیں لیکن اکثریت ان امراء کی غفلت کا شکار ہے۔ اور یہ لوگ اپنے دنیاوی دھندوں میں ایسے اُلجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ نماز کے لیئے کہتے ہیں مولوی صاحب! ٹائم نہیں ملتا۔ اللہ اکبر! اتنا بڑا فرض۔ اور اس کے لیئے اگر اتفاقاً ٹائم مل جائے تو شاید نماز پڑھ لیں۔ ورنہ اور سارے کاموں کے لیئے تو ٹائم مل جاتا ہے مگر نماز کے لیئے ٹائم نہیں۔ میرے بھائیو! ذرا غور تو کرو کہ اس نماز سے کس قدر غفلت برتی جارہی ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے دل کی نماز بھی نکال رکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ اٹھک بیٹھک والی نماز کا کیا ہے دل کی نماز چاہیئے۔

دل کی نماز بھائیو! ایسے لوگوں سے پوچھو۔ کہ یہ دل کا مسئلہ تم نے نماز کے لیئے ہی رکھ چھوڑا ہے۔ یا اپنے دنیوی کاروبار میں بھی اسے

استعمال کرتے ہو۔ پیشاب کرنے ہی کو لیجئے ہزاروں کاموں میں مصروف ہوتے ہوئے جب پیشاب آجاتا ہے۔ تو کیا یہ لوگ اپنے سارے کاروبار چھوڑ چھاڑ کر پیشاب کرنے کے لیئے ٹائم نہیں نکالتے؟ چاہتے تو یہ کہ وہاں بھی کہہ دیں۔ کہ صاحب پیشاب کے لیئے اٹھنے بیٹھنے کا جھگڑا کون مول لے۔ ہم تو دل ہی میں پیشاب کر لیتے ہیں۔ کھانے کا ٹائم آئے۔ تو تنور کی روٹی کیوں منگواتے ہیں نور کی روٹی کھالیا کریں تعجب ہے۔ کہ روٹی تو تنور ہی کی چاہیئے۔ لیکن۔ نماز دل ہی کی کافی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ عورت کے پردے کی بات آئے۔ تو وہاں بھی کہہ دیتے ہیں۔ کہ اجی پردہ دل کا چاہیئے۔ داڑھی کی بات چلے تو ارشاد ہوتا ہے۔ داڑھی دل کی چاہیئے داڑھی اگر دل کی چاہیئے تو مسٹر! یہ داڑھ جس سے پہلے آپ مرغ مسلم کو چبا جاتے ہیں یہ بھی دل کی رکھئے مرغ مسلم کھا جانے کے لیئے تو آپ اس ظاہری داڑھ کے حامی ہیں۔ اگر کہیں نکل جائے تو مصنوعی بتیسی لگا کر گویا اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ ساری باتیں دل ہی سے پوری نہیں ہوتی۔ ظاہرا بھی کچھ ہونا چاہیئے۔ دل کی داڑھ سے مرغ چبایا نہیں جاسکتا۔ افسوس! داڑھ سے پیار۔ اور داڑھی سے انکار۔ اچھا صاحب دل کا پردہ اور دل کی داڑھی ہی اگر کافی ہے تو پھر ساڑھی بھی دل کی رکھیئے۔ یہ ساڑھی کے لیے اتنا تکلف کیوں! مگر خدا بچائے اس تہذیب یورپ کی ننگی وعریاں روش سے۔ کہ اب تو ساڑھی بھی خطرے میں ہے اور یہ ننگی تہذیب یہ ورس بھی دینے لگی ہے۔ کہ ؎

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا الٹا

ہاں تو میں ایک لطیفہ سنانے لگا تھا۔ کہ ایک بے نمازی رئیس تھا اس کا جو نوکر تھا۔ وہ بڑا ہی نمازی تھا۔ ایک روز وہ رئیس کچھ سامان خریدنے شہر گیا نوکر بھی ساتھ تھا۔ اتفاقاً بازار کی ایک مسجد سے اذان کی آواز آئی اور نوکر نے جب سنا حَیَّ عَلَی الصَّلوٰۃ آؤ نماز کی طرف یہ ندا سن کر نوکر نے اس رئیس سے کہا چوہدری

صاحب! خدا کے گھر سے آواز آرہی ہے۔ کہ نماز کے لیئے آؤ" اس لیے میں تو مسجد جارہا ہوں"

جواب دیجئے

میرے بھائیو! یہاں ایک بات پوچھتا چلوں۔ اس کا جواب دیجئے پاکستان بننے سے پہلے یہاں جب ہندو۔ سکھ بھی آباد تھے۔ اس وقت مسجدوں سے جب آواز آتی تھی۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ آؤ نماز کی طرف" تو فرمایئے۔ کیا اس آواز پر کوئی پابندی تھی۔ ہندو یا کوئی سکھ مسجد میں نماز پڑھنے آتا تھا بولیئے! یقیناً نہیں۔ لیکن کیوں نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کا بلاوا اور یہ ندا ہندوؤں۔ سکھوں کے لیئے نہیں تھی بلکہ یہ بلاوا مسلمانوں کے لیئے تھا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ ہندوؤں سکھوں سے اگر کوئی پوچھتا۔ کہ مسجد سے بلاوا کی آواز سن کر تم مسجد میں کیوں نہیں پہنچتے۔ تو وہ یہی جواب دیتے کہ نہ بلاوا ہمیں نہیں۔ یہ تو مسلمانوں کے لیے ہے۔ اور یہ جواب ان کا بالکل ٹھیک ہوتا ہے

مگر اے میرے مسلمان بھائیو! اب تو وہ ہندو اور سکھ یہاں سے جا چکے اور اب تم سب مسلمان ہی یہاں ہو۔ پھر اب جو مسجدوں سے آواز آتی ہے کہ۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ

اور یہ آواز سن کر تم جو مسجد میں نہیں پہنچتے۔ مجھے جواب دو۔ کہ تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟ کیا تم بھی یہی سمجھتے ہو۔ تو پھر بتاؤ تم نے آپ کو کیا سمجھا؟ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ اذان کی آواز ہمارے لیئے ہے اور ہمیں بلاوا ہے۔ تو پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ تم یہ آواز سن کر مسجد میں نہیں آتے۔ بھائیو! کچہریوں میں سارا دن اس انتظار میں کھڑے رہتے ہو کہ خدا جانے کب آواز پڑے اور ہمیں حاضر ہونا پڑے اور پھر خدائی آواز کی کچھ بھی قدر کرو۔ اور آواز سن کر فوراً مسجد کی طرف دوڑو۔ خدا فرماتا ہے جب نماز کے لیئے ندا کی جائے۔ تو

فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ۔

اللہ کی یاد اور اس کی عبادت کے لیئے دوڑو اور خرید و فروخت وغیرہ

دنیوی سارے کاروبار چھوڑ دو"
لیکن آہ! اذان ہو رہی ہے۔ اور گانے بجانے کا شغل جاری ہے اذان ہوگئی مگر خرید و فروخت جاری ہے۔ ؎

آہ اسلام ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے

ہاں تو بھائیو! وہ نوکر مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا۔ اور وہ رئیس مسجد سے باہر ہی رہا اور اپنے نوکر کی انتظار کرنے لگا۔ کہ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلتا ہے نوکر نے بڑے اطمینان سے نماز پڑھنا شروع کی اور اطمینانِ قلب سے خدا کی عبادت میں محو ہو گیا۔ کچھ دیر گذری۔ تو رئیس صاحب مسجد سے باہر بے چین ہونے لگے۔ کہ میرا نوکر ابھی تک مسجد سے باہر نہیں آیا۔ کیا بات ہے! ۔ انتظار کرتے تھک گئے تو باہر سے آواز دی۔

ارے! تمہیں اندر کس نے پکڑ رکھا ہے جو
تجھے باہر نہیں نکلنے دیتا"
نوکر نے اطمینان سے اندر ہی سے جواب دیا۔
صاحب! مجھے باہر وہ نہیں نکلنے دیتا جو آپ کو
اندر نہیں آنے دیتا"

واہ وا۔ کیا اچھا جواب دیا کہ صاحب! جس خدا نے آپ کو اندر آنے کی توفیق نہیں دی۔ اسی خدا نے مجھے اپنے گھر بلا کر اپنے حضور حاضری کی توفیق بخشی ہے۔ گویا خدا کا مجھ پر یہ احسان ہے کہ مجھے وہ اپنے حضور لے آیا اور آپ پر وہ خوش نہیں کہ آپ کو اپنے گھر میں داخل ہی ہونے نہیں دیتا"

بس اے میرے بھائیو! یہ اللہ کا احسان ہے ہم پر اس نے ہمیں اپنے محبوب کا غلام بنا لیا۔ اور ہمیں توفیق بخشی۔ کہ ہم نے اس کے محبوب کا کلمہ پڑھا۔ اور اس کی غلامی اختیار کر کے انسان بن گئے ورنہ اے میرے بھائیو! ۔ بالفرض خدانہ کرے

ہم سارے ہی یہ توفیق نہ پاتے۔ تو خدا رسول کا کیا بگڑتا۔ ہمارا اپنا ہی دین و دنیا کا نقصان تھا۔ ہم اگر کلمہ نہ پڑھتے تو حضور کو کیا پرواہ۔ اِن کے تو غلام جن بھی ہیں وہ جو اِن کے نام پر سر مٹتے ہیں، اور کافروں سے جہاد کرنے والے ہیں۔ چنانچہ آپ نے سنا کہ جنوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کی۔

جنّ کا قتل

ایک ایمان افروز واقعہ سنیئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ تلاوتِ قرآن فرما رہے تھے۔ کہ ایک جن سانپ کی شکل میں نمودار ہوا اور آپ کے پاس سے گزرا۔ آپ نے سانپ سمجھ کر مار ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد دو شخص مسجد میں آئے۔ اور شاہ صاحب کو اٹھا کر اپنے ملک کے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ مدعی نے بادشاہ کے روبرو کہا کہ میرے بیٹے کو ان شاہ صاحب نے قتل کر دیا ہے مجھے قصاص ملنا چاہیئے اور شریعت کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے۔ اس پر بادشاہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو قتل کر دینے والا ہی تھا۔ کہ وہاں ایک بوڑھا جنّ موجود تھا۔ اس نے کہا کہ شاہ صاحب! پر قصاص واجب نہیں ہے۔ کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ

مَنْ تُتِلَ فِیْ غَیْرِ زِیِّہٖ فَدَمُہٗ ھَدَرٌ۔

یعنی جس شخص کا قتل کیا جانا جائز تو نہ ہو۔ مگر ایسی قوم کے لباس و وضع میں ہو۔ جس کا قتل کیا جانا جائز ہے۔ تو اُسے اگر کوئی قتل کر دے تو اس کا خون معاف ہے۔"

اس بوڑھے جنّ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا۔ کہ چونکہ یہ جن سانپ کی شکل میں تھا۔ جس کا قتل کر دینا جائز ہے اس لیئے شاہ صاحب نے جب کہ اُسے سانپ ہی سمجھ کر قتل کر دیا ہے تو اس حدیث کے بموجب شاہ صاحب بے قصور ہیں اور ان پر کوئی قصاص نہیں۔ بادشاہ نے یہ

حدیث سُن کر شاہ صاحب کو رہا کر دیا اور وہ دو جن آپ کو اپنی جگہ پر پہنچا آئے۔ التحریر الافہم ص۵۴

بھائیو! سنا آپ نے یہ ایمان افروز واقعہ بھی؟ اس سے کئی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک تو یہی۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جن بھی دل وجان سے ایمان لائے اور ان جنوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والے مدت تک رہے اور حضور کے ارشادات کی تبلیغ کرتے رہے اور یہ کہ وہ اپنے فیصلے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق کرتے رہے۔ وہ منکر حدیث نہ تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلام اور حدیث پر ایمان رکھنے والے تھے۔ یہ تو آج کل کے انسانوں ہی کو، شرف حاصل ہے۔ اور اُن انسانوں کو جن پر یورپ کا جن سوار ہے۔ کہ وہ حدیث کو حجت نہیں سمجھتے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی۔ کہ لباس و وضع کا مسئلہ بھی کوئی غیر اہم مسئلہ نہیں۔ کہ یوں کہہ دیا جائے۔ صاحب! وضع قطع اور لباس کا کیا ہے کوئی بھی وضع ہو۔ اور کوئی بھی لباس ہو اسلام میں کوئی تنگی نہیں۔ یہ تو مولویوں کی طبع زاد باتیں ہیں۔ کہ شکل ایسی بناؤ اور لباس ایسا پہنو!"

بھائیو! اگر یہ بات درست ہے تو پھر کوئی صاحب ذرا ساڑھی پہن کر تو باہر نکلیں۔ اور منہ پر سرخی، پوڈر، مل کر کانوں میں کانٹے پہن کر اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر تو دکھائیں۔ اور اس شانِ دلربایانہ میں نکل کر پھر کسی مولوی سے مخاطب ہو کر یوں کہیں۔ کہ

اجی! اس وضع قطع اور لباس کا کیا ہے کوئی
سا لباس بھی ہو۔ اور کوئی بھی وضع ہو۔ اسلام
میں کوئی تنگی نہیں۔

بھائیو! اس انداز، اور اس وضع قطع میں دیکھ کر اگر کوئی آپ کو زنانہ کہہ دے تو کیا یہ درست ہو گا۔ یا تنگ نظری؟ اور کیا یہ بھی مولویانہ "بات ہو گی

یا سو فیصدی حقیقت۔ میری بہنو! جس طرح آپ کی مردانگی یہ گوارا نہیں کرتی۔ کہ آپ چوڑیاں پہن لیں۔ اور ساڑھی زیب تن کرنے لگیں۔ اسی طرح آپ کا اسلام بھی یہ گوارا نہیں کرتا کہ آپ صلیبی نشان نکٹائی پہن لیں اور رانوں کو ننگا رکھنے والی نکر زیب تن کر لیں۔ اور ٹیڈی لباس کو جو بدن کے ہر قابلِ ستر حصّہ کو نمایاں کر کے دکھاتا ہے۔ اپنے جسم پر چپکا لیں ـــــ چپکا لیں ـــــ میں نے اس لیئے کہا ہے کہ یہ لباس، لباس ہی کب ہے جو پہنا جائے۔ یہ تو ایک تکیہ کا غلاف ہے جو بمشکل چڑھایا جاتا ہے۔ اور ایک شکنجہ ہے۔ جس میں خواہ مخواہ اپنے جسم کو پھنسایا جائے اسی لیئے میں نے لکھا ہے۔ کہ ؎

دین کہتا ہے کہ کر عجز و تواضع اختیار
اور فیشن کا تقاضا ہے اکڑنا چاہیئے!
چھینک ٹیڈی کو جو آئی تو کہا پتلون نے
جابجا الحمد کے اب مجھ کو پھٹنا چاہیئے

لطیفہ: کہتے ہیں ایک ٹیڈی جس نے بڑی چست پتلون پہن رکھی تھی۔ کہیں گیا۔ ایک مسخرے نے اس کی پتلون کو دیکھنا شروع کیا۔ کبھی پتلون کا اوپر کا حصّہ دیکھے۔ اور کبھی نیچے کا حصّہ اور پھر بولا۔ خدا جانے کس طرف سے گئے ہو۔ ٹیڈی نے پوچھا۔ کیا دیکھتے ہو اور کیا کر رہے ہو؟۔ وہ کہنے لگا۔ جناب میں نے پتلون کو غور سے دیکھا ہے۔ اس کے اندر جانے کا رستہ تو کوئی ہے نہیں سوچ رہا ہوں۔ خدا جانے آپ اس کے اندر گئے کس طرف سے ہیں!

الغرض ہمارے رسول۔ رسول الانس والجن ہیں۔ اور آپ کی رسالت ہمہ گیر ہے ہماری نجات اسی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ غلامی میں آ کر اپنی عاقبت سنوار لیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

گیارھواں خطاب!!



کسبِ حلال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ہ

(سورۃ الجمعہ)

جب نماز ادا کرو۔ تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔ اور خدا کے فضل یعنی روزی کی تلاش کرو۔ اور خدا کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

حضرات! ہر چند خدا تعالیٰ نے ہم سب کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور اس کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ مگر چونکہ عبادت کا ہونا بدوں قوتِ بدنی اور لباس وغیرہ کے ممکن نہیں ——— اس لیے ضروری ہوا کہ ہم روزی کی تلاش میں ہاتھ پیر ہلائیں یعنی کوئی نہ کوئی کسب کر کے اس کی آمدنی سے خوراک اور لباس وغیرہ کو مہیا کریں تاکہ خدا کی عبادت پورے اطمینان سے ادا کر سکیں یہ کسب کرنا بھی عبادت ہی کے واسطے ہے۔ اسی لیے اس کسب کو بھی عبادت میں شمار کیا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ جو شخص حلال کمائی کرے اور اس سے اپنے بال بچوں وغیرہ کی خبر گیری کرے تو وہ گویا خدا کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ جہاد کا اس کو ثواب دیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمۃ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ۔

ایک دن جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے۔ صبح ہی صبح ایک قوی جوان ادھر سے گزرا۔ اور ایک دوکان میں چلا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا۔ افسوس یہ جوان اتنی صبح کو اگر خدا کی راہ میں اٹھا ہوتا۔ تو کتنا اچھا ہوتا ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ کہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنے تئیں، یا اپنے ماں باپ اور اپنے بیوی بچوں کو خلق سے بے پرواہ کرنے کے لیے گیا ہے۔ تو بھی وہ خدا کی راہ میں ہے اور اگر تفاخر و لاف کرنے گیا اور محض تونگری کے لیے جاتا ہے۔ تو شیطان کی راہ ہے۔"

یہ جو آیت آپ نے سنی ہے۔ اس میں حق تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! جب تم نماز سے، جو افضل ترین عبادت ہے فراغت پا چکے تو۔ بیکار مت بیٹھو۔ بلکہ اِدھر اُدھر زمین میں پھیل کر اپنے اپنے کاموں میں لگ جاؤ اور اِن لوگوں کا کچھ بھی اعتبار نہ کرو۔ جو اس سے اعتراض کر کے مسجدوں میں جا بیٹھتے ہیں اور ان کی آنکھیں لوگوں کے مال کو تک رہی ہیں اور اپنا نام متوکل رکھ چھوڑا ہے اور حقیقت میں متوکل نہیں ہیں۔ بلکہ یہی لوگ حدِ شرع سے نکل گئے ہیں ان کی سند یہ آیت ہے۔"

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝

لیکن ان کو اس آیت کے معنی اور تاویل معلوم نہیں۔ کیونکہ اس سے مراد تو مینہ ہے۔ جس سے رزق پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر رزق ہم پر آسمان سے بے محنت اُترتا کرتا۔ تو خدا تعالیٰ کسب دستی کا حکم ہرگز نہ دیتا۔

بالکل بیکار بیٹھے رہنا خدا کے نزدیک اچھا نہیں ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ خداداد قوت کو معاش کے لیئے بھی صرف کرے اور اپنے عیال واطفال کی خبر گیری کرے۔ نہ یہ کہ حرامیوں اور گداگروں کی طرح لوگوں کے دروازوں ہی کی طرف دیکھتا رہے۔ اور خود کچھ بھی نہ کرے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص خلق سے بے پرواہ ہونے کو یا اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے چاند کی طرح دنیا میں طلب حلال کرتا ہے۔ قیامت کے دن اس کا چہرہ چودہویں کے چاند کی طرح تاباں ہوگا۔ اور فرمایا۔ کہ سچا سوداگر قیامت کے روز صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اُٹھے گا۔ اور فرمایا۔ کہ پیشہ ور مسلمان کو حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ایک شخص سے پوچھا تو کیا کام کرتا ہے۔ اس نے کہا۔ عبادت کرتا ہوں۔ فرمایا۔ روٹی [illegible] سے کھاتا ہے۔ اس نے کہا۔ میرا ایک بھائی ہے۔ وہ مجھے روٹی کھلا دیتا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا۔ تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ کسب نہ چھوڑو۔ اور یوں نہ کہو کہ خدا تعالیٰ جو روزی دینے والا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ آسمان پر سے سونا چاندی نہیں برساتا۔ یعنی اُسے اس امر کی قدرت ہے مگر کسی حیلہ سے روزی دینا اس کی عادت ہے لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا کسب نہ چھوڑنا۔ کہ جو شخص خلق کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کا دین تنگ ہو جاتا ہے۔ عقل ضعیف ہو جاتی ہے مروت زائل ہو جاتی ہے اور لوگ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔

ایک بزرگ نے پوچھا۔ کہ عابد بہتر ہے یا تاجر امانت دار فرمایا تاجر امانت دار بہتر ہے کہ وہ جہاد میں ہے۔ اِس واسطے کہ شیطان ترازو اور لین دین کے پردے میں در پے ہے اور وہ اس کے خلاف کرتا ہے۔

مختلف پیشوں کا حال

ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی موسوم بہ رفیق الارواح میں لکھا ہے۔ کہ ایک وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز تھے۔ اور سب اصحاب بھی حاضر تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے سوال کیا۔ کہ یارسول اللہ! آپ میرے پیشہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ اچھا ہے یا بُرا۔ فرمایا! تمہارا کیا پیشہ ہے؟ عرض کیا میرا پیشہ درزی کا ہے آپ نے فرمایا اگر تم راستی و راستبازی سے کام کرو۔ تو تمہارا کام از حد بزرگ ہے۔ کل قیامت کے روز تم ہمراہ ادریس علیہ السّلام کے بہشت میں جاؤ گے پھر ایک اور صحابی اُٹھے اور پوچھا۔ یارسول اللہ! میرا پیشہ کیسا ہے؟ فرمایا تم کیا کرتے ہو۔ عرض کیا میں معماری کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا پیشہ بھی بہت اچھا ہے کیونکہ یہ شغل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے اور پیشہ نہایت مبارک و منفعت کا ہے۔ خدا تعالیٰ تم کو برکت دے تم قیامت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہو گے۔

پھر ایک اور صحابی اٹھے۔ اور عرض کیا۔ یا۔ رسول اللہ میرا پیشہ معلمی ہے میرے اس پیشہ کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ فرمایا اگر نیک نیتی سے خلق کو نصیحت کیا کرو۔ تو قیامت کے روز ہمراہ خضر علیہ السلام کے رہو گے،

پھر ایک اور اصحابی اُٹھے اور عرض کیا یارسول اللہ! میرے متعلق کیا ارشاد ہے۔ میرا پیشہ سوداگری ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر راستی کے ساتھ معاملہ کرو۔ تو قیامت کے روز تم میرے ساتھ رہو گے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسب کرنے والا خدا کا دوست ہے مگر وہ کسب کرنے والا۔ جو نماز کے وقت سستی نہ کرے اور فوراً نماز میں حاضر ہو اور حد شریعت سے قدم باہر نہ نکالے۔ ایسے ہی سب کے لیئے ارشاد فرمایا ہے

کہ۔ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللہِ ۔

زمینداری تنبیہ الغافلین میں فقیہہ ابو اللیث سمرقندی نے لکھا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللہِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ غَرَسَ غَرْسًا اَوْ زَرَعَ زَرْعًا فَاَکَلَ مِنْہُ اِنْسَانٌ اَوْ دَابَّۃٌ اَوْ طَیْرٌ اَوْ سَبُعٌ فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ ۔

جس نے کھیتی بوئی اور اس کی کھیتی سے کسی انسان نے یا کسی پرندے چرندے یا درندے نے کوئی دانہ کھالیا تو یہ اس زمیندار کا صدقہ ہو جائے گا۔"

اُن زمینداروں کے لیے بشارت ہے۔ جن کی زراعت سے غربا وغیرہ بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمینداری پیشہ بھی اچھا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ نماز وغیرہ احکام خدا کو ترک نہ کرے۔ اور اگر اس حساب ایسا لگ جائے۔ کہ نماز وغیرہ کا دھیان ہی نہ رہے۔ تو بہت بُرا ہے۔ چنانچہ آجکل دوکانداروں، تاجروں اور زمینداروں کا اکثر یہی حال ہے کہ دنیوی امور میں ایسے مشاغل ہیں۔ کہ اذان ہوتی تو پرواہ نہیں۔ نماز جاتی ہے تو جائے مگر گاہک نہ جائے نماز تو ایک طرف منہ ہاتھ دھونے تک کا خیال نہیں رہتا۔ جنابت وغیرہ سے غسل، اور عدم غسل، سب برابر۔ تو ایسے لوگوں کا صدقہ وخیرات بھی سب عبث ہے، خدا تعالیٰ نے طلب حلال کے حکم کے ساتھ ساتھ

وَاذْکُرُوا اللہَ

بھی فرمایا ہے۔ کہ اس کی یاد سے غفلت نہ ہونے پائے

خدا کی یاد مسلمانو! خدا کی یاد اصل میں توشۂ آخرت ہے، یہ سارے کاروبار اس دنیا کے لیے ہیں۔ اور خدا کی یاد آخرت، کا توشہ ہے۔ عقل مند وہ ہے۔ جو اس وقت کچھ ذخیرہ آخرت کرلے تاکہ آخرت میں کام آئے۔ دنیا کی دولت کا خیال نہ کرے کیونکہ وہ تو ایک بادل کا سایہ ہے۔ کہ اس کا زوال لازوال

ہے۔ اور حساب اس کا آخرت کا جنجال ہے۔ اور موت کا آجانا بہر حال ہے۔ ایک دن دنیا سے کوچ و انتقال ہے ؎

کرا جاوداں ماندن امید نیست
کہ گیتی ہمیں جائے جاوید نیست!

قبل اس کے سفر کا توشہ زادِ راحلہ مہیا کر لینا چاہیئے۔
خدا فرماتا ہے۔ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ؎

تَزَوَّدْ مِنَ الدُّنْیَا فَاِنَّکَ رَاحِلٌ
وَاعْلَمْ بِاَنَّ الْمَوْتَ لَا شَکَّ نَازِلٌ
نَعِیْمُکَ فِی الدُّنْیَا غُرُوْرٌ وَّحَسْرَۃٌ
وَعَیْشُکَ فِی الدُّنْیَا مُحَالٌ وَّبَاطِلٌ

شاعر کہتا ہے۔ توشۂ آخرت مہیا کر لے۔ اور جان لے موت بلا شک آنے والی ہے۔ دنیوی نعمتیں محض غرور و حسرت کا باعث ہیں اور دنیا میں تیرا ہمیشہ رہنا محال ہے اور باطل ہے۔ پھر فرمایا:۔

اَلَا اِنَّمَا الدُّنْیَا کَمَنْزِلِ رَاکِبٍ
اَنَاخَ عَشِیًّا وَھُوَ فِی الصُّبْحِ رَاحِلٌ

خبردار! یہ دنیا تو ایک ایسے سوار کی ایک ایسی منزل ہے جس میں سوار دم لینے کو شام کے وقت اترتا ہے۔ اور صبح پھر وہاں سے چل دیتا ہے۔ ؎

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری!
بجانِ من ورنہ حسرت خوری!

خلاصۂ کلام یہ ہے۔ کہ دنیوی دولت کے ساتھ ساتھ مسلمان کے لیئے لازم ہے۔ کہ کچھ خیرات و حسنات کی دولت بھی آخرت کے لیئے کمائے۔ جو حشر کی درماندگی، اور افلاس و تنگ دستی میں معین و مددگار ہو۔

محتکر مسلمانوں یاد رکھو۔ رزق کی تلاش میں خدا تعالیٰ کے احکام کو ہر وقت یاد رکھو۔ سنو! ـــــ غلہ مول لے کر اس نیت سے رکھنا کہ جب گرانی ہوگی تو بیچوں گا۔ جو ایسا کرے۔ اس محتکر کہتے ہیں۔ اور محتکر ملعون ہے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص اناج کو چالیس دِن اس نیت سے رکھ کر چھوڑے۔ کہ جب گراں ہو تو نہ بیچوں گا۔ وہ اگر تمام خیرات بھی کر دے۔ تو بھی اس کا کفارہ نہ ہو گا۔ اور فرمایا کہ جس نے اناج مول لیا۔ اور کسی شہر میں لے گیا۔ اور اس وقت جو نرخ ہے اس نرخ کے مطابق بیچا۔ تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے وہ اناج صدقہ کر دیا ہے۔

حکایت اگلے بزرگوں میں سے ایک بزرگ تاجر تھے۔ انہوں نے وکیل کے ہمراہ غلہ بصرہ میں بیچنے کو بھیجا۔ وکیل جب وہاں پہنچا۔ تو وہاں اناج بہت سستا تھا۔ ایک ہفتہ ٹھہر کر اُس نے وہ اناج دگنے داموں پر بیچا اور پھر مالک کو خط لکھا۔ کہ میں نے ایسا کیا ہے انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں اس تھوڑے نفع پر جو دین کی سلامتی کے ساتھ ہو۔ قناعت کی تھی۔ یہ مناسب نہ تھا کہ بہت سے نفع کے عوض تو نے دین ہاتھ سے دے دیا کام جو تو نے کیا بڑا گناہ ہے اب تمہیں چاہیئے۔ کہ تمام مال خیرات کر دے۔ تاکہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے اور شاید کہ اس پر بھی شومیٔ قسمت سے ہم تم نہ چھوٹیں ـ اے عزیز! جان لے کہ اس فعل کے حرام ہونے کا سبب خلق کا ضرر اور نقصان ہے۔ کیونکہ رزق سے آدمی کی زندگی ہے۔ لوگ اگر بیچیں۔ تو تمام خلق کو اس کا لینا مباح ہے اگر ایک ہی آدمی مول لے کر اُسے بند کر دے۔ تو باقی تمام خلق کو دستیاب نہ ہوگا اور یہ امر ایسا ہے۔ جیسا کہ کوئی پانی روکے۔ کہ لوگ پیاسے ہو کر زیادہ پیسے دے کر پانی خریدیں۔ اس نیت سے اناج مول لینا گناہ ہے ہاں اگر اناج کسی خاص کسان کی ہے تو اسے اختیار ہے جب چاہے بیچے اس پر جلدی بیچ ڈالنا واجب نہیں۔ اگر دیر نہ کرے تو بہتر ہے اور اولیٰ ہے لیکن اگر اس کے دل میں یہ

خواہش پیدا ہو۔ کہ اناج گراں جائے۔ تو یہ خواہش البتہ بہت بُری ہے

اگلے بزرگ اگلے بزرگوں نے دو قسم کی تجارت کو مکروہ جانا ہے۔ ایک اناج بیچنے کو۔ دوسرے کفن بیچنے کو اس واسطے کہ لوگ کی تکلیف اور موت کی راہ دیکھنا بری بات ہے۔

کھوٹا پیسہ مسلمانو! کھوٹا روپیہ معاملہ میں دینے سے بھی لوگوں کو عام رنج ہوتا ہے کیونکہ لینے والا اگر نہ پہچانے۔ تو دینے والا اس پر ظلم کر چکا۔ اور اگر پہچان گیا۔ تو وہ آگے کسی اور کو دغا دے گا اسی طرح یہ مسئلہ شروع ہو گیا۔ تو گویا ظلم و دھوکا کا ایک دراز سلسلہ چل پڑا۔ پھر جس شخص نے سب سے پہلے یہ کھوٹا سکہ چلایا اور ظلم شروع گیا اس پر ان سب کا ظلم پڑتا رہے گا۔ اسی واسطے اک بزرگ نے کہا ہے۔ کہ ایک کھوٹا درہم دینا سو درہم چرا لینے سے بُرا ہے اس واسطے کہ چوری کا گناہ اسی وقت ہے اور یہ کھوٹا روپیہ چلانے کا گناہ ہے اس کے مرنے کے بعد تک بھی جاری رہے اور وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے جو مر جائے۔ اور اس کا گناہ نہ مرے۔ کھوٹے چاندی سونے میں چار چیزیں معلوم کرنی ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ کھوٹا روپیہ جس کے ہاتھ لگے اسے چاہیے۔ کہ وہ اسے کنوئیں میں ڈال دے اور کسی کو یہ کہہ کر بھی نہ دے۔ کہ یہ کھوٹا ہے۔ کہ شاید وہ کسی اور کے ساتھ دغا کرے۔ دوسرے یہ کہ بازاری پر واجب ہے کہ نقد کا پرکھنا سیکھے تاکہ کھوٹے کو پہچان لے۔ یہ اس واسطے واجب نہیں کہ خود نہ لے بلکہ اس لیئے کہ کسی اور کو دھوکہ دے کر نہ دیدے اور مسلمان کا حق ضائع نہ کرے تیسرے یہ اگر کھوٹا روپیہ اس نیت سے لے لے گا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَاءً سَهَّلَ الْقَضَاءَ وَسَهَّلَ الْاِقْتِضَاءَ۔

رحم کرے اللہ اس شخص پر جو دینے لینے کو سہل کرے!!

تو اچھا کام ہے۔ لیکن کنوئیں میں ڈالنے کی نیت سے لے اور اگر یہ اندیشہ

ہو۔ کہ خرچ کر ڈالوں گا۔ تو نہ دے۔ چوتھے کھوٹا سکہ وہ ہے جس میں چاندی سونا مطلق نہ ہو۔ لیکن جس میں ناقص سونا چاندی ہے اُسے کنوئیں میں ڈالنا واجب نہیں۔ بلکہ اگر اُسے خرچ کرے گا۔ تو دو باتیں واجب ہیں۔ ایک یہ کہ دوسرے سے کہہ دے کہ یہ ناقص ہے۔ چھپائے نہیں دوسرے یہ کہ جسے دے۔ اس کے امانت دار ہونے پر اعتماد ہو کہ وہ بھی کسی اور سے دغابازی نہ کرے اگر یہ جانتے۔ کہ یہ خرچ کرتے وقت دوسرے سے ناقص ہونے کا حال نہ بتائے گا۔ تو اس کی ایسی مثال ہے۔ جیسے انگور ایسے شخص کے ہاتھ بیچے۔ جسے جانتا ہے۔ کہ وہ شراب بنائے گا۔ یا ہتھیار ایسے شخص کے ہاتھ بیچے۔ جسے جانتا ہے کہ راہزنی کرے گا اور یہ امر حرام ہے۔ معاملہ میں امانت داری دشواری ہونے کے سبب اگلے بزرگوں نے لکھا ہے کہ امانت دار سوداگر عابد سے بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں کسب حلال سے توفیق دے۔ آمین ﷺ

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



بارھواں خطاب ۱۲



روزِ قیامت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ہ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ہ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ہ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ہ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا ہ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ہ فَمَنْ یَّعْمَلْ

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ؏

(پ ۳۰، ع ۲۴)

"جب زمین تھرتھرا دی جائے۔ جیسا کہ اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے اور زمین اپنے بوجھ باہر پھینک دے اور آدمی کہے اسے کیا ہوا اُس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی۔ اس لیئے کہ تمہارے رب نے حکم بھیجا اس دن لوگ اپنے رب کی طرف پھریں گے، کئی راہ ہو کر تاکہ اپنا کیا دیکھائے جائیں تو ایک بھر بھلائی کرے، اُسے دیکھے گا۔ اور جو ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا"

حضرات! آج مجھے قیامت کا بیان کرنا ہے اور سنانا ہے، کہ قیامت کے روز کیا ہو گا؟ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ قیامت ایک روز آنے والی ہے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت آنے والی ہے اس لیئے ہر مسلمان اس امر پر یقین ہے۔ کہ ایک روز قیامت یقیناً آئے گی اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کہ ایک روز ایسا بھی ہونا چاہیئے۔ جس روز نیک و بد اعمال کا پورا پورا بدلہ مل سکے۔ اگر ایسا نہ ہو، تو نیکی بدی دونوں رائیگاں جائیں گی۔ دیکھئے اس دنیا میں اگر کوئی شخص نیک کام کرتا ہے تو اُسے اس کے عوض کیا ملتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ مثلاً کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا۔ ننگے کو کپڑے پہنا دیئے۔ یا پیاسے کو پانی پلا دیا تو اُسے کیا ملا؟ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکیں گے کہ اُسے دعاء ملے گی۔ لیکن یہ دعاء کیا ہے؟ یہی نا! کہ آپ کا بھائی خدا بھلا کرے۔ لیکن یہ بھلا ہو گا کب یہاں تو بعض اوقات نیکی کرنے والوں پر عتاب نازل ہوتا ہے۔ دیکھئے کسی کو بُرے

کام سے روکنا بھی ایک نیکی ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ نیک کام کرنے والا گالیاں کھانے لگا ہے تو بتایئے اسے نیک کام کرنے کا کیا اجر ملا! کیا گالیاں اس نیکی کا اجر ہیں! ۔ نہیں! ۔ نہیں!!۔ اس کا اجر اور ہے۔ اور وہ اللہ کے پاس ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یعنی اے محبوب! ان کافروں کو ڈرایئے یا نہ ڈرایئے ان کے لیئے برابر ہے۔ وہ ایمان نہ لائیں گے"۔

دیکھئے سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ فرمایا کہ ان کے لیئے برابر ہے۔ یہ نہیں فرمایا۔ کہ سَوَآءٌ عَلَيْكَ آپ کے لئے برابر ہے۔ اس لیئے کہ یہ ڈرانا نہ ڈرانا کافروں کے لیئے تو برابر ہے۔ انہیں کسی صورت فائدہ نہیں۔ اور حضور کے لیئے تبلیغ کا اجر بہر حال ثابت ہے اسی طرح حضور کے صدقہ میں آج کسی کو بُرے کام سے روکنے والا یقیناً اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ یونہی اس دنیا میں اگر کوئی بُرا کام کرتا ہے تو کئی لوگ اپنی چالاکی سے اپنے بُرے کام کی سزا سے بچ جاتے ہیں بلکہ اس نئی روشنی کے زمانہ میں تو وہ اندھیر مچ رہا ہے کہ دن دہاڑے چوریاں۔ سینہ زوریاں۔ اور ڈکیتیوں کی بھرمار ہے اور ایسے کئی لوگ اپنی عیاریوں۔ چالاکیوں سے قانون کی زد سے بچے رہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ حکومت کے قوانین ایسے مجرموں کو سزا دلاتے ہیں لیکن میں ان عیاروں کی بات کر رہا ہوں جو اپنی عیاریوں کی بدولت قانونی سزا سے اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں فرمایئے! عقل میاں کیا کہتی ہے؛ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے بد کرداروں کو اپنے کیئے کا پھل ضرور ملنا چاہیے۔ اور اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ کوئی ایسا دن بھی ہو۔ جس میں ہر نیک و بد آدمی حاضر کیا جا سکے اور اس دن حاکم بھی ایسا۔ صاحب قدرت و اختیار ہو۔ جس کے لیئے کوئی اقدام مشکل نہ ہو اور جسے کوئی ڈرا نہ سکے، دبا نہ سکے۔ اور جس کی قدرت اتنی زبردست ہو کہ جو چاہے ہو جائے اور جو چاہے کرے،!۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ -

کے مطابق وہ سب سے پوچھے، اور اُسے کوئی پوچھ نہ سکے۔ اور جو ایسا حاکم ہو کہ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہ ہو۔ جو ساری کائنات کو ہر وقت دیکھنے والا۔ دلوں کے اسرار کو جاننے والا۔ اور سارے حاکموں سے بڑا حاکم۔ سارے عالموں سے بڑا عالم ہو اور ہر غالب پر غالب ہو۔ بھائیو! بس وہی دن روزِ قیامت ہے۔ اور ایسی قدرتوں کا مالک وہ حاکم خدا تعالیٰ ہے جو اس روز عرشِ عدالت پر جلوہ فرما کر بُروں کو ان کی برائی کی سزا دے گا۔ اور نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا دے گا۔

بھائیو! اس دنیا میں تو چاہے کوئی کتنا بڑا حاکم ہو۔ اس کے اختیارات بہر حال محدود ہونگے۔ دیکھئے آج اگر ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو ناحق قتل کر دے تو اس کی سزا پھانسی ہے۔ اور اگر کوئی شخص دو آدمیوں کو قتل کر دے تو چاہیئے کہ اُسے سزا بھی دو بار پھانسی کی دی جائے۔ اور اگر کوئی تین آدمیوں کو قتل کر دے تو اُسے تین بار پھانسی دی جائے۔ مگر اس دنیا میں کوئی کتنا بڑا بھی حاکم کیوں نہ ہو وہ مجبور ہے سوا ایک بار پھانسی دینے کے علاوہ وہ دوسری بار پھانسی دے ہی نہیں سکتا یہ اس کے بس کی بات نہیں۔ ایک آدمی کے قاتل کی بھی سزا وہی ایک بار پھانسی۔ اور سو آدمیوں کے قاتل کے بھی سزا وہی ایک بار پھانسی۔ اب یہاں ایک عقل کا بھی یہ تقاضہ ہے۔ کہ کوئی دن ایسا بھی ضرور ہو۔ کوئی ایسا بااختیار حاکم بھی ہو۔ جس دن اس بااختیار حاکم کے زبردست ہاتھ سے ایسے مجرم کو اس کے جرم کی سزا پوری پوری ملے۔ چنانچہ وہ روزِ قیامت ہے۔ اور وہ حاکم اللہ ہے۔ اور وہ زبردست ہاتھ اللہ کا دستِ قدرت ہے۔ جو ایسے مجرموں کو ان کے متعدد جرموں کی سزا اس صورت میں دے گا۔ کہ

کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ط (پ۵۔ ع ۵)

جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل

دیں گے۔ کہ عذاب کا مزہ چکھیں۔"

دیکھا آپ نے اللہ کے دست قدرت کی شان قدرت کو، کہ متعدد جرموں کے بدلے میں بار بار مارا اور جلایا جائے گا۔ تاکہ ان کے جرموں کی پوری پوری سزا مل سکے۔"

دوسری جگہ خدا فرماتا ہے کہ جہنمیوں سے یوں کہا جائے گا۔ کہ

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا

(پ - ع ۱۰)

آج ایک موت نہ مانگو۔ اور بہت سی موتیں مانگو"

یعنی یہ اس احکم الحاکمین، اور قادر مطلق کی سزا ہے۔ کہ ایک بار مرنے کے بعد تمہیں بار بار مرنا ہوگا۔ سو قتل کر کے دنیا میں تو ایک بار کی پھانسی تھی۔ مگر یہاں ہر پھانسی کے بعد دوسری پھانسی تیار ہے اور اس قسم کی سزا بجز روز قیامت کے یہاں اس دنیا میں ناممکن ہے۔ اور بجز خدا کے کسی کے اختیار میں نہیں۔

بھائیو! اس میری تقریر سے ثابت ہو گیا۔ کہ عقل کا بھی یہ تقاضا ہے۔ کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا۔ جس دن نیک و بد اعمال کی جزا و سزا مل کر رہے گی۔

زلزلہ

ہاں تو بھائیو! قیامت کا روز آنے والا ہے اور میں نے جو سورۃ شریفہ پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز ہونے والے واقعات کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا کہ اس روز زمین میں زلزلہ آئے گا۔ اسی واسطے اس سورۃ کا ایک نام سورۃ زلزلہ بھی ہے۔ یہ زلزلہ آئے گا اور یہ زلزلہ بڑا ہولناک ہوگا۔ دنیا میں اب بھی زلزلے آئے اور آتے رہتے ہیں۔ اس کی تباہیاں و ہولناکیاں دیکھنے سننے میں آتی رہتی ہیں جس خطے میں زلزلہ آتا ہے ہاں ایک طرح کی قیامت ہی آجاتی ہے عمارات و مکانات و باغات سب نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف ہلاکت ہی ہلاکت نظر آنے لگتی ہے۔ اور انسان نفسی نفسی کے عالم میں نظر آنے لگتا ہے۔"

کوئٹہ کا زلزلہ

۱۹۳۵ء میں کوئٹہ میں جو ہولناک زلزلہ آیا تھا۔ اس رات میں وہیں تھا۔ انجمن اسلامیہ کی دعوت پر تقریر کے لیے گیا تھا۔ رات کو تقریر کی۔ اس رات تقریباً تین بجے کوئٹہ کی زمین یوں ہلنے لگی۔ جیسے کوئی کاغذ کا پُرزہ تیز ہوا میں تھر تھراتا ہے۔ الامان والحفیظ۔ مجھے آج تک وہ ہولناک مناظر یاد ہیں۔ میں کوئٹہ کے محلہ اسلام آباد میں مقیم تھا اس محلہ کے سارے مکانات یک منزلہ تھے۔ اس لیے یہ محلہ دوسرے محلوں کی نسبت بہت زیادہ محفوظ رہا۔ کوئٹہ میں ایک بابو محلہ تھا۔ جہاں دو دو اور تین تین منزلہ مکانات تھے۔ سب سے زیادہ تباہی اُسی محلے میں ہوئی۔ اس لیے کہ زمین ہلنے سے جو لوگ مکانوں میں رہ گئے مکان گرنے سے وہ اندر دب گئے اور جو لوگ مکانوں سے نکل کر باہر سڑکوں پر آگئے۔ بلند و بالا عمارتیں جب گریں گے۔ تو سڑک پر آ کر گریں۔ اور لوگ وہیں نیچے دب گئے اگر یہ مکان زیادہ بلند نہ ہوتے تو گرنے پر وہیں اپنی بنیادوں کے آس پاس گرتے محلہ اسلام آباد میں زیادہ تر مکانات یک منزلہ تھے۔ اس لیے وہاں مکان گرے بھی کم، اور جو گرے اِن سے نقصان بھی کم ہوا۔

بلند مکان

حضرات! اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک سنیئے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ ہم ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے۔ کہ راستے میں آپ نے ایک بلند مکان دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور فرمایا یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی۔ حضور! یہ فلاں انصاری کا مکان ہے حضور خاموش ہو گئے۔ لیکن اس بات کو دل میں رکھا حتیٰ کہ جب مالک مکان حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارے لوگوں میں سلام عرض کیا تو حضور نے رخ انور پھیر لیا۔ اور جب جواب نہ دیا۔ کئی بار ایسا ہوا وہ اسلام عرض کرتا اور حضور رُخِ انور پھیر لیتے۔ مالک مکان سمجھ گیا کہ حضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات پر مجھ سے خفا ہیں۔ چنانچہ اس نے صحابہ کرام سے اس امر کی شکایت کی۔ اور پوچھا۔ کہ کیا بات ہے؟ صحابہ نے جواب دیا اور تو کچھ

پتہ نہیں۔ ہاں حضور نے تمہارا بلند مکان دیکھ کر دریافت کیا تھا کہ یہ کیا ہے؟ ہم نے بتایا۔ کہ یہ مکان تمہارا ہے۔ مالک مکان یہ ہے۔ مالک مکان یہ بات سن کر فوراً نکلا۔ اور گھر آکر اپنے بلند مکان کو اسی وقت گرا دیا اور زمین کے ساتھ برابر کر دیا پھر ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے۔ تو وہ بلند مکان نہ دیکھا اور دریافت فرمایا کہ وہ بلند مکان کیا ہوا؟ صحابہ نے بتایا کہ حضور! اس نے آپ کی ناراضگی محسوس کر کے ہم سے وجہ دریافت کی تھی تو ہم نے اسے اتنا بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بلند مکان کے متعلق پوچھا تھا۔ یا رسول اللہ! وہ اسی وقت گھر آیا اور اپنا یہ بلند مکان اس نے گرا کر زمین کے برابر کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَّبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَا لَا مَا لَا يَعْنِيْ مَا لَابُدَّ مِنْهُ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۴۳)

جان لو! ہر عمارت اس کے مالک کیلئے وبال ہے۔ مگر وہ جو ضروری ہو۔

شارحین حدیث نے اس موقعہ پر لکھا ہے۔ کہ عمارت سے مراد وہ عمارت ہے۔ جو بلا ضرورت تفاخر، اور اپنی امارت دکھانے کے لیے ہو اور جس کی ضرورت و احتیاج ہے۔ وہ اس سے مراد نہیں۔ میرے بھائیو! ذرا غور کرو حضور کے اس ارشاد کو کہ ایسی بلند و بالا عمارتیں مالک کے لیئے واقعی وبال بن جاتی ہے کوئٹہ میں ہم نے دیکھا ہے۔ کہ جتنی بلند عمارت تھی۔ اتنا ہی زیادہ وبال نازل ہوا دنیا کی نظر جہاں تجربوں۔ مشاہدوں کے بعد پہنچی ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ نے چودہ سو سال پہلے ہی وہ حقائق بیان فرما دیئے آج کل کے یہ دنیا پرست چالیس چالیس منزلوں کی عمارات بنا کر اور پھر ان پر بذریعہ لفٹ چڑھ کر بڑا خوش ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی عمارات واقعی وبالِ جان کا سامان بھی ساتھ لیئے ہوئے ہوتی ہیں ایسی عمارات کو اگر آگ لگ جائے تو پھر ایک مکان کے مکینوں کو نہیں بلکہ

کئی مکانات کے مکینوں کی جانیں خطرے میں پڑھ جاتی ہیں۔ اور اس قسم کی صرف ایک عمارت کے جل جانے، یا گر جانے سے ہزاروں جانیں ہلاک ہو جاتی ہیں۔

بھائیو! ایسی عمارتیں انسان کی غفلت کا شاہکار ہوتی ہیں۔ ؎

کتنا اونچا قصرِ دنیا کو بنائے جاؤ گے
کتنی گہری اس کی بنیادیں کھدائے جاؤ گے
کتنا عرض اور طول میں اس کو بڑھائے جاؤ گے
کھینچ کر اس کا کہاں تک سلسلہ لے جاؤ گے
اس کو کیا چلتی دفعہ سر پر اٹھائے جاؤ گے
آئے تھے کیا لائے تھے جاؤ گے کیا لے جاؤ گے

صحابہ کرام

حضرات! اس موقعہ پر آپ صحابہ کرام کا ایمان ہے ملاحظہ فرمایئے کہ اس انصاری نے جس کا وہ مکان تھا۔ جب اتنا معلوم ہوا کہ حضور نے اس اونچے بلند مکان کا دریافت فرمایا تھا۔ شاید اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب نہیں دیتے۔ بس یہ معلوم کرتے ہی حضور سے پوچھنے بھی نہیں گئے۔ یا رسول اللہ! کیا آپ میرے بلند مکان کی وجہ سے ناراض ہیں؟ بلکہ سیدھے اپنے گھر گئے اور اپنا مکان گرا دیا سبحان اللہ! کیا پکے ایمان تھے بھائیو! یہ حقیقت ہے۔ پہلے زمانہ اور ہمارے اس نئے زمانہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بھائیو! پہلے لوگوں کے مکان کچے تھے۔ لیکن ایمان پکے تھے اور آج کل مکان پکے ہیں لیکن ایمان کچے ہیں پہلے زمانہ میں گھروں میں اندھیرا تھا۔ لیکن دلوں میں نورِ ایمان کی روشنی تھی۔ اور اب کوٹھیوں میں روشنی ہے اور دلوں میں اندھیرا ہے

؎

آج کل کی روشنی نے کر دکھائے کام دو
گھر کو روشن کر دیا دل میں اندھیرا کر دیا

یہ میرا شعر ہے۔ اس نظم کا مطلع بھی سنئے بڑا پُر لطف ہے۔

اس نئی تہذیب نے دیکھو تو یہ کیا کر دیا
حسن سستا کر دیا۔ اور آٹا مہنگا کر دیا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پہلے لوگوں کے کچے مکان اور ایمان پکے تھے۔ لیکن آج کل مکان پکے اور ایمان کچے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

حضرات! آج کل یورپ کی ظاہری شان و شوکت اور اغیار کی برائے نام ترقی دیکھ کر بعض لوگ یوں کہا کرتے ہیں۔ کہ صاحب! ان مولویوں نے تو ہمیں ترقی کرنے سے روک رکھا ہے دنیا میں دل نہ لگاؤ۔ بلند و بالا مکان نہ بناؤ رشوت نہ کھاؤ۔ بلیک نہ کرو۔ یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ بس ان کے یہ وعظ سے کر بیٹھ گئے ہیں۔ دیکھئے یورپ والے شرابیں پیتے جوا کھیلتے، بے حیائی و عریانی کو اپناتے ہیں اور سب کچھ کرتے ہیں اور ترقی کر رہے ہیں ہندوؤں کو دیکھئے۔ بت پرستی کرتے ہیں دغا بازیاں اور مکاریاں کرتے پھر بھی وہ ترقی کر رہے رہیں پھر ہم مسلمانوں کے لیئے ہی ان باتوں سے رکنا کیوں ضروری ہے۔ بھائیو! خوب یاد رکھو۔ کہ ہم مسلمان ہیں ہماری تہذیب ہمارا تمدن بالکل الگ تھلگ اور لطیف و نفیس ہے ہر شخص کا مزاج دوسرے سے الگ ہوتا ہے اور طبیب جب مریض کا علاج کرنے لگتا ہے تو اس کے لئے نسخہ اس مزاج کے مطابق تیار کرتا ہے مریض کو چاہیئے۔ کہ وہ دوسروں کے مزاج کو نہ دیکھے اپنے مزاج کو دیکھے اور اس کے مزاج کے مطابق جو نسخہ تجویز کیا گیا ہے وہ اسی پر عمل کرے اور اگر دوسروں کے مزاج کو دیکھتا پھرے گا تو یقیناً خراب ہو گا۔ دیکھئے! دودھ بعض لوگوں کے مزاج کے موافق ہوتا ہے بعض کے موافق نہیں ہوتا۔ بعض لوگ لسی پی کر خوش رہتے ہیں اور بعض اُسے پی کر بیمار ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو چائے کے عادی ہیں اور بعض اس کے نزدیک بھی نہیں جاتے کئی لوگ ایسے ہیں جن کو بھڑ یا بچھو بھی کاٹ لے۔ تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ بھڑ یا بچھو خود ہی مر جاتے ہیں۔ تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ ایسے شخص کو دیکھ کر اب دوسرے بھی بھڑوں کے

چھتے ہیں ہاتھ ڈالیں۔ اور پھوڑوں کو پکڑنے لگیں؟ اور اگر کوئی منع کرے۔ تو یوں کہنے لگیں کہ صاحب ــــ دیکھئے فلاں شخص کو اُن پھڑوں، پھوڑوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا تو ہمیں بھی کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ بھائیو! یہاں آپ کیا کہیں گے؟ یہی نا! کہ پھڑوں اور پھوں سے یقیناً بچنا ہی پڑے گا۔ اسی طرح خوب سمجھ لیجئے کہ کفار اور اغیار کا مزاج اور ہے مسلمانوں کا مزاج اور، اغیار رشوتیں کھائے حرام کھائیں۔ خنزیر کھائیں اُن کا مزاج اس حرام غذا کے موافق ہے لیکن مسلمانوں کا مزاج بڑا ہی لطیف و نفیس ہے وہ ان ناپاک غذاؤں کا ہرگز متحمل نہیں ہو سکتے اسی واسطے ہمارے طبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیئے جو نسخہ شفا تجویز فرماتا ہے۔ اس کے ساتھ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ کے مطابق ہر خبیث و ناپاک چیز سے پرہیز بتائی ہے۔ اور یہ نسخہ شفا اور ہدایت مسلمانوں کے لیئے ہیں اغیار کے لئے نہیں۔

لطیفہ دہلی کا ایک طبیب کسی پنجابی گاؤں پہنچا۔ تو ایک دہقانی کو دیکھا جس نے باجرے کی چار بڑی بڑی روٹیاں کھا کر بعد میں ایک لسّی کا بہت بڑا پیالہ پی لیا۔ حکیم صاحب تھے دہلی کے رہنے والے جہاں چاروں طرف نزاکت و لطافت نظر آتی ہے دہلی کی روٹیاں جو چپاتیاں کہلاتی ہیں۔ اتنی ہلکی پھلکی، اور نزاکت اور ننھی مُنّی ہوتی ہیں۔ کہ پنجابی کا ایک چپاتی ہے ایک لقمہ بنتا ہے حکیم صاحب نے باجرے کی بڑی بڑی چار روٹیاں کھاتے وقت دیکھا اور اُن کے بعد لسّی کا بڑا پیالہ پیتے دیکھا تو اس دہقانی سے کہنے لگے اب تمہاری خیر نہیں۔ تمہارا معدہ اتنی ثقیل غذا کا متحمل نہ ہو سکے گا اور تمہیں ہیضہ ہو جائے گا ہاں اگر تم دو روٹیاں کھا کر لسّی پی لیتا، اور باقی کی دو روٹیاں لسّی پینے کے بعد کھاتے۔ لسّی درمیان میں رکھتے تو اس صورت میں ممکن تھا کہ تم بچ جاتے مگر اب تمہاری خیر نہیں۔ دہقانی یہ بات سن کر حکیم صاحب سے کہا اچھا حکیم جی اگر لسّی درمیان ہو جاتی تو میں بچ جاتا حکیم جی نے کہا ہاں! ۔ دہقانی نے اپنی بیوی کو آواز دی کہ لائیو چار روٹیاں اور تاکہ میں انہیں کھا کر لسّی کو درمیان کر لوں۔

چنانچہ وہ اور چار روٹیاں منگوا کر کھا گیا اور پھر حکیم صاحب سے کہنے لگا کیوں حکیم

جی! اب تو میں بچ جاؤں گا نا!

حکیم صاحب بولے۔ بھئی یہ میرے نسخے اور میری ہدایات تمہارے لیے نہیں یہ تو شہر کے رہنے والے لطیف و نفیس معدے رکھنے والوں کے لیے ہیں

ہاں تو بھائیو! یہ قرآنی ہدایات و شرعی ارشادات مسلمانوں کے لیے ہیں اغیار اگر رشوت کھاتے ہیں تو کھاتے دو۔ تم اگر حرام کھاؤ گے۔ حرام اپناؤ گے۔ تو تمہارے مزاج اسے ہرگز نہیں قبول کریں گے اور تمہیں یقیناً تکلیف ہو گی۔ یہاں اگر نہیں تو کل قیامت کو تو یقیناً ہو گی۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ اس حرام خوری کا اثر تمہیں یہیں نظر آئے۔ یہاں نہیں تو قیامت کے روز ضرور اس کا اثر بد ظاہر ہو گا اور تکلیف ہو گی۔

ایک مثال دیکھئے۔ ایک شخص کچی یا جلی ہوئی روٹی کھائے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ اُسے اسی وقت پیٹ میں درد ہونے لگے۔ بعض اوقات دو دو گھنٹے کے بعد، بعض دفعہ سارا دن گزرنے کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور پیٹ میں درد شروع ہو جاتی ہے۔

دُعاء اسی طرح دعا کی قبولیت کا ظہور بھی ضروری نہیں۔ کہ دعاء مانگنے کے ساتھ ہی ہو جائے۔ خدا تعالیٰ دعاء قبول فرما لیتا ہے۔ لیکن اس قبولیت کا ظہور کسی دوسرے وقت میں ہوتا ہے۔ دیکھئے آپ کو اگر کوئی دِن کے بارہ بجے ہی شام کے کھانے کی دعوت دے۔ تو آپ وہ دعوت قبول تو بارہ بجے ہی کر لیتے ہیں۔ لیکن اس قبولیت کا ظہور شام کے وقت جب آپ اس کا کھانا کھاتے ہیں ہوتا ہے۔

اس طرح بندے کی دعاء خدا تعالیٰ قبول تو دعاء مانگنے کے وقت ہی فرما لیتا ہے لیکن اس قبولیت کا ظہور اللہ تعالیٰ اس وقت فرماتا ہے جو وقت اس کے لیے مناسب ہو۔ بندے کا علم چونکہ محدود ہے۔ اس لیے وہ اپنے محدود علم کے باعث قبول دعاء کے ظہور میں تاخیر ہوتے دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے ازلی و غیر محدود علم کی بنا پر ظہور قبولیت اپنے وقت پر فرماتا ہے۔

بھائیو! ہم چونکہ محدود علم رکھتے ہیں۔ اور ہماری نظروں میں صرف اپنا

ہی مفاد ہوتا ہے۔ اس لیئے ہم چاہتے ہیں کہ ہم نے جو مانگا ہے فوراً ہو جائے مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں چونکہ ساری مخلوق ہے، اس لیئے اس کا ہر ہر کام حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

ایک حکایت چنانچہ یہی بات سمجھانے کے لیے ایک شخص کی حکایت بزرگوں نے لکھی ہے۔ جس کی دو لڑکیاں تھیں ایک لڑکی اس کی، ایک زمیندار کی بیوی تھی۔ اور دوسری ایک کمہار کی۔ باپ ایک دن اپنی زمیندار کی لڑکی کے گھر گیا۔ تو لڑکی نے التجا کی۔ ابا جان! دعا کیجیئے۔ خدا تعالیٰ روز مینہ برسائے۔ ہم نے منجی (چاول) بو رکھی ہے۔ اس کی فصل اچھی ہو جائے۔ اس کے بعد اپنی کمہار لڑکی کے پاس گیا۔ تو وہ بولی۔ ابا جان دعاء کیجیئے۔ خدا تعالیٰ روز کی دھوپ لگائے ہم نے آوی (برتن پکانے والی بھٹی) چڑھا رکھی ہے تاکہ ہمارے برتن اچھے پک جائیں۔ باپ نے دل میں سوچا۔ کہ اگر میں بارش کے لیئے دعاء کروں تو کمہار لڑکی کا نقصان ہوتا ہے۔ اور اگر دھوپ کے لیئے دعاء کروں۔ تو زمیندار لڑکی کا کچھ نہیں رہتا۔ آخر سجدے میں گر کر عرض کی۔ الٰہی! تو حکیم و دانا ہے، جو بہتر ہے وہ کر۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے کچھ دن تو زور کی دھوپ نکالی تاکہ کمہار لڑکی کی بھی بھٹی پک جائے اور پھر زوردار بارش کی۔ تاکہ زمیندار کی فصل پک جائے اور اس دونوں کا کام بن گیا۔

مقصد میرا یہ ہے۔ کہ کمہار لڑکی کو اپنا مفاد منظور تھا اور دوسری کو اپنا مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں دونوں تھیں۔ اس لیئے اس نے کچھ روز دھوپ رکھی۔ اور پھر بارش فرما دی۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ قیامت کے روز ایک زبردست زلزلہ آئے گا۔ ایسا کہ الامان والحفیظ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ کُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ

حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى
وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ٥

(پ ١٧ - ع ٨)

بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے جس دن اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل والی اپنے حمل کو گرا دے گی۔ اور تو لوگوں کو دیکھے گا۔ جیسے نشہ میں ہیں اور وہ نشہ میں نہ ہوں گے مگر ہے یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے۔"

سنا آپ نے قیامت کا زلزلہ کس درجہ ہیبت ناک ہو گا۔ اس روز زمین ایسی تھرتھرانے لگے گی۔ کہ اس پر کوئی عمارت اور کوئی درخت باقی نہ رہے گا سب ٹوٹ پھوٹ جائیں گے اور اس زلزلے کی وجہ سے زمین کے اندر جو کچھ ہے۔ مردے اور خزانے وغیرہ زمین سے باہر نکل کر آپڑے گا۔ حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تَقِيْئُ الْاَرْضُ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا اَمْثَالَ الْاَسْطُوَانَةِ مِنَ الذَّهَبِ فَيَجِيْئُ الْقَاتِلُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَتَلْتُ وَيَجِيْئُ الْقَاطِعُ رَحِمَهٗ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قَطَعْتُ رَحِمِيْ وَيَجِيْئُ السَّارِقُ فَيَقُوْلُ فِيْ هٰذَا قُطِعَتْ يَدِيْ ثُمَّ يَدَعُوْنَهٗ فَلَا يَأْخُذُوْنَ مِنْهُ شَيْئًا۔

(رواہ مسلم روح البیان ص ۴۸۸)

قیامت کے روز زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی۔ چاندی سونے کے ستون جیسے ٹکڑے باہر پڑے ہوں گے۔ قاتل کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے قتل کیا تھا۔ اور قطع رحم کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اس کے لئے عزیزوں کو چھوڑا تھا اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اس کے لیے میرے ہاتھ کاٹے گئے پھر ان سے کہا جائے

گا۔ کہ اٹھالو۔ مگر وہ کچھ بھی نہ لیں گے۔"

میرے بھائیو! اس ارشاد کو سنو! اور سبق حاصل کرو۔ اور ڈرو اس ہولناک دن سے۔ جس دن یہ سونا چاندی اور مال و دولت سب بیکار نظر آئیں گے اور اس کی خاطر قتل کرنے والے، اور چوریاں کرنے والے پشیمان و پریشان نظر آئیں گے

میرے بھائیو!

آجکل ذرا سوچو تو سہی۔ کہ آج کیا ہو رہا ہے۔ اس مالِ دنیا کے لیے چوریاں ہو رہی ہیں۔ قتل ہو رہے ہیں اور ہزار ہا مکر و فریب کے جال پھیلائے جا رہے ہیں۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آجکل اکثر نے مال دنیا ہی کو قبلہ و کعبہ بنالیا ہے جس کے پاس مال ہو اسی کو معزز اور صاحبِ کمال سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ مال تو قارون کے پاس بہت تھا۔ لیکن کیا وہ معزز و صاحبِ کمال تھا؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کے نزدیک وہ ذلیل ترین اور مستحق عذاب شخص تھا چنانچہ اس کو ذلت آمیز عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ اور زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔ افسوس کہ آج کل اس کے مال کے لیے شرعی پابندیوں کے علاوہ قانونی پابندیوں کی بھی پروا نہیں کی جاتی۔ اور اس چند روزہ زندگی میں مال کی محبت میں منہمک ہو کر قیامت کے ہولناک دن کو بھول جاتے ہیں۔"

مالِ دُنیا حضرات! یہ مال و دنیا شریعت کی حدود کے اندر رہ کر حاصل کریں تو برا نہیں بلکہ اس کی ضرورت بھی ہے۔ بزرگوں نے اس کی مثال کشتی اور پانی کی دی ہے۔ جس طرح کشتی کے لیے پانی ضروری ہے۔ اگر پانی نہ ہو تو کشتی چل نہیں سکتی اسی طرح اگر یہ روپیہ پیسہ نہ ہو تو کئی نیک کاموں کی کشتی بھی نہیں چل سکتی مثلاً پیسہ نہ ہو تو حج کیسے ہو گا۔ صدقات و خیرات کیسے ہو گا لیکن پانی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کشتی سے باہر باہر رہے اگر وہی پانی کشتی کے اندر آ جائے گا۔ تو بجائے اسے تیرانے کے اُسے ڈبو دے گا۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب اندر زیر کشتی پشتی است
مال اگر بہر دین باشی حمول!
نعم مالٌ صالحٌ، گفتہ رسول

بھائیو! یہ دنیا کا مال ایک ایسا سکہ ہے۔ جو قیامت کے روز نہیں چلے گا جہاں ہم نے جانا ہے۔ اس بازار کا سکہ یہ نہیں۔ اس بازار کا سکہ نیک اعمال ہیں افسوس! کہ ہم دنیا میں ایسے منہمک ہو گئے۔ کہ جہاں ہم نے ہمیشہ کے لیئے جانا ہے وہاں کے بازار کا سکہ تو ہمارے پاس ہے نہیں اور جو سکہ ہمارے پاس ہے وہ وہاں چلنے والا نہیں۔ آج کل جو لوگ نیک اعمال کو تو بے سود بتاتے ہیں۔ اور مالِ دنیا کے جمع کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں ان کو کل پتہ چلے گا کہ یہ امر جیسے بے سود سمجھتے رہتے۔ یہی سود مند تھا۔ اور جسے ہم سود مند جانتے رہے وہ بیکار ہی نکلا۔ ؎

فَسَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ
اَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِکَ اَمْ حِمَارٌ

یعنی عنقریب تم دیکھ لوگے۔ جب آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا تو تمہیں پتہ چلے گا۔ کہ تمہارے نیچے گھوڑا ہے۔ یا گدھا!"

اس وقت تو خواب کا سا نقشہ ہو رہا ہے۔ جب آنکھ کھلے گی۔ پتہ اس وقت چلے گا۔ کہ ہم سراسر خسارے میں تھے۔

ایک لطیفہ

ایک شخص کی حکایت ہے۔ جو ایک قسم کا لطیفہ ہی ہے۔ کہ وہ شخص ہمیشہ اپنے بستر پر پیشاب کر دیا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ کم بخت تجھ کو کیا ہو گیا کہ ہر روز بستر پر پیشاب کر دیتے ہو۔ اس نے کہا کہ خواب میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ کو سیر کے لیئے لے جاتا ہے۔ اور جب مجھ کو حاجت ہوتی ہے۔ کسی جگہ پر بٹھا کر کہتا ہے۔ پیشاب

کرے۔ میں پیشاب کر دیتا ہوں۔ بیوی نے کہا۔ کہ شیطان تو جنات میں سے ہے اور جنوں کو بڑے تصرفات دیئے گئے ہیں۔ آج رات اس سے کہنا کہ ہم بڑی غربت میں رہتے ہیں۔ ہم کو کہیں سے روپیہ دلا دے۔ خاوند نے کہا۔ اچھا آج اگر خواب میں آ گیا تو یہی کہوں گا۔ حسب معمول شیطان پھر خواب میں آیا تو اس نے کہا میاں تم روز مجھے پریشان کرتے ہو۔ کہنے لگا۔ ہم بڑے فقر و فاقہ میں رہتے ہیں ہمیں کہیں سے روپیہ دلا دے۔ شیطان نے کہا تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ روپیہ بہت چل میرے ساتھ۔ چنانچہ شیطان اُسے ایک جگہ لے گیا وہاں روپوں کا بہت سا ڈھیر لگ رہا تھا۔ شیطان نے کہا جتنا چاہو اٹھا لو۔ اس نے چادر بچھائی اور ایک بہت بڑی روپوں کی گٹھڑی بنائی۔ اُسے اٹھا لو۔ اس نے اٹھائی وہ اس قدر بھاری تھی۔ کہ بیچارے کا پاخانہ نکل گیا۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ بستر پر پاخانہ موجود ہے اور روپیہ کا پتہ بھی نہیں۔ اس حکایت سے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس عالم کی مثال بالکل خواب کی سی ہے اور جو طالبین دنیا ہیں ان کی مثال خواب دیکھنے والے کی ہے اور مال دنیا پاخانہ ہے۔ اس وقت ہم خواب غفلت میں ہیں ہم کو خبر نہیں۔ کہ ہم کیا جمع کر رہے ہیں۔ جب آنکھ کھلے گی۔ اس وقت معلوم ہوگا۔ کہ مال تو ندارد۔ اور پاخانہ یعنی گناہ موجود ہے اس وقت پھر کہیں گے، ہائے ہم تو بڑے دھوکہ میں تھے۔ جن کو ہم موتی سمجھتے رہے۔ وہ سب سنگریزے نکلے ہیں۔

گواہی

حضرات! قیامت کے روز زمین پر زلزلہ آنے کے بعد پھر خدا تعالیٰ نے زمین کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا۔

اس دن زمین اپنی خبریں بتائے گی۔ اور اپنے جملہ اخبار و حالات بیان کرے گی اور سنائے گی۔

کہ فلاں شخص نے مجھ پر نماز پڑھی۔ اذان دی۔ فلاں شخص نے مجھ پر درود

شریف پڑھا۔ اور یہ بھی بتائے گی کہ فلاں شخص نے نمازیوں پر آواز کیسے دی اور فلاں نے درود شریف پڑھنے والوں پر شرک و بدعت کے فتوے لگائے۔ جیسا کہ آج کل اکثر دیکھنے میں آتا ہے ماڈرن قسم کے لوگ نمازیوں پر مذاق اڑاتے اور ان پر پھبتیاں کہتے ہیں۔"

چنانچہ ایک نمازی نماز پڑھ کر جب مسجد سے نکلا تو اسی قسم کے ایک ماڈرن شخص نے اس سے کہا۔ کہو میاں نمازی نماز پڑھنے سے کیا ملا ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔ نمازی نے جواب دیا۔ بھئی ابھی تو میں بیج بو کر آیا ہوں۔ کل قیامت کے روز جب میں اس عمل کے درخت کا پھل پاؤں گا۔ تو تمہارے جیسے مونہہ تکتے رہ جائیں گے۔

بھائیو! یہ دنیا دارالعمل ہے۔ کچھ بیجو گے تو کل پھل پاؤ گے ورنہ پچھتانا پڑے گا۔"

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

یہ اعلیٰ حضرت کا شعر ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو شفیع المذنبین ہیں اُن سے آج تعلق پیدا کر۔ ان کی پناہ حاصل کر۔ اور ان سے مدد مانگ اور اگر آج تم نہیں مانتے تو کل پھر حضور نہ مانیں گے اگر حضور ہی نے تمہاری مدد نہ فرمائی تو پھر وہاں بچانے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ وہاں گنہگاروں کو شفاعت درکار ہوگی۔ اور شفاعت کے لیئے صرف حضور ہی ہوں گے۔ چنانچہ آپ ہی یوں فرمائیں گے

اَنَا لَهَا ـــــ اَنَا لَهَا
میں ہوں شفاعت کے لیئے۔ میں ہوں شفاعت کے لیئے

۵

کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ
مرے حضور کے لب پر اَنَا لَهَا ہوگا۔

یعنی قیامت کے روز سب نبی یہی فرمائیں گے کہ کسی دوسرے کے پاس جاؤ۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے آؤ۔ آؤ۔ میں ہوں تمہاری شفاعت کے لیئے

پڑھیے درود شریف۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

دنیا و آخرت میں جائے پناہ

حضرات! ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دونوں جہاں کے لیئے جائے پناہ ہیں۔ اور ہم یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد چاہتے ہیں اور کل قیامت کے روز بھی چاہیں گے۔

میرے بزرگو! یہ جو لوگ آج ہمیں شرک و بدعت کے فتووں کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحرف ندا پکارنا اور ان سے مدد چاہنا شرک ہے۔ یہ خود اپنے اکابر کو پکارتے اور ان سے مدد چاہتے چنانچہ دیوبندی حضرات کے حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب نے اپنے پیر سے بایں الفاظ پکار کر مدد چاہی ہے۔ کہ ؎

یَا مُرْشِدِیْ یَا مُوْئِلِیْ یَا مُفْزِعِیْ

یَا مَلْجَائِیْ فِیْ مَبْدَئِیْ وَ مَعَادِیْ

اِرْحَمْ عَلَیَّ یَا غِیَاثُ فَلَیْسَ لِیْ

کَھْفٌ سِوٰی حُبِّکُمْ مِنْ زَادِیْ

یَا سَیِّدِیْ لِلّٰہِ شَیْئًا اَنْتُمْ !!

اَنْتُمْ لِیَ الْمُجْدِیْ وَاِنِّیْ جَادِیْ

(تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۱۳ ج ۱)

اے میرے مرشد! اے میرے مولا! اے میری وحشت کے انیس! اور اے میری دنیا و آخرت کے جائے پناہ اے میرے فریادرس

مجھ پر ترس کھاؤ۔ کیونکہ میں حب کے سوا کوئی زادِ راہ نہیں رکھتا اے میرے سردار! اللہ کے لیئے کچھ عطا کیجیئے۔ آپ میری معطی ہیں اور ہیں سائل "

ملاحظہ فرمایئے۔ آپ میرے مرشد کو حرفِ ندا سے پکارا بھی گیا اور ان سے مدد بھی چاہی گئی۔ اور شیئاً للہ بھی کہا گیا۔ مگر افسوس کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حرف ندا پکارنا اور ان سے مدد چاہنا اچھا نہیں لگتا۔ خدا تعالیٰ ایسی غلطیوں سے بچائے

(آمین)

ہاں تو یہ زمین ہر نیک و بد کام کی گواہی دے گی۔ اور اس طرح کہ بول کر گواہی دے گی۔ چنانچہ جمہور کا یہی قول ہے کہ۔

حَيْثُ يَنْطِقُهَا اللهُ تَعَالٰى نَتَخْبِرُ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ خَيْرٍ وَّ شَرٍّ۔

(روح البیان صہ ۴۸۸ جلد ۴)

یعنی اللہ تعالیٰ زمین کو گویائی عطا فرمائے گا۔ اور وہ ہر اس نیک اور برے کام کی خبر دے گی۔ جو اس پر کیا گیا ہو گا "

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی اسی تفسیر میں ایک روایت درج فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن صعصعہ سے فرمایا

يَا بُنَيَّ اِرْفَعْ صَوْتَكَ بِالْاَذَانِ فَاِنِّيْ
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُوْلُ لَا يَسْمَعُهٗ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا حَجَرٌ
وَّلَا شَجَرٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ۔

اے بیٹا! اذان دو تو بلند آواز سے دو کیونکہ میں نے رسول اللہ علیہ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ اذان کی جو آواز جو انسان جن پتھر۔ اور درخت سنے گا وہ قیامت کے روز گواہی دے گا

علامہ موصوف نے دوسری روایت یہ درج فرمائی ہے کہ حضرت ابوامیہ کو دیکھا گیا۔ کہ آپ نے مسجد حرام میں نماز فرض پڑھ کر پھر جگہ بدل کر نماز پڑھی۔ پھر وہ جگہ بھی بدل کر دوسری جگہ پڑھی۔ اسی طرح آپ نے مختلف جگہوں پر نمازیں پڑھیں۔ دوستوں نے اس کی وجہ پوچھی تو یہی آیت یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا پڑھ کر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ زمین کے یہ مختلف ٹکڑے قیامت کے روز میرے حق میں گواہی دیں۔ کہ میں نے ان پر نماز پڑھی ہے"

(روح البیان ص ۶۸۸ جلد ۴)

قرآن پاک کے اس ارشاد کے مطابق ہر صاحبِ ایمان کا اس امر پر ایمان ہے کہ قیامت کے روز زمین ہمارے ہر اچھے، بُرے عمل کی گواہی دے گی۔ خدا تعالیٰ ہمارے اس ایمان کو قائم رکھے"

(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝




لیسٹر
اپنی اپنی


ذخیرۂ کتب
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری
(1955-2016)
جھنگ - پنجاب

حدیثِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ ۔ اَلطِّیْبُ
وَالنِّسَآءُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔
فَقَالَ اَبُوْبَکْرِنِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی
عَنْہُ صَدَقْتَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ وَحُبِّبَ
اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلَاثٌ ۔ اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ
رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاِنْفَاقُ مَالِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ
وَاَنْ یَّکُوْنَ اَبْنَتِیْ تَحْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ
فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ صَدَقْتَ
یَا اَبَا بَکْرٍ۔ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا
ثَلَاثٌ ۔ اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ

عَنِ الْمُنْكَرِ - وَالثَّوْبُ الْخَلِقُ - فَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - صَدَقْتَ يَا عُمَرُ - وَحُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا ثَلَاثٌ - إِشْبَاعُ الْجِيعَانِ وَكِسْوَةُ الْعُرْيَانِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ - فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ صَدَقْتَ يَا عُثْمَانُ وَحُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا ثَلَاثٌ - اَلْخِدْمَةُ لِلضَّيْفِ وَالصَّوْمُ فِي الصَّيْفِ وَالضَّرْبُ بِالسَّيْفِ - فَبَيْنَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ جَاءَ جِبْرِيْلُ وَقَالَ اَرْسَلَنِيَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمَّا سَمِعَ مَقَالَتَكُمْ وَ اَمَرَكَ اَنْ تَسْئَلَنِيْ عَمَّا اُحِبُّ إِنْ كُنْتُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا فَقَالَ مَا تُحِبُّ إِنْ كُنْتَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا فَقَالَ إِرْشَادُ الضَّالِّيْنَ وَمُوَانَسَةُ الْغُرَبَاءِ الْقَانِتِيْنَ وَمُعَاوَنَةُ اَهْلِ الْعِيَالِ الْمُعْسِرِيْنَ -

وَقَالَ جِبْرِيْلُ يُحِبُّ رَبُّ الْعِزَّةِ جَلَّ جَلَالُهُ مِنْ عِبَادِهٖ ثَلٰثُ خِصَالٍ بَذْلُ الْاِسْتِطَاعَةِ ـ وَالْبُكَاءُ عِنْدَ النَّدَامَةِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الْفَاقَةِ ؕ

(منبهات ابن حجر ص۲۱-۲۲ - باب الثلاثی)

لَمَّا وَصَلَ هٰذَا الْحَدِيْثُ اِلَى الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ فَقَالَ الْاِمَامُ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ اَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ تَحْصِيْلُ الْعِلْمِ فِیْ طُوْلِ اللَّيَالِیْ وَتَرْكُ التَّرَفُّعِ وَ التَّعَالِیْ وَقَلْبٌ مِّنْ حُبِّ الدُّنْيَا خَالِیْ۔

وَقَالَ الْاِمَامُ مَالِكٌ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ اَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ۔ مُجَاوَرَةُ رَوْضَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُلَازَمَةِ تُرْبَتِهٖ وَتَعْظِيْمُ اَهْلِ بَيْتِهٖ۔

وَقَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ

وَاَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ۔ عِشْرَۃُ الْخَلْقِ بِالتَّلَطُّفِ وَتَرْکُ مَا یُؤَدِّیْ اِلَی التَّکَلُّفِ وَالْاِقْتِدَآءِ بِطَرِیْقِ التَّصَوُّفِ وَقَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ وَاَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ۔ مُتَابَعَۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَخْبَارِہٖ وَالتَّبَرُّکُ بِاَنْوَارِہٖ وَسُلُوْکُ طَرِیْقِ اٰثَارِہٖ۔

(نزہتہ المجالس جلد ا صـ ۴۲)

(ترجمہ) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہاری دنیا کی تین چیزیں مجھے پسندیدہ ہیں۔ خوشبو، (منکوحہ) عورتیں، اور نماز جو میری آنکھ کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ، آپ نے سچ فرمایا۔ اور مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو دیکھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنا سارا مال خرچ کر دینا اور یہ بات کہ میری بیٹی (عائشہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے نکاح میں آ جائے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اے صدیق آپ نے سچ فرمایا۔ اور فرمایا۔ اور مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں اچھی بات کا حکم دینا بری بات سے روکنا۔ اور پرانا کپڑا ــــ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ــــ اے فاروقِ اعظم آپ نے۔

سچ فرمایا ___ اور مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں ___ بھوکوں کو کھانا کھلا کر ان کا پیٹ بھرنا۔ ننگوں کو کپڑے پہنانا۔ اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا ___ اے عثمان! ___ آپ نے سچ فرمایا ___ اور مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں ___ مہمان کی خدمت کرنا۔ گرمیوں میں روزہ رکھنا۔ اور تلوار سے جہاد کرنا ___ اتنے میں جبریل امین بھی آ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے۔ یارسول اللہ! ___ آپ کی یہ گفتگو سن کر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھیجا ہے تاکہ آپ مجھ سے دریافت فرمائیں۔ کہ اگر میں (جبریل) اہل دنیا میں سے ہوتا ہے۔ تو مجھ کو کونسی تین چیزیں پسند ہوتیں ___ حضور صلی اللہ علیہ فرمایا ___ اچھا تم بھی بتاؤ! ___ کہ تم اہل دنیا میں سے ہوتے تو تمہیں کون سی چیزیں پسند ہوتیں؟ ___ جبریل علیہ السلام بولے گمراہوں کو راستہ بتانا۔ اور اللہ کی عبادت کرنے والے غریبوں سے محبت کرنا اور تنگدست عیال داروں کی مدد کرنا ___ اس کے بعد جبریل امین نے بتایا ___ کہ خدا تعالیٰ کو بھی اپنے بندوں کی تین خصلتیں پسند ہیں ___ ہمت وطاقت کا خرچ کرنا اور شرم و ندامت کے وقت رونا۔ اور فاقہ کے وقت صبر کرنا۔

جب یہ حدیث ائمہ اربعہ تک پہنچی۔ تو حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی تین چیزیں بڑی پسند ہیں ___ ساری ساری رات جاگ کر علم حاصل کرنا۔ تکبر و غرور کو چھوڑنا اور دنیا کی محبت سے خالی دل۔"

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ___ اور مجھے بھی تین چیزیں بڑی پسند ہیں ___ سر سبز گنبد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے قرب و جوار میں رہنا۔ قبر انوار کے ساتھ لگنا ___ اور اہل بیت عظام کی تعظیم کرنا۔"

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ___ اور مجھے بھی تین چیزیں

بڑی پسند ہیں ـــــ مخلوق کے ساتھ لطف و کرم کے ساتھ پیش آنا ـــ تکلفات کو چھوڑنا اور تصوف کی راہ پر چلنا ''

حضرت امام احمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ اور مجھے بھی تین چیزیں بڑی پسند ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادت کی پیروی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے برکت حاصل کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا ''

پسند اپنی اپنی

واعظ کے دوسرے حصّہ کے لیئے میں نے ایک وعظ لکھا تھا۔ جس کا نام تھا۔ ''ایک حدیث کا وعظ''۔ یہ وعظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جامع دین و دنیا کی حدیث کی تفصیل و تشریح پر مشتمل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سامنے بیان فرمایا۔ کہ مجھے تین چیزیں بڑی پسند ہیں۔ پھر آپ نے ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔ آپ کی پسندیدہ چیزوں کو سننے کے بعد پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ان کے بعد پھر حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ان کے بعد پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ پھر ان کے بعد حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ پھر خود اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا ذکر فرمایا ـــــ یہ حدیث جب حضرت امام ابو حنیفہ۔ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک اور حضرت امام حنبل رحمتہ اللہ تعالےٰ علیہم تک پہنچی تو انہوں نے بھی اپنی تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ان تمام چیزوں پر جو میں نے وعظ لکھا۔ وہ بہت طویل ہو گیا اور اسے ''ایک حدیث کا وعظ'' کے نام سے الگ ایک کتاب کی صورت میں شائع کر دیا ـــــ لیکن اب اسے عزیزم عطاء المصطفیٰ جمیل ایم اے سلمہ ربہ کے

مشورہ پر پسند اپنی اپنی "" کے عنوان سے خطیب میں شامل کیا جا رہا ہے ۔ مجھے امید ہے کہ اس حدیث کے خطاب "خطیب" میں زیادہ موزوں ثابت ہوں گے ۔

ابو النور محمد بشیر





تیرھواں خطاب ۱۳

حضور کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ ۔ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ ۔

ترجمہ :۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ تمھاری دُنیا کی تین چیزیں مجھے پسندیدہ ہیں ۔ خوشبو ۔ (منکوحہ) عورتیں اور نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے"

حضرات! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن ہو یا حدیث، ہمارے لیے دونوں ہی سرچشمۂ ہدایت ہیں اور دین و دنیا میں کامیابی کا باعث ہیں۔ اور مسلمان کا دونوں ہی پر ایمان ہے۔ خداوند کریم کا ارشاد اگر واجب الاطاعت ہے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی واجب الاطاعت ہے۔ بلکہ میرے بھائیو! حدیث پاک تو ایک معنی میں بہت ہی اہم ہے۔ اور وہ اس طرح کہ قرآن پاک جو اللہ کا کلام ہے، اس پر جو ہمارا ایمان ہے، یہ بھی ایمان بالحدیث پر موقوف ہے۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا۔ کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ تو حضور ہی کے اس فرمان پر ایمان لا کر ہم نے قرآن کو خدا کا کلام مانا۔ اور اگر حدیث پاک کی اہمیت و اطاعت کو لازم قرار نہ دیا جائے، تو پھر قرآن پاک پر ایمان لانے کی بھی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی اور اگر کہا جائے۔ کہ قرآن پاک خود اپنی صداقت، اور اپنے کلام الٰہی ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ وہ جو اس باب میں آیات پڑھی اور سنائی جائیں گے ان کے منجانب اللہ ہونے کی کیا دلیل ہو گی؟ ۔ مثلاً آپ نے یہ آیت پڑھی تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ یعنی یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ تو ہم پوچھیں گے کہ خود اس آیت کا منجانب اللہ ہونا کس دلیل سے ثابت ہوا ہے ناچار یہی کہنا پڑے گا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ یہ آیت خدا کی طرف سے مجھ پر نازل ہوئی۔ تو حضور کا یہ فرمانا حدیث ہے اور یہی ہم کہہ رہے ہیں۔ کہ حدیث پاک پر ایمان ہو گا۔ تب ہی قرآن پر ایمان لایا جا سکے گا۔

میرے بھائیو! حدیث پاک پر ایمان ضروری ہے۔ یہ حدیث پاک اُسی زبانِ حق ترجمان کی فرمودہ ہے۔ جس زبانِ پاک سے ہم نے قرآن سنا۔ کیا ہی ایمان افروز واقعہ ہے۔ کہ قرآنِ پاک خدا کا کلام، اور حدیث پاک مصطفٰے کا کلام۔ لیکن زبان صرف مصطفٰے ہی کی۔ یعنی متکلم دو ہیں۔ لیکن زبان پاک ایک ہے۔ اس لیئے کہ خدائے پاک تو زبان سے پاک ہے اس نے جب کلام فرمایا۔ تو اسی زبانِ پاک سے

مصطفٰی سے۔ یعنی یہی وہ زبانِ پاک ہے۔ کہ وہ کبھی ہلے تو قرآن سننے میں آئے۔ اور کبھی ہلے تو حدیث سنائی دے۔ اور ہمیں کیا پتہ چلتا ہے۔ یہ امتیاز بھی خود حضور ہی نے بتایا کہ یہ جو تم نے سنا ہے۔ یہ کلامِ خدا ہے۔ اور یہ جو تم نے سُنا۔ یہ کلامِ رسولِ خدا ہے۔ پس اے میرے دوستو! حقیقت یہی ہے۔ کہ قرآن و حدیث دونوں ہی مسلمان کے لیے سرچشمۂ ہدایت ہیں۔ اور صاحبِ ایمان اِن دونوں ہی کو اپنے لیئے واجب الاطاعت سمجھا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

قولِ حق قرآن ہے، قولِ پیمبر ہے حدیث
اہلِ دِل کے واسطے تقریر ہے دونوں کی ایک
اُس نے پھیرا دل تو اس نے دعوتِ اسلام دی
وہ خدا اور یہ نبی تدبیر ہے دونوں کی ایک!

قدِ آدم آئینہ

اس سلسلہ میں مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک بڑی اچھی مثال بیان فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ طوطی کو تعلیم دیتے اور اُسے کچھ سکھانے و پڑھانے کے لیئے دانا لوگ یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ کہ ایک خالی کمرہ تجویز کرکے اس میں ایک قدِ آدم آئینہ رکھ دیا۔ اور اس آئینہ کے پیچھے ایک آدمی بیٹھ جاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے طوطی کا پنجرہ رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ آدمی جو اس آئینہ کے پیچھے بیٹھتا ہے وہ جملہ جو اس طوطی کو پڑھانا مقصود ہو بولتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے۔ "اسلام علیکم" اب وہ طوطی یہ آواز سن کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔ کہ یہ جملہ کس نے کہا۔ اور جب سامنے دیکھتا ہے۔ تو اُسے آئینہ کے پیچھے والا آدمی نظر نہیں آتا ہاں اس آئینہ میں اُسے اپنی ہی مثل ایک طوطی نظر آتا ہے۔ یہ اُسے غور سے دیکھتا ہے یہاں تک وہ آئینہ کے پیچھے والا آدمی پھر کہتا ہے۔ "السلام علیکم"
طوطی پھر دیکھتا ہے تو اُسے وہی اپنی مثل طوطی ہی نظر آتا ہے۔ اسی طرح دو تین مرتبہ ہوتا ہے۔ اور طوطی یہ سمجھتا ہے۔ کہ جو میرے سامنے میری مثل ایک طوطی ہے۔ "اسلام علیکم" یہی کہہ رہا ہے۔ پھر وہ بزعمِ خویش اپنی مثل ایک طوطی کے

منہ سے یہ جملہ سن کر چاہتا ہے۔ کہ میں بھی یہی جملہ بول لوں۔ اور کہنے لگتا ہے۔ السلام علیکم" اس طرح وہ یہ جملہ سیکھ جاتا ہے"

بلاتشبیہہ پروردگارِ عالم نے چاہا۔ کہ اس کے بندے تعلیم حق سے بہرہ ور ہوتے جائیں۔ اور کچھ سیکھ جائیں۔ تو اس نے آئینہ حق نما حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور خود اس آئینہ حق نما کے پردے میں کلام فرمایا۔ اب جو ہم نے اس آواز کو سنا۔ اور چاروں طرف نظر کی۔ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ایک آئینہ حق سے آواز سنائی دی۔ اور چونکہ حضور کی ذاتِ گرامی ایک آئینہ حق نما ہے۔ اس لیئے کم نظروں کو یہی نظر آیا کہ یہ کوئی ہماری ہی مثل بشر ہے جو بول رہا ہے۔ لیکن جو بالغ نظر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ "مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" یعنی جو آواز ہے یہ آواز حق ہے۔ اور زبان تو سرکارِ مدینہ ہی کی ہل رہی ہے۔ مگر ع

سرکار کے پردے میں خدا بول رہا ہے

آئینہ حق نما

میرے بزرگو! اور دوستو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آئینہ حق نما ہیں۔ آئینہ کے سامنے جو آئے گا۔ آئینہ ہی اس کی ترجمانی کرے گا۔ اگر کوئی خوبصورت شخص اس کے سامنے آئے گا۔ تو آئینہ اس کی خوبصورتی کو پیش کرے گا۔ اور اگر کوئی بد شکل اس کے سامنے آئے گا تو وہ اس کی بدشکل ہی دکھائے گا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ جب ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ تو اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ) "زشت نقشتے" کہہ دیا۔ اور حضور نے جواب میں فرمایا کہ تو سچ کہتا ہے۔ پھر جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کو آئینہ دیکھا۔ تو بقول مولانا رومی۔ ؎

دید صدیقش بگفت اے آفتاب
ترک و ہند و در زمن آں بیند کہ اوست

یعنی صدیق اکبر نے حضور کو دیکھ کر عرض کیا۔ کہ اے آفتاب حسن و جمال تیرے

جیسا حسین و جمیل مشرق و مغرب میں کوئی نہیں ہے۔ تو حضور نے صدیق اکبر سے بھی فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔ اب صحابہ کرام حیران ہوئے۔ کہ حضور نے دونوں ہی کو سچا کیوں فرمایا جب کہ ابوجہل نے یقیناً بکواس ہی کیا ہے۔ تو حضور نے ان کی حیرانی اس جواب سے دور فرمائی۔ کہ ؎

گفت من آئینہ ام مصقولِ دوست
ترک و ہندو در من آں بیند کہ اوست

یعنی آپ نے فرمایا۔ کہ میں ایک آئینہ حق نما ہوں۔ جو شخص مجھے دیکھتا ہے اُسے اپنی ہی شکل نظر آتی ہے۔ ابوجہل خود ہی سیاہ دل تھا اس لیئے اُس نے مجھے دیکھا تو اُسے اپنا ہی عکس نظر آیا۔ اور صدیق اکبر کا چونکہ اپنا دل نورِ ایمان سے منور تھا۔ اس لیئے اپنا ہی نورانی عکس نظر آیا۔

لطیفہ کہتے ہیں کسی ملک میں لوگوں نے آئینہ کبھی نہ دیکھا تھا اس ملک کا ایک بدشکل آدمی جس کے بڑے بڑے دانت باہر نکلے ہوئے تھے اور چیچک زدہ سیاہ چہرہ تھا۔ کہیں جا رہا تھا کہ۔ راستے میں اُسے ایک آئینہ ملا۔ اُس نے کوئی چمکتی ہوئی چیز سمجھ کر اُسے اٹھالیا۔ اور جب اُسے آنکھوں کے سامنے کیا تو اپنی ہی شکل دیکھ کر کہنے لگا۔ توبہ توبہ! کیسی بُری شکل ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جو کوئی اِسے یہاں پھینک گیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس آئینہ کو وہیں پھینک دیا۔ پھر وہاں سے کوئی خوبصورت اور حسین و جمیل آدمی گزرا اس نے بھی کوئی چمکتی ہوئی چیز سمجھ کر اُسے اٹھالیا اور جب آنکھوں کے سامنے کیا تو کہنے لگا۔ سبحان اللہ! کیا ہی خوبصورت اور حسین شے ہے اور پھر اُسے چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ اور جیب میں ڈال کر لے گیا۔ بلاتشبیہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بعض لوگوں نے دیکھا تو یہی کہا۔ یہ عاجز انسان اور ہماری مثل بشر ہے اس سے نہ کوئی نفع نہ نقصان، اور یہ کسی چیز کا نہ مالک نہ مختار، مگر جب ایمان والوں نے دیکھا۔ تو بے ساختہ پکار اُٹھے۔ کہ

وَاَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ
وَاَکْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

اور کوئی یوں پکارا۔ کہ ؎

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَیِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِیْرُ لَقَدْ نُوِّرَالْقَمَرْ

اور کسی نے یوں کہا۔ کہ ؎

خواجہ دنیا و دین گنج وفا!
صدر و بدر ہر دو عالم مصطفےٰ!

اور کسی نے یوں عرض کیا۔ کہ ؎

بروں آور سر از برد یمانی
کہ روئے تست صبح زندگانی

اور کوئی یوں مدح سرا ہوا۔ کہ ؎

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں!
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور کوئی یوں مدح سرا ہوا ہے۔ کہ

سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا اَحْسَنَكَ مَا اَجْمَلَكَ مَا اَكْمَلَكَ
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا گستاخ اکھاں کتھے جا لڑیاں

اور کسی نے یوں عرض کیا۔ کہ ؎

جو والشمس چہرہ تو واللیل گیسو!
جلوہ میں لیے صبح و شام آ رہا ہے!
در و بام سے پھوٹ نکلیں ضیائیں!
دو عالم کا ماہِ تمام آ رہا ہے!!

حدیث

ہاں میرے بھائیو! میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد جیسے اصطلاح شریعت میں حدیث کہا جاتا ہے ہمارے لیئے واجب الاطاعت ہے۔ اور یہ حدیث دراصل قرآن کے اجمال کی تفصیل ہے۔ قرآن کی آڑ میں اس کا انکار دراصل قرآن ہی کا انکار ہے۔ اور یہ واقعہ ہے۔ کہ حدیثِ پاک ہرگز ہرگز قرآن کے خلاف نہ ہے نہ ہو سکتی ہے ہاں یہ اپنی سمجھ کا قصور ہے کہ بعض حدیثوں کو پیش کر کے کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ دیکھیے۔ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ میرے عزیزو! اس طرح تو بعض لوگوں نے قرآن پر بھی اعتراض کئے ہیں۔

ستیارتھ پرکاش

مثلاً دیانند نے اپنی ستیارتھ پرکاش کے چودہویں باب میں قرآن پاک پر کچھ اعتراض کیئے ہیں۔ مگر کیا وہ اعتراض واقعی صحیح ہیں، حاشا و کلام ہرگز نہیں۔ بلکہ ان سے خود معترض کی اپنی جہالت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اس کا ایک اعتراض یہ ہے کہ قرآن کی ابتداء میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم لکھی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان و رحیم ہے"، دیانند لکھتا ہے کہ جملہ شروع کرتا ہوں۔ صاف بتا رہا ہے کہ کلام خدا کا نہیں بلکہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا بنایا ہوا ہے (معاذ اللہ) اگر یہ کلام خدا کا ہوتا۔ تو وہ یوں کیوں کہتا کہ شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان و رحیم ہے"

دیکھیے! بظاہر اس اعتراض عوام کے لیئے حیران کن ہے مگر قسم بخدا یہ اعتراض بڑا ہی جاہلانہ ہے۔ اس لیے کہ یہ قرآن پاک ہے۔ اور خدائے پاک کا کلام ہے اسے سمجھنے کے لیئے علم و قابلیت اور بزرگانِ دین کی خوشہ چینی کی ضرورت ہے۔ مگر آج تو یہ عالم ہے۔ کہ ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی۔

جو اٹھتا ہے یہ دعویٰ کرتا ہے۔ کہ قرآن کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور قرآن کو میں خوب سمجھتا ہوں۔ میرے بھائیو! قرآن کی سمجھ کی ایک قسم وہ ہے۔

جو دیانند نے پیش کیا۔ آپ نے سنا۔ کہ اس نے جملہ "شروع کرتا ہوں میں" پر کیا اعتراض جڑ دیا۔"

مسلمانوں! آپ اس کا جواب بھی سن لو۔ پہلے تو معترض سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ یہ جملہ جس پر تمہارے اعتراض کی بنیاد ہے یعنی شروع کرتا ہوں میں"—— بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں دکھاؤ۔ کہ کہاں ہے؟ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں وہ کونسا لفظ ہے جس کا یہ معنی ہے کہ "شروع کرتا ہوں میں"—— دیکھئے بسم اللہ کی "ب" کا معنی ساتھ اسم اللہ "کا معنی، نام اللہ کے" اور "الرحمٰن الرحیم" کے معنے "جو مہربان ورحیم ہے" فرمایئے اس میں شروع کرتا ہوں میں"، یہ ترجمہ کس لفظ کا ہوا؟ دیانند نے اعتراض تو کر دیا۔ مگر اسے اس کی خبر بھی نہ تھی۔ کہ یہ جملہ ترجمہ کس لفظ کا ہے؟۔ اب آیئے ہم بتائیں۔ کہ یہ جملہ کس لفظ کا ترجمہ ہے"؟

نحو کا مسئلہ

یاد رکھیئے۔ کہ نحو یعنی عربی گرامر کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے۔ کہ حرف "ب" جار ہے۔ اور جس لفظ پر یہ آجائے وہ مجرور کہلاتا ہے۔ اور "جار و مجرور" کسی فعل سے متعلق ہوتے ہیں فعل ظاہر نہ ہو تو وہاں فعل محذوف ہوتا ہے۔ اب دیکھئے۔ بسم اللہ میں بھی "ب" حرف "جار ہے اور یہ لفظ اللہ پر آیا ہے۔ جو مجرور ہے۔ اور حسبِ قاعدہ یہ جار و مجرور فعل محذوف کے متلق ہیں۔ اور وہ فعل محذوف کونسا ہے۔ سنیئے! وہ جب خدا نے فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"، تو فعل محذوف صیغہ امر کا تھا۔ یعنی "اِشْرَعْ"۔ یعنے شروع کر تو ساتھ نام اللہ کے جو مہربان ورحیم ہے"۔ اور جب بندہ کہتا ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" تو فعل مضارع متکلم کا محذوف ہوتا ہے۔ یعنی اَشْرَعُ"—— یعنی شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ کے، جو بڑا مہربان ورحیم ہے۔

کیوں صاحب! بتایئے اب کیا اعتراض باقی رہا۔ جسے عربی قواعد کا علم ہوگا۔ وہ تو ایسا اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔ ہاں جو ناواقف ہے۔ وہ اگر بولے گا۔ تو اپنی۔ جہالت کو آشکارا کرے گا۔

عربی زبان

حضرات! قرآن پاک ایک جامع اور منبع العلوم کتاب ہے۔ اور خدائے لم یزل کا کلام ہے اسے سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ اور اس کا ترجمہ بھی کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔ اوّل تو عربی زبان ہی ایک ایسی جامع اور فصیح و بلیغ زبان ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ کے کئی معنی ہیں۔ اور اس کی زیر زبر بدل جانے سے اس کے معنے زیر زبر ہو جاتے ہیں۔ اے کاش! مسلمانوں کو عربی زبان پڑھنے پڑھانے کا بھی شوق ہو۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کے پڑھنے میں بھی لطف آتا ہے۔ انگریزی بھی پڑھو۔ مگر جو شان زبان عربی کی ہے وہ کسی اور زبان کی حاصل نہیں انگریزی تو کچھ ایسی زبان ہے کہ لکھنے میں حرف اور ہیں اور بولنے میں کچھ اور۔ یعنی لکھا کچھ اور جاتا ہے۔ اور پڑھا کچھ اور جاتا ہے مثلاً آپ ذرا لکھنؤ کو انگریزی حروف میں لکھ کر دیکھیے تو لکھا (LOUKNOW) جائے گا۔ اور پڑھا لکھنؤ جائے گا۔ دہلی کو لکھیے تو پڑھا دل ہی جائے گا۔ اور ایک میراثی کا لطیفہ مشہور ہے۔ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ انگریزی زبان کا کیا ہے۔

لطیفہ

یہ تو ہم میاں بیوی روز گھر میں بولتے ہیں۔ میں گھر جاتا ہوں تو اپنی بیوی کو بلاتا ہوں۔ "اے بی وی جی"۔ تو جواب دیتی ہے جی آئی۔ میں کہتا ہوں "ٹی پی لو"۔ یعنی چائے پی لو۔ تو وہ کہتی ہے "جی پی کے آئی"

اسی طرح ایک شاعر کا بھی مصرعہ ہے کہ۔ ؎

ہجر سے ترے میں چاک ہے سینہ اے۔ بی۔ سی۔

کلام اکبر

اس موقعہ پر اکبر الہ آبادی کے دو شعر یاد آ گئے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ

بتوں نے کہہ دیا چل ہٹ تجھے ہندی نہیں آتی
مسوں نے کہہ دیا جا تجھ کو انگریزی نہیں آتی!
مگر اکبر کہ اب تک مر رہا ہے ان حسینوں پر!
قیامت ہے کہ بے غیرت کو شرم اب بھی نہیں آتی

میرے بھائیو! انگریزی پڑھو۔ پڑھاؤ۔ مگر مرو نہیں اس پر۔ اور اس میں

دل لگا کر نہ بیٹھو۔ اور یوں نہ کہو۔ اور یوں نہ کرو۔ کہ انگریزی میں گھر کر کے اپنے آپ
کو بھول ہی جاؤ ـــــ دنیا میں اس قدر مشغول نہ بن جاؤ۔ کہ دین کو چھوڑ ہی بیٹھو۔
انگریزی بھی پڑھو مگر اس زبان کو بھی چاہو۔ جو زبان تم نے قبر میں لے جانی ہے اور
جا کر بولنی ہے ـــــ ڈان،، بھی پڑھو اور قرآن پڑھو۔ یہ تو بڑی بے انصافی ہے
کہ قرآن وحدیث اور اپنے لٹریچر کا تو قطعًا کوئی پتہ تک نہ ہو اور انگریزی میں اتنے
ماہر۔ کہ یوں پتہ چلے۔ کہ جیسے ہیں ہی میڈ ان انگلینڈ۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ عربی زبان بڑی جامع، مانع اور فصیح و بلیغ زبان ہے
اور اپنے قواعد وضوابط کی پابند ہے۔ اس کو پڑھنے میں بھی لطف آتا ہے
اس کا ہر لفظ اور ہر حرف اپنی اپنی جگہ پر ایک مستقل معنی لیے ہوتا ہے۔

ہارون رشید اور اس لونڈی

نفحۃ الیمن ایک عربی ادب کی کتاب ہے۔ اس میں ابو نواس شاعر کا ایک
پر لطف قصہ لکھا ہے۔ ابو نواس نے ہارون رشید کی شان میں ایک نظم لکھی جسے
سنانے کے لیئے وہ ہارون رشید کے دربار میں گیا۔ اتفاقًا اس روز ہارون رشید
اپنی ایک لونڈی کے پاس بیٹھا تھا۔ جس کا نام خالصہ تھا۔ اور ایک بہت بڑا قیمتی
ہار اس لونڈی کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ جسے دیکھ کر ہارون رشید خوش ہو رہا تھا۔
ابو نواس بد دل ہو کر دربار سے نکل آیا۔ اور دروازہ سے نکلتے ہوئے دروازے
پر یہ شعر لکھ آیا۔ کہ ؎

لَقَدْ ضَاعَ شِعْرِیْ عَلٰی بَابِكُمْ
كَمَا ضَاعَ عِقْدٌ عَلٰی خَالِصَةٌ

یعنی میرے شعر تمہارے دروازے پر اس طرح ضائع ہو گئے جس طرح
ایک قیمتی ہار خالصہ کے گلے میں ضائع ہو گیا۔،

ہارون رشید کو جب پتہ چلا۔ کہ ابو نواس جاتے ہوئے دروازے پر یہ شعر
لکھ گیا ہے۔ تو غصہ میں آکر اسے بلایا۔ ابو نواس جب لایا گیا۔ تو دروازے سے گزرتے

ہوئے اس نے شعر کے دونوں مصرعوں میں لفظ "ضَاعَ" کے "ع" کے دائرے کو مٹا دیا۔ اب "ع" کی شکل نے "ء" کی یعنی ہمزہ کی شکل اختیار کر لی اور شعر یوں بن گیا۔ کہ

لَقَدْ ضَاءَ شِعْرِیْ عَلٰی بَابِکُمْ
کَمَا ضَاءَ عِقْدٌ عَلٰی خَالِصَۃ

اور اس کا معنی یہ بن گیا۔ کہ "میرے شعر تمہارے دروازے پر اس طرح روشن ہو گئے۔ جس طرح ایک قیمتی ہار خالصہ کے گلے میں روشن ہو گیا"۔

عربی سے مس رکھنے والے حضرات اس پر لطف تغیر و تبدیل سے محفوظ ہو سکتے ہیں "ضَاعَ" جب ع سے ہو۔ تو معنی۔ ضائع ہوا۔ ہوتے ہیں۔ اور جب "ضَاءَ" ہمزہ سے ہو۔ تو معنی ضوء یعنی روشنی کے ہوتے ہیں۔ یعنی روشن ہوا۔ ابو نواس نے یہ کمال کیا۔ کہ دربار میں داخل ہوتے ہوئے "ع" کے گھیرے کو مٹا دیا تاکہ "ع" سے "ء" بن جائے۔ اور معنی کچھ اور ہو جائے۔ چنانچہ ہارون رشید نے جب باز پرس کی۔ تو ابو نواس نے کہا۔ جناب میں نے تو تعریفی شعر لکھا ہے۔ آپ خود ملاحظہ فرما سکتے۔ چنانچہ ہارون رشید نے خود وہ شعر دیکھا۔ تو خوش ہو کر اسے انعام دیا۔ اور ابو نواس بجائے سزا کے عطایے کر آیا۔

(نفحۃ الیمن نیز تفسیر کبیر ص۲۸۵۔)
(کبیر میں شاعر و بادشاہ کا نام دوسرا ہے)

"ما نافیہ" یا موصولہ

اسی طرح امام ابن جوزی نے کتاب الاذکیا میں لکھا ہے کہ حرف "ما" نافیہ بھی ہوتا ہے اور موصولہ بھی۔ اور اس پر ایک پر لطف حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے ابراہیم نخعی سے کہا۔ کہ میں نے ایک شخص کا برے کلمات سے ذکر کیا ہے۔ اور اسے میری گفتگو کا علم ہو گیا ہے۔ اور اسے مجھ پر بڑا رنج ہے اور اب میں اس کے دل سے اس کا اثر زائل کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایئے کیا صورت اختیار کروں؟ ابراہیم نے بتایا کہ تم اس کے سامنے جا کر یوں کہہ دینا۔

وَاللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَيَعْلَمُ مَا قُلْتُ مِنْ ذٰلِكَ مِنْ شَيْءٍ ۔

خدا کی قسم۔ بیشک اللہ کو بخوبی علم ہے۔ جو کچھ میں نے اس سلسلہ میں کہا تھا"!

اور اگر "ما" نافیہ مراد ہو تو معنی یہ ہوں گے۔ کہ

خدا کی قسم بیشک اللہ بخوبی جانتا ہے۔ کہ میں نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہا"!

چنانچہ اس شخص نے۔ وہی کلمات وہاں جا کر کہہ دیئے۔ اور اپنی مراد "ما" موصولہ کی رکھی۔ اور سننے والے نے یہ سمجھا۔ کہ جب یہ اتنے تاکیدی الفاظ سے اور حلفیہ بیان سے کہہ رہا ہے۔ تو یقیناً یہاں "ما" نافیہ ہی ہے۔ اور اس نے میرے حق میں کچھ نہیں کہا

الغرض! عربی زبان بڑی جامع اور فصیح و بلیغ ہے۔ اسی لیئے اہل عرب اپنے سوا دوسروں کو "عجم" کہتے ہیں۔ اور عجم اُسے کہتے ہیں۔ جو فصیح کلام نہ کر سکے ؟!

اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجیئے۔ کہ اس قدر جامع زبان، اور پھر خدائے دوجہاں کا کلام کیا اسے ہر کس و ناکس سمجھے گا!۔

قرآن کا ترجمہ

میرے بزرگو! قرآن پاک کا ترجمہ بھی کچھ آسان نہیں۔ یہ نہیں کہ جو اُٹھے۔ اور قلم ہاتھ میں پکڑ لے۔ اور قرآن کا ترجمہ لکھنا شروع کر دے۔ بھائیو! اس میدان میں بھی اللہ کا خاص فضل درکار ہے یوں کہنے کو تو کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ قرآن کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اور پڑھ سکتا ہے۔ لیکن بھائیو! اس کے لیے بڑی سمجھ اور سوجھ بوجھ کا کام درکار ہے، اور یہ کام اللہ والوں ہی نے کر کے دکھایا ہے۔ ورنہ ما و شما کون تھے۔ جو قرآن کی مشکلات اور اس کے اجمالات کو سمجھ سکتے۔ دیکھیئے۔ آپ کو قرآن پاک کی ایک آیت سناتا ہوں۔ اور پھر اس کے دو ترجمے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ آپ خود ہی اندازہ کر لیں۔ کہ قرآن پاک کا ترجمہ بھی کچھ آسان نہیں ہے"!

قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے حضرات

حضرت یونس علیہ السلام نے نینوا کے بت پرستوں کو بت پرستی سے روکا مگر وہ نہ مانے اور آپ ان سے ناراض ہو گئے اور غصہ میں آکر ان کے لیئے بد دعا مانگی۔ اور شہر سے نکل گئے۔ شہر سے ہجرت کر جانے کو آپ نے جائز سمجھ کر ہجرت فرمائی مگر اس ہجرت میں آپ نے حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا۔ اس ہجرت کے واقعہ کو اللہ نے یوں بیان فرمایا۔"

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ

(پ ۱۷، ع ۶)

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہی ذہن میں آتا ہے۔ کہ

اور ذوالنون کو یاد کرو) جب وہ غصہ میں چلا گیا۔ اور یہ سمجھا کہ ہم اس پر قدرت نہ پاسکیں گے۔"

ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام ہی کا نام ہے۔ اُن کے متعلق خدا تعالیٰ فرمایا رہا ہے۔ کہ، فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ وہ سمجھا۔ کہ ہم اس پر قدرت نہ پاسکیں گے لَنْ نَّقْدِرَ قدرت نہ پاسکیں گے" ذرا غور کیجیئے کہ کیا ایک ادنیٰ مسلمان بھی یہ گمان کر سکتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کسی حال میں مجھ پر قدرت نہ پا سکے گا۔ اور مجھے پکڑ نہ سکے گا توبہ! توبہ! ہرگز نہیں۔ پھر جب کہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی ایسا گمان نہیں کر سکتا۔ تو پیغمبر ایسا سمجھے! کتنے تعجب کی بات ہے۔ اب یہاں دماغ چکرا جاتا ہے۔ میں، اور آپ تو کیا"؟

مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی کا ترجمہ

یہاں مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے ماتحت ان کا ترجمہ یہ ہے"

اور پھر مچھلی والے کو جب وہ چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو"

(مولوی محمود الحسن صاحب کا رفیع الشان مترجم قرآن صہ ۴۲۶)

ہم نہ پکڑ سکیں گے،، یہ جملہ حضرت یونس علیہ السّلام کا خیال بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ہر مسلمان اپنے دل سے پوچھے۔ کہ کیا پیغمبر ایسا خیال کر سکتا ہے۔ اور کیا یہ ترجمہ درست ہو سکتا ہے۔ یقیناً آپ اپنے دل سے جواب یہی فرمائیں گے۔ کہ نہیں پھر سوال یہ ہے کہ اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اور لن نقدر کا صحیح معنی کیا ہے۔ تو آیئے میں آپ کو مجدد مائتہ حاضرہ اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ کی بارگاہ میں لے چلوں۔ یہ مشکل دور کر دیں گے۔

اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ کا ترجمہ

یہ دیکھئے آپ نے اس کا صحیح ترجمہ کر کے دل کی ساری پریشانیاں دور فرما دیں۔ آپ کا اس آیت کے ماتحت ترجمہ یہ ہے،،۔

اور ذُوالنُّون کو یاد کرو) جب چلا غصّہ میں بھرا تو گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے،،

(کنز الایمان ص۴۸۱)

سبحان اللہ! کیا واقعی اور صحیح ترجمہ ہے،، گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے دیکھ لیجیے۔ اس خیال و گمان پر کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ مولوی محمود الحسن صاحب کے ترجمہ میں،، ہم پکڑ سکیں گے،، ہے۔ اور اعلیحضرت کے ترجمہ میں نہ سکیں گے ہے ہی نہیں۔ جو خدا کی قدرتِ وسیعہ کے سراسر منافی ہے،، نہ کریں گے،، ہے جو ایسی بات ہے۔ جو ہو سکتی ہے۔ اور کیا نہ کریں گے،، تنگی۔ اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے۔ کہ اعلیحضرت نے،، لَنْ نَّقْدِرَ،، کا ترجمہ تنگی نہ کریں گے،، کیسے کیا! تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ عربی زبان بڑی وسیع و بلیغ زبان ہے۔ اور اس کے ایک ہی لفظ کے متعدد معنی ہوتے ہیں،،

چنانچہ یہاں بھی،، لَنْ نَّقْدِرَ،، میں قدرت مراد نہیں۔ بلکہ تنگی مراد ہے۔ اور یہ لفظ تنگی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے قرآن پاک ہی میں دوسری جگہ آتا ہے۔ کہ،،!

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ

فَيَقُولُ رَبِّيٓ أَكْرَمَنِ ۝ وَأَمَّآ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ
رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّيٓ أَهَانَنِ ۝ (پ ۳۰ ع ۱۴)

لیکن آدمی تو جب اس کا رب اُسے آزمائیے کہ اس کو جاہ اور نعمت دے
جب تو کہتا ہے۔ میرے رب نے مجھے عزت دی۔ اور اگر آزمائے
اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے تو کہتا ہے۔ میرے رب نے
مجھے خوار کیا ہے۔

اس جگہ،، فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ کا ترجمہ یہی ہے،، اور اس پر رزق تنگ کرے"
گویا۔ قَدَرَ،، کا ایک معنی تنگ کرے،، بھی ہے۔ چنانچہ لغت کی مشہور اور معتبر
کتاب صراح میں ہے،،

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ اے قَتَّرَ عَلَيْهِ۔
یعنی" قَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ" کا معنی یہ ہے۔ کہ اس پر رزق تنگ کیا گیا

(صراح ص۲۶۸ جلد ۱)

اور اس آیت کے ماتحت" فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ" کا ترجمہ مولوی محمود الحسن صاحب
نے بھی یہی کیا ہے۔ کہ،، پھر کھینچ کرے اس پر روزی کی،،

(ترجمہ رفیع الشان ص۷۷۴)

،،کھینچ کرے،، یعنی،، تنگی کرے۔ تو معلوم ہوا کہ یہی تنگی کا معنی حضرت یونس علیہ
السلام کے واقعہ میں بھی مراد ہے۔ خدا کی سو سو رحمتیں نازل ہوں اعلیحضرت کے
قبر انور پر کہ اپنے ترجمہ میں کیا ہی مشکل کشائی فرما گئے،،

اور سنیئے! قرآن پاک میں ایک مقام پر یہ درس دیا گیا ہے۔ کہ لوگوں کو چاہیے
کہ عذاب الٰہی میں تاخیر واقع ہونے اور عیش و عشرت اور آسائش کے دیر تک
رہنے پر مغرور نہ ہو جائیں۔ کیونکہ پہلی امتوں کو بھی بہت مہلتیں دی جا چکی ہیں۔
یہاں تک کہ جب ان کے عذابوں میں بہت تاخیر ہوئی۔ اور بہ اسباب ظاہر رسولوں
کو قوم پر دنیا میں بظاہر عذاب آنے کی امید نہ رہی۔ تو اچانک عذاب آگیا اور مجرم

ہلاک ہو گئے۔ خدا تعالیٰ پچھلی قوموں پر عذاب میں تاخیر واقع ہو جانے کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ

حَتّٰٓی اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَھُمْ نَصْرُنَا۔ (پ ۱۳، ع ۶)

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے کہ۔

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے۔ اور خیال کرنے لگے۔ کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ اس وقت ہماری مدد انہیں پہنچی"

اس آیت میں" وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا کا حصہ قابل غور ہے یعنی" خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے" ترجمہ یہی ہے۔ اور غور اس سے سمجھا یہ جاتا ہے۔ کہ رسولوں نے یہ خیال کر لیا کہ۔ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ یعنی خدا نے ان سے جو عذاب نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ جھوٹا وعدہ تھا۔ معاذ اللہ دیکھئے یہ مفہوم کس قدر غلط اور شانِ نبوت کے منافی ہے۔ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جناب مولوی محمود الحسن صاحب کے ترجمہ سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے چنانچہ وہ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں"

یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگتے ہیں۔ رسول، اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔ پہنچی ان کو ہماری مدد"

(ترجمہ رفیع الشان صـ ۲۲۱)

لیکن ہزار ہزار رحمتیں اعلیحضرت کی روح پر فتوح پر کہ ایسا صحیح اور صاف ترجمہ فرمایا۔ کہ کسی اعتراض کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ آپ نے ترجمہ یوں فرمایا۔ کہ

یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔ اس وقت ہماری مدد آئی۔

(کنز الایمان صـ ۳۵۲)

سبحان اللہ! کیا صحیح ترجمہ فرمایا اور تمام شکوک رفع فرما دیئے آپ نے فرمایا

کہ ,,ظَنُّوْا،، کا فاعل رسول نہیں۔ بلکہ لوگ ہیں۔ یعنی اس بات کا رسولوں نے گمان نہیں کہ خدا نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ بلکہ اس بات کا لوگوں نے گمان کیا کہ رسولوں نے ہم سے جھوٹ کہا تھا۔ کہ تم پر عذاب آئے گا

یہ ہے خدا کا خاص فضل واحسان جو خدا کے خاص بندوں پر ہوتا ہے اور اسی لیے ہم کہتے ہیں۔ کہ قرآن پاک کا سمجھنا ہر کس وناکس کا کام نہیں۔ لیکن آج کل عجیب رنگ نظر آرہا ہے۔ کہ جیسا کہ عربی زبان تک سے مس نہ ہو۔ وہ بھی مفسر قرآن ومدرس بن بیٹھا ہے۔ چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے۔

ایک لطیفہ

لطیفہ یہ ہے کہ اگر ایک عورت خود پانی پیئے اور عربی زبان میں یہ کہنا ہے۔ کہ ,,اس عورت نے پانی خود پیا،، تو جملہ یہ بنے گا۔ شَرِبَتْ بِنَفْسِہَا کسی کاغذ پر یہ جملہ لکھا تھا۔ اور ایک عربی اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس کے محلہ میں ایک یونانی دوائی فروش عطّار رہتا تھا۔ جسے درسِ قرآن دینے کا بڑا شوق تھا۔ اور وہ اُردو کی چند کتابیں دیکھ کر اپنے محلہ کی مسجد میں روزانہ درسِ قرآن دیا کرتا تھا۔ وہ شخص اُسے عالم سمجھ کر اُس کے پاس گیا۔ اور وہی کاغذ جس پر ـــــ لکھا تھا۔ اس کے سامنے رکھ دریافت کرنے لگا۔ کہ یہ کیا لکھا ہے؟ وہ مدرسِ قرآن دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ یہ کون سا مشکل جملہ ہے۔ صاف لکھا ہے۔ کہ ـــ ,,شربت بنفشہ،، !

تو میرے بھائیو! آج کل ,,شربت بنفشہ،، والی قسم کے مدرس ومفسرین قرآن بہت ہو گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے مفسّروں سے محفوظ رکھے ۔،،

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ قرآن اور حدیث کے سمجھنے کے لیئے خدا کا خاص فضل درکار ہے۔ چنانچہ آپ نے جو قرآن کی بعض آیات کے ترجموں کے متعلق سُن لیا کہ کس طرح بعض لوگوں نے اس میں غلطی کھائی۔ اسی طرح حدیث کے ترجمے میں بھی بعض حضرات غلطی کھا جاتے ہیں۔ اور اعتراض حدیث پر کر دیتے ہیں۔

ایک حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب

چنانچہ ماہ رمضان شریف کے متعلق ایک حدیث شریف پر ایک مشہور اعتراض اور اس کا جواب سناتا ہوں۔ تاکہ اگر کسی دوست پر کوئی صاحب اعتراض کریں۔ تو وہ اس کا جواب دے سکیں ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں تقبیل و مباشرت فرمایا کرتے تھے"

اس حدیث کو لے کر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ دیکھو صاحب ایہ حدیث قرآن کے صریح خلاف ہے۔ کہ روزے کی حالت میں"مباشرت" کی جائے گویا اعتراض اس لفظ"مباشرت" پر ہے۔

اس اعتراض کا جواب سننے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہماری اردو زبان میں بہت سے الفاظ دوسری زبانوں کے ہیں اور بہت سے الفاظ ایسے ہیں۔ جو اصل زبان میں کسی اور معنی میں مستعمل ہیں۔ اور ہماری زبان میں کسی اور معنی میں۔ مثلاً لفظ"شراب" کو لیجیئے۔ عربی زبان میں ہر پینے والی چیز کو شراب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ غیاث اللغات میں ہے۔ کہ:"

شراب ہر شئی رقیق کہ نوشیدہ شود"

مگر ہماری اردو زبان میں شراب اسے کہتے ہیں کہ۔ جسے عربی زبان میں خمر اور فارسی زبان میں شراب کو مے کہتے ہیں۔ اب اگر کسی عربی عبارت میں لفظ شراب" آجائے۔ اور کوئی صاحب اُسے اپنی اُردو زبان کی شراب سمجھ کر اس پر اعتراض جڑ دیں۔ تو یہ معترض کا اپنا قصور علمی اور اس کی اپنی نافہمی ہے"

اس طرح لفظ"مکر" عربی زبان میں"خفیہ تدبیر" کو کہتے ہیں اور اردو زبان میں دھوکے اور فریب کو"مکر" کہتے ہیں۔ تو اگر کوئی صاحب اس لفظ کو کسی عربی عبارت

میں دیکھ کر اس کا معنی اپنی اُردو زبان کا کر کے اس پر اعتراض جڑ دیں۔ تو یہ قصور اس معترض کا اپنا ہوگا۔ چنانچہ یہی قصہ دیانند نے کر دکھایا جب کہ ستیارتھ پرکاش میں قرآن پاک کی آیت۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

میں اسی لفظ "مکر" کو اپنی زبان کا مکر سمجھ کر قرآن پاک پر اعتراض جڑ دیا جائے۔

اسی طرح ایک لفظ "شریر" ہے۔ جو سنسکرت زبان میں "جسم" کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور ہماری زبان میں شرارتی کو کہا جاتا ہے"۔

اس بات کو سمجھ لینے کے بعد اب لفظ "مباشرت" کو لیجیے یہ لفظ ہماری اُردو زبان میں تو "مجامعت" ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔ لیکن عربی زبان میں اس کا معنی عام ہے۔ بدن سے بدن کا ملانا بھی مباشرت ہے۔ چنانچہ صاحب قاموس ہے لکھتے ہیں:۔

بَاشَرَ الْمَرْأَةَ جَامَعَهَا اَوْصَارَفِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ فَبَاشَرَتْ بَشَرَتُهُ بَشَرَتَهَا مِنْهُ الْحَدِيْثُ اِنَّهُ كَانَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَصَائِمٌ وَاَرَادَبِهِ الْمُلَامَسَةَ وَاَصْلُهُ مِنْ لَمْسِ بُشْرَةِ الرَّجُلِ بُشْرَةَ الْمَرْاَةِ۔

(قاموس مع تاج العرس ص۲۶)

یعنی مباشرت کا معنی مجامعت ہے۔ یا یہ کہ دونوں مرد و عورت ایک کپڑے میں جمع ہو گئے۔ اور دونوں کا بدن آپس میں مل گیا یہ بھی مباشرت ہے۔ اور حدیث (جس پر اعتراض ہے) "يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ" میں یہی دوسرا معنی مراد ہے۔ یعنی آپس میں بدن کا بدن سے مس کرنا۔ اور اس کا اصل معنی یہی ہے۔ کہ مرد کے بدن کا عورت کے بدن سے لگ جانا"

معلوم ہوا۔ کہ مباشرت عربی زبان میں عام ہے۔ بدن کا بدن سے لگ جانا۔ یہی مباشرت ہے اور مجامعت میں بھی چونکہ بدن سے بدن لگ جاتا ہے۔ اسی لیے اُسے بھی مباشرت کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات نہیں کہ مباشرت اسی ایک معنیٰ میں محدود ہو لیکن ،، مجامعت بھی ایک قسم کی ،، مباشرت ،، ہے جس طرح ،، شراب ہر پینے والے چیز کا نام ہے۔ پانی ہو۔ دودھ ہو۔ چائے ہو۔ یا خمیرہ۔ لیکن یہ بات نہیں کہ صرف خمر و مئے ہی شراب ہے۔ اور کوئی پینے والی چیز شراب نہیں اسی طرح ،، مباشرت ،، بھی ہر قسم کے بدن سے بدن لگ جانے کا نام ہے اور یہ بات نہیں کہ صرف مجامعت ہی مباشرت ہو۔ اور کوئی قسم بدن سے بدن لگ جانے کی مباشرت نہ ہو بلکہ مصافحہ و معانقہ تک بھی مباشرت ہے پس اس تشریح سے معترض کا اعتراض دور ہو گیا۔ کیونکہ حدیث میں ،، مباشرت ،، سے دوسرا معنیٰ یعنی بدن سے بدن کا ملانا مراد ہے۔ جس کی قرآنِ پاک میں کوئی ممانعت نہیں ،،

ایک دوسری حدیث حدیث پاک کی ہی یہ شان ہے۔ کہ ایک دوسری حدیث کی تشریح فرما دیتی ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ،،

اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَۃِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَہٗ ۔ وَاَتَاہُ اٰخَرُ فَسَأَلَہٗ فَنَهَاہُ ۔۔ فَاِذَا الَّذِیْ رَخَّصَ لَہٗ شَیْخٌ وَاِذَا الَّذِیْ نَهَاہُ شَابٌّ ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۸)

ایک بوڑھے شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی حالت میں مباشرت کی اجازت چاہی تو حضور نے اسے مباشرت کی اجازت دے دی۔ اور ایک نوجوان شخص نے روزہ کی حالت میں مباشرت کی اجازت چاہی تو حضور نے اجازت نہ دی ،،

دیکھئے یہاں لفظ،، مباشرت،، ہی ہے۔ جس کی حضور نے بوڑھے کو اجازت دے دی۔ لیکن نوجوان کو نہ دی۔ اب اگر مباشرت کا معنی مجامعت ہی قرار دیا جائے تو معاذاللہ کیا حضور نے روزے کی حالت میں اس بوڑھے کو مجامعت کی اجازت دی تھی؟ اور اگر دی تھی۔ تو پھر اس نوجوان کو اجازت کس لیئے نہ دی معلوم ہوا کہ یہاں بھی مباشرت سے وہی دوسرا معنی مراد ہے یعنی بدن سے بدن ملانا بوڑھے ہے۔ کو اس،، مباشرت کی اس لیئے اجازت دے دی۔ کہ وہاں،، مباشرت کے بعد۔ ابتلاء مجامعت جو روزے کی حالت میں ممنوع ہے۔ کا خطرہ نہ تھا۔ اور نوجوان کو اس لیئے اجازت نہ دی۔ تاکہ وہ غلبۂ خواہش کی وجہ سے جرم میں مبتلا نہ ہو جائے ۔۔

قرآن سے جواب

قرآن پاک میں آتا ہے:۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ۔ (پ۲ ع ۷)

اور مت مباشرت کرو۔ عورتوں سے جب
تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو،،

دیکھئے! قرآن پاک میں مسجدوں بحالتِ اعتکاف عورتوں سے مباشرت کی ممانعت ہے۔ اب اگر مباشرت کا معنے مجامعت ہی کیا جائے تو آیت کا معنی یہ بنے گا۔ کہ روزے کی حالت میں بصورتِ اعتکاف فی المسجد تو،، مباشرت،، منع ہے۔ اور اگر روزے میں ہو اور معتکف فی المسجد نہ ہو۔ گھر میں ہو تو مباشرت جائز ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ پھر آیت کا معنی کیا کیا جائے گا۔؟ وہی دوسرا معنی کہ اعتکاف فی المسجد کی حالت میں عورتوں کو چھوؤ بھی مت اور انہیں ہاتھ بھی نہ لگاؤ۔ جب تک یہ دوسرا معنی مراد نہ لیا جائے گا۔ آیت کا معنی بن ہی نہ سکے گا۔

پس یہی دوسرا معنی جو یہاں قرآن میں مراد ہے وہاں حدیث میں بھی مراد ہے،،

لطیفہ ایک مولوی صاحب اپنے وعظ میں خیرات کی تعریف کر رہے تھے سامعین میں سے ایک کنجوس بھی موجود تھا۔ وہ وعظ ختم ہونے کے بعد مولوی صاحب سے کہنے لگا۔ مولانا! واقعی خیرات بے نظیر چیز ہے۔ آپ کی در افشانی کے قربان۔ میں آج سے خیرات مانگا کروں گا۔ واقعی اس کے بغیر گزارہ مشکل ہے۔ آج بھی بعض لوگ قرآن و حدیث کے ارشادات کو کچھ اسی طرح سمجھتے ہیں کہ حدیث پاک کی مراد کچھ اور ہوتی ہے۔ اور وہ کچھ اور سمجھ لیتے ہیں۔ بھائیو! اس میدان میں کسی مرد میدان کا دامن پکڑو۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

تو ہم طفل راہی بسعی اے فقیر
برو دامنِ نیک مرداں بگیر

ہاں تو بھائیو! مجھے آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک کا ذکر کرنا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ حضرت صدیق اکبر۔ حضرت فاروقِ اعظم عثمان۔ حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حاضر خدمت تھے۔ صحابہ کرام کا نورانی جمع اور پھر اس میں حضور منبع النور صلے اللہ علیہ وسلم کا تشریف فرما ہونا۔ سبحان اللہ! کون اس نورانی مجمع کا بیان کر سکے! شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ "؎

یوں نظر آتے تھے اپنے دوستوں میں مصطفےٰ
جس طرح ہو آسمان پر چاند تاروں میں گھرا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خوش نصیب احباب و اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب فرما رہے تھے اور اپنی زبانِ حق ترجمان سے نورانی پھول بکھیر رہے تھے۔ کہ آپ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا۔

حُبِّبَ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ۔

تمہاری دنیا سے مجھے تین چیزیں پسندیدہ ہیں "

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ارشاد فرمایئے۔ کہ وہ کون سی تین چیزیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہیں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "

خوشبو سنو! ایک تو خوشبو ہے۔ جو مجھے بہت محبوب ہے اور دوسری چیز (منکوحہ) عورتیں۔ اور تیسرے یہ کہ نماز مجھے اس قدر محبوب ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے "۔

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ دین و دنیا کا جامع ارشاد سنو۔ اور اس پر عمل کرو تا کہ تمہارا دین سنور جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پہلی پسندیدہ چیز خوشبو بیان فرمائی ہے۔ سبحان اللہ! کیا ہی پاکیزہ ارشاد ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی روحانی و جسمانی غلاظتیں دور کرنے کے لیئے تشریف لائے ہیں چنانچہ قرآن پاک ارشاد " یُزَکِّیۡہِمۡ " کے مطابق حضور کی ایک صفت " مُزَکِّیۡ " بھی ہے اور ارشاد " خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ " کے مطابق ایک صفت " مُطَہِّر " بھی ہے یعنی پاک و صاف اور ستھرے فرمانے والے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضور نے پاکیزگی اور صفائی کی تعلیم سے انسان کو انسان بنایا اور ورنہ یہ انسان روحانی جسمانی غلاظتوں میں ملبوث تھا۔ شرک و کفر کی روحانی آلودگیوں کے علاوہ اس کا جسم بھی نجاستوں سے ملوّث تھا۔ کون نہیں جانتا۔ کہ لوگ آج بھی حضور کی تعلیم پر عمل پیرا نہیں۔ ان کا جسم و لباس بھی نجاست آلودہ ہی رہتا ہے۔ اگرچہ بظاہر جسم و لباس خوش نما نظر آتا ہو مگر اصل میں جسم بھی پلید، اور کپڑے بھی ناپاک ہی ہوتے ہیں "۔

صفائی ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صفائی و طہارت کی اس قدر تاکید کی ہے۔ کہ اس پر عمل کرنے سے انسان ہر وقت صاف و طاہر رہتا ہے اور اس قسم کی تاکید و تعلیم آپ کسی اور دین میں نہ پائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بول چال و براز کرنے اور پھر صفائی کے طریقے بھی سکھلائے

چنانچہ حضور خود جب بیت الخلا کو تشریف لے جاتے تو بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت یہ دعاء پڑھتے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۳۴)

مسلمانوں! تم بھی یہ دعا یاد کرلو۔ اس میں نجاست وخباثت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اور یاد رکھو۔ کہ یہ حدیثِ پاک ہے۔ اور جسے واقعی نجاست وخباثت سے پیار نہ ہوگا۔ وہ حدیثِ پاک کو ضرور مانے گا۔ اور نجاست وخباثت محبوب ہوگی۔ حدیث کا انکار وہی کرے گا۔ اور یہی وہ نجاستیں اور خباثتیں ہیں جنہیں ہمارے حضور نے حرام فرمایا ہے۔ اور پاک وصاف اور ستھری چیزوں کو حلال فرمایا چنانچہ خود خدا فرماتا ہے کہ میرا محبوب :۔

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ٥ (پ۹ ع۹)

ستھری چیزوں ان کے لیئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا"۔

اختیارِ مصطفٰی! دیکھئے اس آیت میں خدا تعالیٰ حضور کو حلال فرمانے والا۔ اور حرام کرنے والا۔ بیان فرما رہا ہے۔ یعنی حضور کو اللہ نے اختیار فرمایا ہے کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال فرمائیں اور جس چیز کو چاہیں حرام فرمادیں اور حضور اپنے اس اختیار سے ستھری چیزوں کو حلال فرماتے اور گندی چیزوں کو حرام فرماتے میرے بھائیو! ہمارے حضور مالک ومختار اور شارع ہیں۔ آپ جو کچھ فرمادیں وہی کچھ شریعت بن جاتی ہے اور یہ اختیار حضور ہی کو ہے۔ ہمیں نہیں۔ کہ ہم خواہ مخواہ حلال کو حرام، اور حرام کو حلال کرنے لگیں۔

گیارہویں کے چاول مثلاً گیارہویں شریف کے چاول، جن پر ختم شریف پڑھا جائے۔ تو ان طیب وطاہر چاولوں کو کیا یہ اختیار نہیں کہ حرام قرار دے دے۔ ختم شریف میں کیا ہوتا ہے تو۔ کہ بسم اللہ شریف

پڑھ کر قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تو خدا کا نام لینے سے بھلا وہ چاول ناجائز کیسے ہو گئے؟ اگر کوئی شخص ان چاولوں کو دیکھ کر پیچھے ہٹ جائے اور نہ کھائے تو کیا آپ جانتے ہیں۔ کہ قرآن پاک اس وقت کیا فرماتا ہے سنیئے قرآن فرماتا ہے"

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِيْنَ ٥

کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا۔ اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو" (پ ع ۱)

یعنی کیوں نہیں کھاتے۔ ان چاولوں پر اللہ ہی کا تو نام لیا گیا ہے پھر کیوں پیچھے ہٹتے ہو۔ اگر اللہ کی آیتیں مانتے ہو۔ تو کھاؤ اور پیچھے مت ہٹو۔ پھر بھی اگر کوئی نہ ہی کھائے۔ تو فرمایا۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ (پ۔ع۱)

اور تمہیں۔ کیا ہوا۔ کہ میں اس میں سے نہیں کھاتے۔ جس پر اللہ کا نام لیا گیا"

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز ارشاد ہے۔ کہ تمہیں کیا ہو گیا جو تم اس پاک اور طیب و طاہر چیز کو نہیں کھاتے اور خواہ مخواہ اسے ناجائز و حرام قرار دے رہے ہو"

بھائیو! دیکھ لو۔ قرآن پاک ہی کا یہ ارشاد ہے۔ کہ پاک و صاف اور حلال چیزوں کو حرام و ناجائز مت سمجھو۔ اور اس کا کھانا نہ چھوڑو ـــــ اور دوسری جگہ صاف صاف یوں فرمایا۔ کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ٥ (پ۔ع۲)

اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ۔ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کیں۔ اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں"

یعنی جن چیزوں کو اللہ نے حلال کر دیا ہے۔ ان کو خواہ مخواہ اپنی طرف سے ناجائز و حرام قرار دے دینا۔ یہ بات اللہ کو پسند نہیں۔ اور ایسے لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور اللہ کو ناپسند ہیں ___ بھائیو! اللہ سے ڈرنا چاہیے اور خدا اور رسول کی۔ جائز کردہ چیزوں کو اپنی طرف سے ناجائز نہیں کر دینا چاہیے ___ گیارہویں شریف کے چاول، شب برات کا حلوہ، اور میلاد شریف کی مٹھائی یہ طیب و طاہر چیزیں ہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ کے مطابق ان کو حلال فرمایا ہے۔ پھر ان کو حرام قرار دینا۔ گویا وہ کام کرنا ہے جو حضور نے نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ گیارہویں کے چاول، اور میلاد شریف کی مٹھائی۔ اور شب برات کا حلوہ بدعت نہیں۔ بلکہ ان کو ناجائز قرار دینا۔ یہ بدعت ہے ایک شاعر نے اس حلوے کے متلق کیا اچھا لکھا ہے کہ ؎

یہ شبرات کا حلوہ کیوں ناروا ہے!
روا ہے وہ خود جس سے حلوہ بنا ہے
یہ گھی اور میوے کا عمدہ نوالہ
ملے اس کو جو ہووے تقدیر والا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی و روحانی پاکیزگی کا درس دیا ہے۔ اور ظاہری و باطنی صفائی کی تعلیم دی ہے۔ حضور بیت الخلاء کو تشریف لے جاتے تو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ پڑھتے۔ اور جب آپ باہر تشریف لاتے۔ تو یہ پڑھتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔

(مشکوٰۃ شریف صـ۴۲)

یہ بھی یاد کر لیجیے۔ اسی طرح حضور نے ہمیں ایسی تعلیم دی کہ جس پر عمل کر کے ہم پر ہر قسم کی صفائی حاصل کر سکتے ہیں۔ پیشاب کرتے وقت حضور نے فرمایا۔ کہ اس کی چھینٹوں سے بچو۔"

پیشاب کی چھینٹیں

اور ایک دفعہ حضور دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ دونوں قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ ایک کو تو اس لیئے کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرے کو اس لیئے کہ وہ چغل خور تھا"۔ (مشکوٰۃ شریف صت ۴۲)

میرے بھائیو! دیکھ لو۔ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچا جائے کا کتنا خطرناک انجام ہے۔ کہ قبر کا عذاب اس سے ہوتا ہے۔ اور حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ کھڑے کھڑے پیشاب کیا کریں گے۔ اس لیئے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے چھینٹیں ضرور پڑتی ہیں۔ افسوس اکہ فیشن کی رَو میں بہہ کر تعلیماتِ اسلامی کو ہم نے فراموش کر دیا۔ بھائیو اگر کہا جائے کہ یہ ترقی اور اپ ٹوڈیٹ ہونے کی نشانی ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا جائے۔ تو پھر ہم کہیں گے۔ کہ چوپائے بھی تو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں تو کیا پھر یہ بھی ترقی یافتہ اور اپ ٹوڈیٹ ہیں۔ بھائیو! ترقی اور عروج یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کیا جائے۔ تو پھر اور اگر ترقی یہی ہے۔ جو یورپ سکھتا ہے۔ تو خدا ہی اس سے بچائے۔ اس طرح تو پھر ایک اپ ٹوڈیٹ ترقی یافتہ جنٹلمین کا لڑکا بڑا ہی ترقی یافتہ تھا جس نے اپنے باپ سے بھی دو ہاتھ آگے ترقی کر کے دکھا دی"۔

لطیفہ

اس جنٹلمین کی یہ عادت تھی کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتا۔ اور وہ اپنے بیٹے سے کہا کرتا تھا کہ بیٹا! دیکھو کسی ملاّ ولا کی بات مت سننا زمانہ ترقی پا رہا ہے۔ تم بھی پانا۔ اور مجھ سے بھی بڑھ کر ترقی یافتہ ہو کر دکھانا اس نے کہا۔ بہت اچھا ابا جان۔ پھر ایک روز میاں صاحبزادے کو پیشاب جو آیا تو اس نے بانس کی ایک سیڑھی لی۔ اور اس کے چھٹے پائے کے اوپر چڑھ کر پیشاب کرنے لگا۔ باپ نے دیکھا۔ تو ڈانٹا کہ یہ کیا بدتمیزی ہے تو وہ بولا۔ ابا جان!۔ بدتمیزی نہیں۔ ترقی ہے۔ اور آپ سے بڑھنے کی بھی ایک صورت نظر آئی

کریں آپ سے بھی بڑھنے کے لیے سیڑھی لگاؤں۔ اور اس پہ چڑھ کر پیشاب کروں دیکھا آپ نے اس ترقی کو!

بھائیو! یہ ترقی کیا ہوئی۔ یہ تو حیوانیت ہے۔ جانور سب کھڑے کھڑے اور اڑتے اڑتے پیشاب اور بیٹ کر دیتے ہیں۔ انسانیت تو محسنِ اعظم حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ سچ ہے۔ یا رسول اللہ! ؏

انسان بن سکا نہیں انسان ترے بغیر

ہاں تو حضور نے ہمیں پیشاب کرنے کا طریقہ بھی بتایا۔ رفع حاجت کے لیے بھی تعلیم دی۔ استنجا و صفائی کی تاکید فرمائی۔ جسم و لباس کو ستھرا رکھنے کا درس دیا۔ یہ جمعہ کا غسل، عیدین کا غسل، اور اپنے نئے کپڑے پہننے، خوشبو لگانا۔ مسواک کرنا۔ پانچ وقت وضو کرنا وغیرہ۔ ذالک۔ ساری تعلیم مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام صفائی و پاکیزگی، اور طہارت و نفاست کی علمبردار، اور مطہر و مزکی آقا کی بے مثل طہارت و نفاست پسندی کی آئینہ دار ہے

پرایوں کی شہادت

میرے بھائیو! جس طرح اسلام کا درجہ روحانیت میں سب سے بلند و بالا ہے۔ اسی طرح ظاہری صفائی و طہارت کے احکام و اہتمام میں بھی جو ہدایت مسلمانوں کو ملی ہیں۔ کوئی کوئی قوم اِن کا مقابلہ نہیں کر سکتی شہروں اور قصبوں کی صفائی، اور ان کو خوش نما اور آرام دہ بنانے میں اسلامی تہذیب نے کارہائے نمایاں کیے اور جو لباس کی صفائی میں مسلمان بطور نمونہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اقتباسات اس حقیقت پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

ڈریپر نے اپنی شہرہ آفاق تالیف ''یورپ کے ارتقائے ذہنی کی تاریخ'' میں مسلمانوں اور ان کے شہروں کی صفائی اور پاکیزگی کا دیگر یورپین اقوام اور ان کے شہروں کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

جونہی عرب کے لوگ اندلس میں آباد ہوئے۔ انہوں نے ہر پہلو سے

ترقی و تمدن کی راہیں کھول دیں۔ اور خلفاء راشدین کے نقوشِ قدم پر چل کر علم و فن کی سرپرستی شروع کی اور شائستگی کا وہ نمونہ پیش کیا۔ جس کی نظیر اس زمانہ کے یورپین لوگوں یا حکومتوں میں نہیں مل سکتی اِن کے عہدِ حکومت میں قرطبہ نہایت شاندار شہر بن گیا جس میں دو لاکھ سے اوپر مکانات تھے اور دس لاکھ سے زیادہ آبادی تھی۔ رات کے وقت سڑکوں پر سرکاری لیمپ روشن ہوتے تھے۔ لندن میں اس کے سات سو برس بعد بھی سڑکوں پر لیمپ نہیں لگائے گئے۔ اور لندن پیرس، کی گلیوں کا یہ عالم تھا۔ کہ برسات کے موسم میں جو شخص گھر سے نکلتا۔ تو گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنس جاتا۔ لیکن غرناطہ اور قرطبہ وغیرہ میں بات نہ تھی۔ ان شہروں میں امراء اور خلفاء کے محلات ایسے شاندار بنے ہوئے تھے۔ کہ ان کے سامنے جرمنی، فرانس، اور انگلستان کے محل جھونپڑے معلوم ہوتے تھے۔ اسپین کے مسلمان جس طرح صفائی اور پاکیزگی کے دلدادہ تھے اسی طرح فنِ تعمیر اور طرزِ رہائش میں بھی یورپین اقوام سے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ حمام اور غسل خانوں کے بڑے شائق تھے اِن کے مکانوں میں ایک باغیچہ ضرور ہوتا تھا جس میں درختوں کے علاوہ نہریں اور فوارے بھی ہوتے تھے۔ (جلد ثانی ص۳۰)

یہ تو مکانات، اور اُن کی تعمیر، اور باغات کی آرائش کے متعلق ہوا اب جسمانی صفائی کی نسبت پڑھئے۔

ذاتی آسائش کے اصولوں، اور طریقوں کے لیئے ہم زیادہ تر عربوں ہی کے ممنون احسان ہیں۔ ان کے لوگوں کے لیے ناممکن تھا کہ مغربی لوگوں کی طرح لباس پہنیں۔ جن کا اصول یہ تھا کہ پارہ پارہ ہو کر خود ہی جسم سے علیحدہ ہو کر اور ان کے چیتھڑوں کو جوں وغیرہ کا ذخیرہ سمجھ لیجیے، اور ان کی بو کا تو ٹھکانہ ہی نہیں ہو سکتا تھا مس بکیٹ کی نعش سے لباس اتارا

گیا۔ تو اندر سے کپڑے ایسے میلے کچیلے نکلے۔ کہ کسی مسلمان غلام کے بھی ایسے نہ ہونگے"

آخر میں گسٹوڈ یرکس کے یہ الفاظ ہماری تصدیق کر رہے ہیں"

عیسائیوں نے مسلمانوں کی تقلید میں جسمانی صفائی اور غسل کے طریقوں کو اختیار کیا۔ اور غسل خانوں و حمام میں نہانا شروع کیا"

دیکھا آپ نے غیر مسلم بھی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیم اور طہارت و نفاست پسندی کے شاہد ہیں۔ اے کاش مسلمان اپنے حضور کی تعلیم پیش نظر رکھیں اور ہر قسم کی روحانی و جسمانی گندگیوں سے دور رہیں"

مسجد اور جنت

حضرات! آپ نے صفائی کے متعلق بہت کچھ سن لیا۔ اب آپ یہ بات بھی یاد رکھیں۔ کہ آج اگر کوئی شخص نجاست آلودہ پیروں سے مسجد میں سے آ گھسے۔ تو سب اسے ڈانٹنے لگتے ہیں اور مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں اور کہتے ہیں شرم نہیں آتی۔ گندے پیروں سے مسجد میں آ گھسے ہو تو بھائیو! جنت میں بھی اگر کوئی گناہوں کی نجاست و گندگی سے لتھڑا ہوا جانا چاہیے گا۔ تو اسے بھی جنت میں نہ جانے دیا جائے گا۔ جنت میں جانے کے لیئے ضروری ہو گا۔ کہ آج ہم اپنے آپ کو گناہوں کی گندگی سے صاف کریں اور خوب یاد رکھیں کہ ان گناہوں کو دھونے کے لیے گنہگار کی آنکھ سے آنسو کچھ ایسا اثر رکھتے ہیں کہ سچے دل سے نادم و شرمندہ ہو کر گنہگار جب توبہ کرتا ہے۔ اور خدا کے خوف سے اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں۔ اور تائب کو اس طرح پاک و صاف اور ستھرا کر دیتے ہیں تو یہ آنسو گناہوں کے سیہ دفتر کو فوراً دھو ڈالتے ہیں اور تائب کو اس طرح پاک و صاف اور ستھرا کر دیتے ہیں۔ جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ ؎

ہر کجا آب رواں غنچہ بود
ہر کجا اشک رواں رحمت شود

یعنی جہاں پانی بہتا ہو۔ وہاں پھول اُگتے ہیں اسی طرح جہاں اشکِ ندامت بہتے ہوں وہاں رحمت کے پھول اُگتے ہیں۔ پس اے میرے بھائیو! اپنے دل سے تائب ہو جاؤ اور اللہ کی بارگاہ میں جھک جاؤ اور اس سے ڈرو۔ اور اپنے گناہوں کی معافی بخاست دھونے کے لیے آنسو بہاؤ۔ پھر دیکھو اللہ کی رحمت کس طرح تمہاری جملہ نجاستوں کو دور فرماتی ہے۔ اور تم کس طرح جنت کے حق دار بنتے ہو۔"

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ

میرے بھائیو! خداوند کریم ایسا غفور رحیم ہے کہ اگر کوئی شخص عمر بھر اس کے گناہ کرے اور اس سے دور بھاگتا پھرے۔ مگر ایک بار ہی سچے دل سے عجز و انکسار کر کے اس سے گڑگڑا کر معافی مانگ لے تو اللہ تعالیٰ جھٹ راضی ہو جاتا ہے اور میں کیا عرض کروں اس کی رحمت و مغفرت کا تو یہ عالم ہے کہ بندہ جب ندامت و عاجزی کے ساتھ اس کی بارگاہ میں جھک گیا ہے۔ اب اگر میں اسے نہ بخشوں تو خداوند کریم فرشتوں سے فرماتا ہے۔ کہ دیکھو یہ بندہ میری بارگاہ میں جھک گیا ہے اب اگر میں اسے نہ بخشوں گا تو یہ میری رحمت کے منافی ہے۔ اور اگر میں اس بات سے شرم فرماتا ہوں کہ اُسے نہ بخشوں۔ اسی لیے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ کہ ؎

کرم بین و لطفِ خداوندگار!

گنہ بندہ کرد است اُو شرمسار!

یعنی خداوند کریم کا لطف و کرم تو دیکھو۔ کہ گنہ بندہ کرتا ہے۔ مگر شرم خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ سبحان اللہ کیا ہی شان ہے مغفرت الٰہی کی۔ دوستو! اللہ تعالیٰ اگر جلال و قہر فرماتا ہے۔ تو اس شخص پر جو تکبر و غرور کرے۔ اور اس کے سامنے اکڑے اور اپنے گناہ کا اعتراف نہ کرے۔"

حضرت آدم علیہ السلام

چنانچہ دیکھ لیجیے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جو لغزش واقع ہوئی۔ خوب یاد رکھیے کہ لغزش واقعہ ہوئی۔ گنہ نہیں۔ گناہ میں تو قصد اور عزم ہوتا ہے اور یہاں خدا کا ارشاد

ہے۔ کہ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ معلوم ہوا کہ یہ گناہ نہ تھا بلکہ لغزش تھی۔ گناہ سے وہ معصوم ہوتا ہے۔ اور لغزش کی بات اور ہے وہ یوں سمجھئے کہ جیسے کوئی شریف آدمی پھسل پڑے تو ہر شخص اس بات سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اس لیئے کہ وہ بلا ارادہ پھسل پڑا اور اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کیچڑ میں چھلانگ لگا کر اپنے کپڑے خراب کرے۔ تو سب اس پر لعن طعن کرتے ہیں۔ کہ عقل ماری گئی تھی۔ کہ یہ حرکت کی۔ اسی طرح خوب سمجھ لیجئے۔ کہ لغزش بھی پھسلنے کو کہتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام سے محض لغزش واقع ہوئی۔ جو منافی عصمت نہیں۔ باوجود اس کے حضرت آدم علیہ السلام اپنی اس لغزش پر بھی عجز و انکسار اختیار فرماتے ہیں اور روتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے دریافت کیا کہ "

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ ۔ (پ ع ۹)

کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا

تو حضرت آدم علیہ السلام اس کے جواب میں یوں عرض کرتے ہیں کہ "

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۔ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (پ، ع ۹)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنا آپ برا کیا۔ تو اگر ہمیں نہ بخشے۔ اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے "

دیکھئے! حضرت آدم علیہ السلام نے کس طرح عجز و انکسار کو اختیار فرمایا۔ اور خدا سے یوں عرض کیا۔ کہ "الٰہی ہم نے اپنا آپ برا کیا بس یہ عجز و انکسار حضرت آدم علیہ السلام کا حق تعالیٰ کو پسند آ گیا اور فرمایا۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔ (پ ع ۱۶)

پھر اسے اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی "

مگر شیطان مردود جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے جب دریافت کیا

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۔ (پ ۸ ع ۹)

کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا۔ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا

تو دیکھیے ! شیطان لعین کیا جواب دیتا ہے۔ کہنے لگا "

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (پ ۸ ع ۹)

میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اُسے مٹی سے بنایا "

اور پھر یہ بھی کہا۔ کہ۔

فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ ــــ "تو نے مجھے گمراہ کیا"

خدا کو شیطان کا یہ تکبّر اور یہ گستاخی پسند نہ آئی۔ اور فرمایا :۔

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ

اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ (پ ۸ ع ۹)

اتر جا ۔ تجھے نہیں پہنچا کہ یہاں رہ کر غرور کرے۔ نکل تو ہے ذلت والوں میں

دیکھا آپ نے ! تکبّر و غرور کیا رنگ لایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے باوجود لغزش کے عجز و تواضع کو اختیار فرمایا۔ تو خدا نے حضرت آدم کو اپنی رحمتوں میں لے لیا اور شیطان مردود نے باوجود کفر و انکار کے تکبّر و غرور کیا تو خدا تعالیٰ نے اپنے جلال و غضب کے ساتھ دھکا دے کر نکال دیا "

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کو عجز و انکسار بڑا پسند ہے۔ اور تکبّر و غرور سے وہ غضب و قہر فرماتا ہے۔ اسی لیے ہمیں بھی آج یہی چاہیے کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں اور اس سے یہی عرض کریں۔ کہ اے رب ہمارے ! ہم نے اپنا بُرا آپ کیا اور شیطان کی طرح یوں نہ کہنے لگیں۔ کہ میاں تم روکنے والے کون ؟۔ ہم بڑے آدمی ہیں۔ جو چاہیں سو کریں۔ یا کہ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ خدا نے ہی

یہ کام کرایا۔ (معاذ اللہ) جیسے کہ آج کوئی غریب مگر نیک آدمی کسی صاحب ثروت و دولت سے کہہ دے۔ کہ جناب نماز پڑھا کیجئے۔ روزہ رکھیے۔ تو وہ غصہ میں آجائے اور کہے۔ کہ تم کون ہو۔ وعظ سنانے والے۔ یا اگر کسی کو بُرے کام پر سرزنش کی جائے تو وہ کہہ دے۔ کہ ہمارا کیا قصور ہے یہ کام تو خدا نے ہی کرایا ہے۔ (معاذ اللہ) میرے بھائیو! اس طرح کی آج کل روش عام ہے۔ بالعموم لوگ یونہی کہہ دیتے ہیں۔ صاحب ہم تو مجبور ہیں۔ جو کراتا ہے۔ خدا کراتا ہے۔ یا یوں کہہ دیتے ہیں۔ کہ صاحب تقدیر میں ہی یوں لکھا تھا کہ میرے بھائیو! یہ شیطانی روش ہے۔ اگرچہ خالق ہر فعل کا خدا ہی ہے مگر بُرے فعل کو کرتا بندہ اپنے ہی اختیار سے ہے خدا نے نیکی و بدی کو پیدا فرمایا کر انسان کو اختیار بھی دے دیا۔ ہے کہ وہ چاہے تو نیک کام کرے اور چاہے تو بُرا۔ مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ لہٰذا وہ اگر بُرا کام کرے گا۔ تو اپنی مرضی و اختیار سے۔ بنا بریں وہ مجرم ضرور ہوگا۔ خدا تعالیٰ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ انسان بُرا کام کرے پھر کوئی بُرا کام کرکے یوں کہہ دے کہ خدا کی مرضی ہی ایسی تھی۔ یا تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا۔ کس قدر جرأت و بے باکی ہے۔

مثنوی کی ایک حکایت

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک موقعہ پر ایک باغبان اور ایک چور کی حکایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ایک باغ میں ایک چور گھس آیا اور ایک آم کے درخت پر چڑھ کر آم کھانے لگا۔ اتفاقاً وہاں باغبان بھی آپہنچا اور چور سے کہنے لگا بے شرم! کیا کر رہا ہے۔ تو چور مسکرایا۔ اور بولا۔ (اُردو منظوم ترجمہ)

بے خبر یہ باغ ہے ملکِ خدا — اور میں بندہ خدا کا تجھ کو کیا

وہ کھلاتا ہے مجھے ورنہ بھلا — پتہ بھی ہلتا ہے بے حکم خدا

وہ کھلاتا ہے مجھے کھاتا ہوں میں — حکم ہے اس کا بجالاتا ہوں میں

سنا آپ نے چور کا وعظ؟ مگر اب باغبان کا درس بھی سنیئے۔ فرماتے ہیں

باغبان نے دل میں کہا ہے
میں اسی منطق میں ہی دونگا جواب!
اور جواب ایسا جو ہو گا بالصواب

پھر باغبان نے چور سے کہا، کہ جناب آپ کا یہ وعظ سن کر دل بہت خوش ہوا ذرا نیچے تو تشریف لایئے۔ تاکہ میں آپ جیسے "مومن باللہ" کی دست بوسی کر لوں۔ سبحان اللہ! اس جہالت کے دور میں آپ جیسے عارف کا دم غنیمت ہے مجھے تو مدت کے بعد توحید و معرفت کا یہ نکتہ حاصل ہوا ہے۔ جو کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے اور بندے کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ قبلہ ذرا نیچے تشریف لایئے۔ چور اپنی یہ تعریف سن کر پھولا نہ سمایا۔ اور جھٹ نیچے اتر آیا۔ پھر ے

جب وہ نیچے آ گیا اس کو پکڑ	ایک رسّی سے دیا فوراً جکڑ
ہاتھ پاؤں باندھ کے اک پیڑ میں	مکّے مارے اور لگائیں ٹھوکریں
مارنے جب اس کو ڈنڈے سے لگا	آخرش نادان بول چلا اٹھا
کچھ تو اے ظالم خدا کی شرم کر	بے گناہ کو مارتا ہے اس قدر
باغباں نے ہنس کے اس سے یہ کہا	اپنے دعویٰ کو دیا حضرت بھلا
پشت و پہلو جن پہ پڑتی ہے یہ مار	کس کے ہیں یا بیشک ہیں ملک کردگار
وہ لگاتا ہے تجھے ورنہ بھلا!	پتہ بھی ہلتا ہے بے حکم خدا
کون ہوں میں جو نظر آتا ہوں میں	حکم ہے اس کا بجا لاتا ہوں میں

بھائیو! جب اس چور کی یہ گت بنی۔ تو ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا خدارا مجھے چھوڑ دے۔ اصل مسئلہ میری سمجھ میں آ گیا کہ بندے کا بھی کچھ اختیار ہے اور اگر یہ بُرا کام کرے گا تو اس کا ذمہ دار بھی یہ ہے اور خود ہی ہو گا۔

ایک مجذوب کا قصہ

ایک مجذوب کا قصہ بھی سُن لیجئے۔ ایک مجذوب شہر سے باہر بیٹھا تھا۔ کہ وہاں سے ایک منکرِ خدا کا گزر ہوا۔ وہ منکر اس مجذوب سے کہنے لگا۔ سائیں بابا ایک مسئلہ بتاؤ۔ کہ جب خدا نظر

نہیں آتا۔ تو بن دیکھے اس کا اقرار کیوں کرتے ہو۔ دوسرے یہ کہ شیطان بھی جب آگ سے بنایا ہے۔ تو اگر اسے دوزخ کی آگ میں ڈالا گیا۔ تو اُسے اس سے کیا تکلیف؟ آگ کو آگ میں ڈالا جائے تو آگ اس آگ کا کیا بگاڑ لے گی؟ تیسرے یہ کہ جب جو کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے۔ پھر بندہ کیوں مجرم ہے؟ اس مجذوب نے چپکے سے ایک مٹی کا ڈھیلا اٹھایا اور زور سے اس کے سر پر دے مارا منکر چلّا اٹھا۔ اور سیدھا عدالت میں گیا اور اس مجذوب کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ مجذوب صاحب عدالت میں بلائے گئے تو جج صاحب نے دریافت کیا کہ سائیں بابا تم نے انہیں ڈھیلا کیوں مارا؟ مجذوب بولا میں نے ان کے تینوں سوالات کا ایک ہی جواب دیا ہے۔ جج نے پوچھا۔ وہ کیسے؟ وہ بولا۔ وہ ایسے کہ ان کا پہلا سوال یہ تھا۔ کہ خدا کے بن دیکھے اقرار کیوں کرتے ہو۔ تو میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ میرے ڈھیلا مارنے سے جو انہیں درد ہو رہی ہے کیا وہ درد انہیں نظر آتی ہے؟ منکر بولا۔ نظر تو نہیں آتی۔ مگر محسوس ہو رہی ہے مجذوب نے کہا تو یہی میرا جواب ہے۔ کہ خدا نظر تو نہیں آتا۔ لیکن اپنی قدرتوں سے ظاہر ہو رہا ہے منکر لاجواب ہو گیا۔ اور پھر بولا اچھا میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ شیطان جو آگ کا بنا ہوا ہے اُسے دوزخ کی آگ کیا تکلیف دے سکے گی؟ جب کہ وہ بھی آگ اور یہ بھی آگ مجذوب نے کہا اس سوال کا جواب بھی یہی میرا ڈھیلا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ یہ ڈھیلا کس چیز کا بنا ہے وہ بولا مٹی سے اور وہ بولا تم کس چیز کے بنے ہو؟ وہ بولا مٹی ہی سے۔ مجذوب نے کہا۔ تو جس طرح مٹی نے مٹی کو مجروح اور بے چین کر دیا ہے۔ اور تکلیف میں ڈال دیا ہے اسی طرح آگ آگ کو تکلیف دے سکے گی۔ وہ بولا یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی۔ مگر تیسرا سوال ابھی باقی ہے۔ کہ جو کرتا ہے۔ خدا ہی کرتا ہے۔ پھر بندہ مجرم کیوں؟ فرمایا تو پھر یہ ڈھیلا بھی تو خدا ہی نے مارا ہے پھر تم نے میرے خلاف دعویٰ کیوں دائر کر دیا۔ وہ کہنے لگا۔ یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ بندے کا بھی کچھ اختیار ہے اور اگر یہ بُرا کام کرے گا۔ تو یہی پکڑا جائے گا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو سے بڑی محبت تھی۔

اور آپ نے اسی طرح اپنی محبت شریفہ کا اعلان فرمایا ہے میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! ہمارے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی سرتاپا نور اور خوشبو ہیں۔"

پسینہ مبارک

چنانچہ ایک حدیث پاک سنیئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں۔ تشریف لائے۔ اور آپ نے ہمارے یہاں دوپہر کے وقت آرام فرمایا تھے اور اس وقت آپ کے بدنِ انور پر پسینہ مبارک آرہا تھا۔ میری ماں ایک شیشی لے کر آگئی اور حضور کا پسینہ مبارک لے کر اس شیشی میں ڈالنے لگی حضور جاگ اُٹھے اور فرمایا ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو۔ اس نے عرض کیا"

هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهٗ فِیْ طِیْبِنَا وَهُوَ مِنْ اَطْیَبِ الطِّیْبِ ـ

(مسلم شریف مطبوعہ مصر ص۲۹۵ جلد۲)

یارسول اللہ! آپ کا پسینہ مبارک لے کر کسی دوسری خوشبو میں ملا کر رکھوں گی کیونکہ آپ کا پسینہ مبارک بہت زیادہ خوشبودار ہے"

اللہ! کیا شان ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ آپ کا پسینہ انور بھی سب خوشبوؤں سے زیادہ خوشبودار ہے"

اعلیحضرت نے خوب فرمایا ہے ؎

واللہ جو مِل جائے مرے گُل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ میں ایک دفعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا تو حضور صلے علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے ساتھ مل کر چلو میں آپ کے قریب تر ہو گیا۔ تو۔

فَمَا شَمَمْتُ مِسْكًا وَّلَا عَنْبَرًا اَطْیَبَ مِنْ رِیْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ـ

(کنزالعمال ص۱۱۲ جلد۲)

حضور کے جسم مبارک سے جو خوشبو آرہی تھی وہ کستوری میں جاتی

تھی نہ عنبر میں ۔"

اور سنیئے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی کا ایک ڈول لایا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈول سے پانی نوش فرمایا۔ اور پھر کنوئیں میں آپ نے کلی فرمائی جس کا اثر یہ ہوا کہ۔

فَفَاحَ مِنْهُ مِثْلُ رَائِحَةِ الْمِسْكِ ۔ (خصائص کبریٰ ص۱۶ ۔جلد۱)

کنوئیں سے مشک و عنبر کی خوشبو آنے لگی

سبحان اللہ! کیا شان والا ہے۔ ذرا پڑھیئے تو درود شریف ۔ ؎

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام ۔

بھینی بھینی مہک پر مہکتی درود !
پیاری پیاری نفاست پہ لاکھوں سلام

جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنیں !
اُس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام!

میرے بزرگو اور دوستو! اب انصاف آپ کے ہاتھ میں ہے فرمایئے وہ ذات گرامی جس کے پسینہ میں بھی سینکڑوں خوشبوں سے زیادہ خوشبو ہو اور اس کے ساتھ دعوئ مساوات و مماثلت اگر وہ شخص کرنے لگے۔ جس کے پسینہ کی بدبو سے اس کا اپنا دماغ بھی پھٹتا رہے تو یہ کس قدر بدبودار اور ناپاک ادعاو خیال ہے۔ ایسے ہی موقع کے لیئے ایک شاعر نے کہا ہے کہ۔ ؎

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلپھڑی گنجی ہے۔
حضور بلبل بستاں کرے نوا سنجی ہے

بد بو حضرات! آپ سن چکے ہیں۔ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو سے بڑی محبت تھی اور خوشبو آپ کو بڑی محبوب تھی۔ اب یہ بات بھی سن لیجئے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بد بو سے بڑی ہی نفرت تھی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیاز کی بساندی کے متعلق بھی فرمایا کہ جو شخص پیاز کھائے تو ایسا شخص لَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا ہماری مسجد کے قریب بھی نہ آئے۔ اس لیئے کہ اس کی بساند سے فرشتے ایذا پاتے ہیں " (دیکھئے مشکوٰۃ شریف صا۱۲)

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین و دنیا کے اور روحانی وجسمانی بادشاہ ہیں۔ آپ نے ہمارے جسموں کو بھی پاک وصاف فرمایا۔ اور ہماری روحوں کو بھی پاک وصاف فرمایا ہے۔ مقصد میرا یہی ہے کہ ایک پیاز تو یہی ہے۔ جو سب جانتے ہیں اور ایک پیازی عقیدہ بھی ہے۔ اور وہ ہر ایسا عقیدہ وخیال ہے جس کی بساند اور بد بو سے دین وایمان اور مسلمان، اور فرشتے سبھی ایذا پاتے ہیں۔ اور جس سے خود خدا اور رسول بھی بیزار ہوتا ہے تو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ظاہری اور حسی بد بو سے نفرت تھی وہاں اس باطنی اور روحانی بدعقدگی اور بد بو سے بھی آپ کو بے حد نفرت تھی۔ پس شرع مصطفوی جہاں پیاز کی بساند کو مسجد میں دیکھنے کی روادار نہیں۔ وہاں وہ بدعقدگی کی بُو کو بھی مسجد میں دیکھنے کی روادار نہیں لہٰذا اے مسلمانوں! اپنی مسجدوں کو ہر قسم کی بد بو وبساند سے پاک وصاف ہو کر مسجدوں آؤ۔ تو تم ایسے ہو کر آؤ کہ تمہارے کپڑے بھی پاک ہوں اور اجسام بھی پاک ہوں اور ارواح بھی پاک ہوں۔ منہ بھی صاف ستھرا ہو اور عقیدہ بھی صحیح ودرست ہو۔ اور اگر ایک شخص مسجد کے باہر پیاز کھا رہا ہو اور دوسرا شخص دین وایمان کے خلاف اپنی بدعقیدگی کے بول بول رہا ہے۔ تو اگر "لَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا" کا ارشاد اس پہلے شخص کے لیئے ہے تو اس دوسرے شخص کے لیئے بھی ہے اور ان

لہ یہ ممانعت کچا پیاز کھانے والے کے لیے ہے۔ اور پکے ہوئے پیاز کو کھانے سے چونکہ بساند مرجاتی ہے اس لیئے پکے ہوئے پیاز کا کھانے والا اس ممانعت میں شامل نہیں۔ (دیکھئے مشکوٰۃ صا۶۲)

دونوں ہی کو مسجد میں داخل نہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ بات میں نہیں کہہ رہا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ہے مسجد میں آئے تو روحانی و جسمانی ہر قسم کی آلائشوں سے پاک وصاف ہو کر آیئے۔

آداب مسجد اور جب مسجد میں آیئے۔ تو مسجد کے آداب کو ملحوظ رکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے روکا ہے اور برے اشعار مثلاً فلمی گانے پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ مسجد میں خرید و فروخت کی بھی اجازت نہیں بلکہ یہاں تک کہ حضور نے فرمایا۔ کہ تم اگر کسی کو مسجد میں خرید و فروخت کرتے دیکھو۔ تو اس کے لیئے یوں کہو۔ لَا اَرْبَحَ اللّٰہُ تِجَارَتَکَ خدا تمہاری اس تجارت میں نفع پیدا نہ کرے۔ اسی طرح مسجد میں شور مچانا یا مسجد میں تھوکنا یہ سب باتیں ممنوع ہیں اور آداب مسجد کے خلاف ہیں۔ اور اسی طرح مسجد کا آباد کرنا بھی ہم مسلمانوں ہی پر لازم ہے۔ مگر افسوس کہ اس دور ترقی میں مسلمان کی توجہ مسجد سے ہٹ گئی ہے۔ اور بقول اکبر الہ آبادی۔ ؎

اب نظر نہیں آتی ہے مسجدوں کے فرش پر
قوم نے ایسی ترقی کی۔ کہ پہنچی عرش پر!

اب لوگ چاند میں جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ انہیں مسجد میں آنے کی فرصت کہاں؟ مسجد تو اب رہ گئی۔ ان ملّا نا صفت لوگوں کے لیئے بلکہ مسجد میں آنا تو اب آوٹ آف فیشن" ہے اور جس طرح کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، سینما جانا۔ داڑھی منڈانا وغیرہ فیشن میں داخل ہے۔ اسی طرح مسجد میں نہ آنا بھی آج کل فیشن میں داخل ہے میں نے لکھا ہے۔ ؎

تھیٹروں کے واسطے پیسے چرانے میں بھی طاق
مسجدوں سے جی چرانا آج کل فیشن میں ہے

میں نے اسی سلسلے میں چند ایک اور فیشن بھی گنوائے ہیں کہا ہے ؎

اپنی والِف سے توڑ نا اور دبنا رات دن
اور غریبوں کو دبانا آج کل فیشن میں ہے
سیر کی خاطر نکلنا بیٹھ کر موٹر میں، اور
ساتھ کُتے کو بٹھانا آج کل فیشن میں ہے

ایک حکایت

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک حکایت لکھی ہے آپ فرماتے ہیں۔ ایک بھنگی۔ ایک روز اتفاقاً عطر فروشوں کے بازار میں چلا گیا۔ اس بازار میں ہر دوکان عطر کی تھی اور چاروں طرف سے عطر کی خوشبوئیں اور مہکے آرہے تھے یہ بھنگی جب اس بازار میں پہنچا۔ تو وہاں پہنچتے ہی۔ غش کھا کر گر پڑا عطر فروشوں نے جب دیکھا کہ کوئی شخص بے ہوش ہو کر گر گیا ہے تو سب اپنے اپنے ہاتھ میں مختلف عطر لے کر دوڑے۔ اور اُسے سونگھانے لگے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جوں جوں اُسے عطر سونگھایا جاتا ہے وہ اور بھی زیادہ بے ہوش ہوتا جاتا۔ اور کسی صورت سے ہوش میں نہ آسکا۔ اتنے میں اس بھنگی کی بیوی بھنگن دوڑتی ہوئی آئی اور سب سے کہنے لگی ہٹ جاؤ۔ تم نے میرے بھنگی کو مار ڈالا۔ یہ کہہ کر اس نے جیب سے کوئی چیز نکالی۔ اور اسے ہتھیلی پر مل کر بھنگی کے نتھنوں میں ڈال دی یہ پُراسرار چیز اس کے نتھنوں میں ڈالنے ہی کی دیر تھی۔ کہ بھنگی جھٹ ہوش میں ہو گیا اور اٹھ بیٹھا۔ اب جو لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو سب حیران رہ گئے۔ اور سوچنے لگے کہ اس بھنگن کے پاس وہ کیا اکسیر ہے۔ جس نے فوری اثر کیا۔ اور یہ بے ہوش شخص اٹھ بیٹھا۔ چنانچہ سب اس بھنگن کی منت کرنے لگے۔ تاکہ وہ اس اکسیر صفت دوائی پر انہیں بھی مطلع کر دے۔ بھنگن ہنستی رہی اور ان سے کہتی رہی کہ تم اس میرے علاج کو جاننے کی کوشش نہ کرو۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور اُسے مجبور کیا۔ کہ وہ ضرور اس اکسیر کا پتہ دے۔ تاکہ وہ بھی اس سے مستفیض ہو سکیں۔

پوری نظم اور اسی طرح کی دیگر مزاحی اور ماڈرن نظمیں پڑھنے کے لیے کتاب آج منگوایئے (قیمت سوا روپیہ صرف) پتہ حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل ۳۸ اردو بازار لاہور

چنانچہ بھنگن بولی۔ لوسنو۔ اور دیکھو! یہ ہے وہ چیز جسے میں نے پیس کر اپنے شوہر کے نتھنوں میں ڈالا تھا۔ لوگوں نے دیکھا تو وہ سوکھا ہوا پاخانہ تھا یہ دیکھ کر لوگ پرے ہٹ گئے اور حیران رہ گئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ بھنگن بولی آپ متعجب نہ ہوں گے میں نے نفسیاتی علاج کیا ہے۔ میرا شوہر ہر وقت بدبو میں رہنے والا تھا اس کا دماغ اسی بدبو سے مانوس تھا۔ مگر آج وہ بدقسمتی سے آپ کے بازار میں آگیا جہاں چاروں طرف خوشبو ہی خوشبو ہے۔ اس کے دماغ پر جو اس غیر مانوس خوشبو کا چاروں طرف سے حملہ ہوا۔ تو اس کا دماغ تاب نہ لا سکا اور فوراً بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد آپ لوگوں نے اس کا جو علاج شروع کیا یعنے اُسے اور بھی زیادہ خوشبو سونگھانے لگے تو یہ علاج اس کے لیے اور بھی زیادہ مضر ثابت ہوا شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گئی۔ ورنہ آپ نے تو میرا شوہر مار ہی ڈالا تھا میں نے آتے ہی اپنی جیب سے اس کی جانی پہچانی چیز اور اس کے دماغ سے مانوس شے نکالی اور اسے پیس کر اُسے سونگھایا۔ تو اس نے اپنی پسندیدہ چیز کو سونگھا تو فوراً ٹھیک ہو گیا۔ اور ہوش میں آگیا۔ اور اُٹھ بیٹھا؟"

حضرات! دیکھا آپ نے بھنگی پر کیا گزری! کچھ یہی قصہ جیفۂ دنیا کے طالب کا بھی ہے۔ جو شخص دنیا میں اس قدر محو و مستغرق ہے۔ کہ خدا اور رسول کا اسے دھیان تک نہیں۔ جو ہر وقت فلمی گانوں دُنیوی باتوں، اور صرف اسی دنیا کے عیش و عشرت کی سکیموں میں مشغول رہتا ہے وہ اگر کبھی بھولے سے مسجد میں بھی آجائے۔ تو وہاں اس کا وہی حال ہوتا ہے۔ جو عطر فروشوں کے بازار میں اس بھنگی کا ہوا تھا مسجد میں قرآن و حدیث کی آواز، نماز روزے کا ذکر اور عاقبت سنوارنے کا وعظ اس قسم کی آوازیں اسی کے دنیوی تعفن سے متعفن و دماغ پر مختلف عطروں کی خوشبوؤں کا کام کر جاتی ہے۔ اور وہ بے چارہ مسجد میں گویا غش کھا کر جاتا ہے اور وہاں بڑا بے چین رہتا ہے اور اُسے اس وقت تک ہوش یا تقین نہیں آتا جب تک کہ مسجد سے نکل کر وہ جیفۂ دنیا کی کوئی بدبو سونگھ

نہیں لیتا۔ اور پھر وہی اپنی من بھاتی فضا دیکھ نہیں لیتا۔"

میرے بھائیو! آج کل یہ روش عام ہے۔ مسلمان کا دل مسجد میں لگتا ہی نہیں حالانکہ اس کا دل مسجد ہی میں لگنا چاہیئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ

اچھی مجلس

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب مسجد کی مجلس ہے اور سب سے زیادہ مبغوض مجلس بازار کی مجلس ہے۔ افسوس کہ مسلمان نے آج اس اللہ کی محبوب مجلس سے بے پرواہی اختیار کر لی اور جو بُری مجلس تھی بازار کی اُسے اختیار کر لیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بُری مجلس بازاری مجلس بیان فرمائی ہے اور یہ بدیہی بات ہے کہ جس چیز کے ساتھ بازاری کا لفظ آجائے وہ معیوب ہو جاتی ہے جیسے بازاری گھی اور بازاری عورت تو اسی طرح میرے بھائیو! ہمیں بھی بازاری آدمی نہ بنتا چاہیئے۔ بلکہ پاکیزہ مجلس اختیار کرنی چاہیئے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا۔

جب تم جنت کے باغوں کے میں سے گزرو۔ تو اُن باغوں کا میوہ کھاؤ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ جنت کے باغ کون سے ہیں؟ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسجدیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اور حضور ان کا میوہ کیا ہے؟ فرمایا! سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ یعنی ذکر حق، یہ ہے مسجد کا میوہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صـ ۶۲)

مسلمانو! معلوم ہوا۔ کہ جنتی بننے کے لیئے مسجدوں میں آنا اور ذکر حق کرنا ضروری ہے اور خوب یاد رکھو۔ مسلمان کی زینت ہی مسجد سے ہے اور یہ مسجد ہی میں موزوں نظر آتا ہے۔ اس کا سینما، تھیٹروں جوا خانہ یا شراب خانہ میں کیا کام بھائیو! سب جانتے ہیں کہ مشینری کا جو پرزہ جس جگہ کے لیئے بنایا گیا ہو وہ اگر وہیں فٹ ہو گا تو موزوں بھی رہے گا۔ کام بھی کرے گا اور قیمت بھی پائے گا۔ اور اگر وہ اپنی بیٹھا ہی نہیں۔ اور اگر بالفرض دھکے سے اُسے اس کی جگہ پر

فٹ کیا بھی جائے۔ تو وہ وہاں پھنس کر رہ جائے اور چلنے ہی نہیں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ اس پُرزے کی قیمت گر جائے گی۔ کیوں؟ اس لیئے کہ وہ جس جگہ کے لیئے بنایا گیا تھا وہاں فٹ نہیں بیٹھتا اور اپنا کام نہیں کرتا۔ میرے دوستو! ایسا پرزہ اگر پانچسو روپیہ کا تھا۔ تو اپنی جگہ چھوڑ کر وہ پانچ کوڑی کا بھی نہیں رہ جاتا۔ بالکل اسی طرح مسلمان جب اپنی جگہ پر فٹ بیٹھتا تھا۔ نمازی و غازی تھا۔ عابد و مجاہد تھا۔ تو اس کی قدر و قیمت بھی تھی۔ اور اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ کا تمغہ یافت بھی تھا، مگر جب اس نے اپنا مقام چھوڑ دیا۔ اور بُری مجلسوں کو اپنانا شروع کر دیا تو نتیجہ ظاہر ہے کہ اس کی قدر و قیمت بھی گر گئی۔ اور وہ وقعت و عزت بھی باقی نہ رہی۔ اکبر الہ آبادی نے خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا
اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا
جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

ہاں تو میرے بزرگو اور دوستو! میں سنا رہا تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جو تین چیزیں تھیں۔ ان میں سے جو حضور نے فرمائی وہ خوشبو ہے اور دوسری چیز جو حضور نے بیان فرمائی ؎

عورتیں

وہ عورتیں ہیں۔ بھائیو! پہلے یہ بات خوب یاد رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو تشریف لائے تو ہمارے معلم بن کر یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ قرآن کی یہ آیت صاف بتا رہی ہے۔ کہ حضور دنیا بھر کے لیئے معلم بن کر تشریف لائے اور ظاہر ہے۔ کہ معلم تعلیم دینے کے لیئے مختلف طریقے اختیار کرتا ہے۔ زبانی بھی پڑھتا ہے اور عملی رنگ میں بھی سکھاتا ہے۔ ہمارے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم جو سارے عالم کے معلم ہیں۔ آپ کی ایک ایک ادا تعلیم امت کی خاطر اور ہمارے سکھانے کے لیے تھی"۔

مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمایا۔ یا پانی نوش فرمایا۔ تو اس لیے نہیں۔ کہ آپ کھانے پینے کے محتاج تھے۔ بلکہ اس لیے کہ امت کو کھانا پینا سکھا دیں۔ اور امت کے لیے کھانا پینا جائز ہو جائے اسی طرح جملہ عوارض بشریت اور مقتضیات محض تانیس اور تشریع امت کے لیے تھے۔ نہ اس لیے کہ آپ کسی بات کے محتاج تھے چنانچہ حضرت امام قسطلانی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں

كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَأْتِي إِلَى شَيْءٍ مِّنْ أَحْوَالِ الْبَشَرِيَّةِ إِلَّا تَانِيْسًا لِأُمَّتِهِ وَتَشْرِيْعًا لَهَا۔ (مواہب الدنیہ ص ۳۴۲ ج ۱)

یعنی حضور علیہ السلام کے جملہ احوال بشریت محض امت کی تعلیم و تانیس کے لیے تھے"۔

دیکھ لیجیے! محدثین کرام کا یہی فیصلہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان بشری صرف اس لیے تھا۔ تاکہ اس کی طرف امت کو رغبت ہو جائے اور امت کے لیے وہ کام جائز ہو جائے۔

میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول نہ فرماتے۔ اور نوش نہ فرماتے۔ تو ہمارے لیے کھانا جائز ہوتا نہ پانی پینا جائز ہوتا حضور نے کھانا نوش فرمایا تو ہمارے لیے کھانا جائز ہوا۔ آپ کا یہ کھانا پینا اسی لیے تھا ورنہ آپ کھانے پینے کے ہرگز ہرگز محتاج نہ تھے اور یہ بات حدیث پاک سے ثابت ہے"۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں جب صوم وصال فرمانے لگے تو صحابہ نے بھی حضور کی طرح صوم وصال شروع کر دیا۔ وصال کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام رمضان شریف میں دن کے علاوہ رات کو بھی کچھ تناول نہ کرتے اور نہ کچھ نوش فرماتے"۔

حضور ہماری مثل نہیں

صحابہ کرام نے حضور کی یہ ادائے مبارک دیکھی تو انہوں نے صحابہ سے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور آپ جو کرتے ہیں۔ پھر ہمیں اجازت کیوں نہیں دیتے تو حضور نے فرمایا،،

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ (بخاری شریف ج۱ ص۲۶۳)

تم میں کون ہے۔ جو میری مثل ہو؟ مجھے تو رات کو میرا رب کھلا بھی دیتا ہے اور پلا بھی دیتا ہے،،

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا۔

لَسْتُ مِثْلَکُمْ ـــــ میں تمہاری مثل نہیں ہوں

(دیکھئے بخاری شریف ص۱۰۸۴ جلد ۲)

دیکھا آپ نے رمضان شریف میں نہ دن ہی کو کچھ کھانا پینا۔ اور نہ رات ہی کو کچھ کھانا پینا۔ یہ حضور ہی کا خاصہ ہے۔ ورنہ ہم تو کیا خود صحابہ کرام کو بھی اس سے روک دیا گیا کیونکہ کھانے پینے کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ معلوم ہوا کہ کھانے پینے کے ہم محتاج ہیں۔ حضور نہیں۔ حضور تو محتاج الیہ ہیں۔ حضور اگر محتاج ہیں تو صرف اپنے اللہ کے اور اللہ کے سوا سب کے آپ محتاج الیہ ہیں اسی لیے مولانا روی۔ فرماتے ہیں۔ کہ ؎

چوں محمد بود محتاجٌ الیہ

زیں سبب فرمود حق صلّوا علیہ

میرے بزرگو اور دوستو! یہ بات بھی خوب سمجھ لو۔ کہ قرآن پاک میں جو قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا ارشاد موجود ہے وہاں خطاب کافروں سے ہے۔ چونکہ کافر انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں اور یہی ان کا مبلغ علم تھا اس لیے ان کی سمجھ کے مطابق اور بطور تواضع حضور نے کافروں سے یوں فرمایا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اور مسلمانوں سے آپ نے ہرگز یوں نہیں فرمایا۔ نہ تو مسلمانوں

نے ہی کبھی انبیاء کرام کو اپنی مثل کہا۔ اور نہ ہی حضور علیہ السلام نے مسلمانوں سے یوں فرمایا کہ میں تمہاری مثل بشر ہوں۔ بلکہ مسلمانوں سے اگر فرمایا تو یہی۔
لَسْتُ مِثْلَكُمْ اور اَیُّكُمْ مِثْلِیْ یعنی میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ اور تم میں کون ہے جو میری مثل ہو؟ تو کیا صحابہ کرام کو اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ والی آیت یاد نہ تھی؟ تا کہ وہ کہہ دیتے حضور آپ ہماری مثل اور ہم سب ہی آپ کی مثل ہیں کیونکہ آپ ہی نے بولا ہے۔ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ پھر آج آپ اَیُّكُمْ مِثْلِیْ کیوں فرمارہے ہیں مگر نہیں نہیں۔ صحابہ کرام جانتے تھے۔ کہ وہ خطاب تو گستاخوں سے ہے اور انبیاء کو اپنی مثل سمجھنا انہی کا شیوہ ہے۔ اور ہم نیازمندوں کے لیے تو یہ ارشاد ہے کہ حضور کو اپنی مثل نہ سمجھیں اور نہ ہی کہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے کبھی حضور کو اپنی مثل نہ سمجھا اور نہ کہا۔ اور اسی طرح بزرگان دین اور جملہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مقدسہ کو نورانی اور بے مثل بشریت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

هُوَ بَشَرٌ لَيْسَ كَالْبَشَارِ كَمَا اَنَّ الْيَاقُوْتَ حَجَرٌ لَيْسَ كَالْاَحْجَارِ۔

(مواہب لدنیہ ص ۳۴۲ ج ۱)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ لیکن کسی بشر کی مثل نہیں جس طرح یاقوت بھی پتھر ہے لیکن کسی پتھر کی مثل نہیں ''

سبحان اللہ! کیا اچھا ارشاد ہے۔ کہ ہیرا بھی اگر پتھر ہوتا ہے مگر دوسرے پتھروں کی مثل نہیں ہوتا۔ اسی لیے اُسے پتھر کوئی بھی نہیں کہتا۔ سبھی یاقوت، لعل، اور ہیرا ہی کہتے ہیں۔ ہاں جس کی عقل پر پتھر پڑے ہوں۔ وہ اسے پتھر کہتے ہیں تو کہا!

دوستو! ذرا غور تو کرو۔ کہ ایک پتھر وہ بھی ہے۔ جو فرش اور دیواروں اور پائخانوں میں لگایا جاتا ہے۔ اور ایک پتھر زمرد و لعل اور یاقوت بھی ہے۔ جو گلے، کانوں اور ہاتھوں میں پہنا جاتا ہے۔ اور بادشاہوں کے تاج میں لگایا جاتا ہے۔ کیوں صاحب اگر پائخانہ کا ایک پتھر بادشاہ کے تاج پر آویزاں لعل سے یوں کہنے لگے کہ تو بھی میری مثل

پتھر ہے۔ تو فرمایئے۔ یہ ایسے ہی ہے یا نہیں جیسے کوئی مقام محمود پر تشریف فرما کر تاجدار نبوت کو اپنی مثل بشر کہنے لگے۔

ہے عرش پر ان کی گذر — تو رینگتا ہے فرش پر
اب خود ہی تو انصاف کر — تو بھی بشر، وہ بھی بشر

دوستو! حرم مکہ شریف بھی پتھر سے ہی بنا ہوا ہے اور خانہ کعبہ بھی پتھر سے ہی بنا ہے ــــ اور دوستو سنیئے! حجراسود بھی ایک پتھر ہی ہے۔ مگر سبحان اللہ وہ ایسا پتھر جسے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور انبیاء کرام اور اولیاء کرام اور حاجیوں نے بار ہا چوما ہے اور آج تک چوما جا رہا ہے۔ تو کیوں صاحب! اگر کسی شراب خانہ کا کوئی پتھر اٹھ کر یوں کہہ دے کہ حجراسود بھی میری مثل پتھر ہے۔ تو فرمایئے اس شرابی، پتھر کو کیا کہیئے گا۔

اور سنیئے! ایک پتھر وہ ہے۔ جو پاخانہ کے فرش پر لگ رہا ہے۔ جس پر رات دن نجاست پڑتی رہتی ہے۔ اور ایک پتھر وہ ہے جو مسجد کے فرش پر لگ رہا ہے۔ اس پر تھوکنا بھی منع ہے۔ اب غور کیجیئے۔ کہ وہ نجاست آلود پتھر اس پاک پتھر سے کس طرح مساوات کا دم بھر سکتا ہے۔

بھائیو! وہ پیالہ جس میں پانی یا دودھ ڈال کر آپ اپنے منہ سے لگا کر پانی یا دودھ پی رہے ہیں۔ وہ بھی مٹی کا ہی ہے۔ اور وہ استنجے کے ڈھیلے کا کیا حق ہے۔ کہ وہ اپنے پلید منہ سے ایک پاکیزہ برتن کو اپنی مثل مٹی کہے۔

میرے بزرگو! اور دوستو! کبھی دل میں خیال تک بھی نہ لایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ہیں یا ان کی مثل ہیں۔ توبہ! توبہ!! چہ نسبت۔ خاک را با عالم پاک؛ عزیزو! اگر اس لیئے کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم لباس بشریت میں تشریف لائے اور ہم بھی بشر ہیں۔ اس لیئے اس لفظ بشر میں اشتراک کی وجہ سے یہ کہنا جائز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ہیں یا ہم ان کی مثل ہیں تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح سمیع، بصیر، حکیم اور حیؔ وغیرہ اللہ کی صفات!

_______ . اور اللہ نے انسان کو بھی سمیع بصیر، حکیم حی بنایا گیا ہے۔ تو گویا اللہ کی ان صفات میں اشتراک اسمیں تو ہمیں بھی حاصل ہے تو کیا پھر یہ کہنا بھی جائز ہے کہ اللہ بھی ہماری مثل سمیع و بصیر ہے یا ہم اس کی مثل سمیع و بصیر ہیں۔ توبہ! توبہ!! ایسا کہنا کوئی بھی جائز نہیں کہتا تو بھائیو! پھر محبوب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی دعوائے مساوات کوئی مسلمان نہیں کرسکتا کہ کہاں ہم کہاں وہ کہاں فرش اور کہاں عرش: ہم پورے پنجہ کی قوت کے ساتھ ایک اینٹ بھی نہیں توڑ سکتے اور وہ اپنی ایک انگلی مبارک کے صرف ایک اشارے ہی سے آسمان پر چاند کے بھی دو ٹکڑے کردیں۔ ہمارے کہنے میں اپنی اولاد بھی نہیں اور وہ درختوں کو بھی بلائیں۔ تو غلامانہ حاضر ہو جائیں۔ ہم وہ جس سے فرش بھی نالاں اور وہ وہ ہیں۔ جن کا عرش بھی خواہاں۔ ہم وہ جو (معاذ اللہ) اگر ہم انہیں نہ مانیں تو ہم بے ایمان۔ اور وہ وہ اگر ہم کو نہ مانیں تو بھی ہم ہی بے ایمان سمجھے آپ یہ کیا کہا میں نے؟ میں نے کہا ہے۔ اگر حضور اور ہم میں مماثلت اور مساوات ہوتی تو دونوں طرف بات برابر رہتی۔ یعنی اگر ہم انہیں نہ مانتے تو فتوی ہم لگتا اور وہ اگر نہ مانیں تو فتوی ہم پر نہ لگتا مگر یہاں تو قصہ یہ ہے کہ جو انہیں نہ مانے وہ بے ایمان۔ اور جسے وہ نہ مانیں۔ پھر بھی وہی بے ایمان ہے۔"

دیکھا آپ نے؟ یہ ہے شان والا کہ سب کچھ وہی ہیں۔ انہی کی نظر کرم سے ایمان بھی ملتا ہے۔ وہ اگر نظر انور پھیر لیں؟ تو دین و دنیا برباد اور اگر ہم ان سے نظر پھیر لیں تو بھی ہمارا ہی دین دنیا برباد۔ بھائیو! اس مماثلت کے موضوع پر مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں خوب لکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ۔

مثنوی کے اشعار

کافراں اندر مری بوزینہ طبع
آفتے آمد درون سینہ طبع!

یعنے کافر جو انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں بندر کی طرح ہیں

ہر چہ مردم می کند بوزینہ ہم
آں کند کو مرد بیند و مبدم

جو کچھ آدمی کرتا ہے۔ بندر بھی نقال بن کر وہی کچھ کرنے لگتا ہے

آں گمان بردہ کہ من کردم چو اُو
فرق را کے داند آں استیزہ رو

اور پھر وہ بدگمان کرنے لگتا ہے۔ کہ میں بھی انسان کی مثل ہوں
اس لیے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے۔ میں بھی کرتا ہوں"

سبحان اللہ! مولانا رومی نے کیا اچھا فیصلہ فرمایا ہے۔ اور خوب سمجھایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ بندر اپنی حرکات و سکنات کو انسان کی حرکات و سکنات کی مثل سمجھ کر اپنی نقالی کو انسانیت کے برابر سمجھ لیتا ہے۔ اور اپنا عقیدہ یہ بنا لیتا ہے کہ میں بھی انسان کی مثل، یا انسان بھی میری ہے تو بندر کا یہ عقیدہ محض اس کی بے عقلی اور حماقت ہی ہے۔ اور کچھ بھی نہیں ہے

بھلا ذلت ہو عزت کے برابر ہو بھی نہیں سکتا
برابر حضرت انسان کے بندر ہو نہیں سکتا

ہاں تو میں کہنے یہ لگا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے معلم بن کر تشریف لائے اور آپ کی ہر ہر ادا تعلیم امت کے لیے تھی آپ کا کھانا پینا اور نکاح وغیرہ کرسب اُمت کو سکھانے، اور پڑھانے کے لیے تھا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد میں سے صاحبزادوں کا تو بچپن

ہی میں انتقال ہو گیا اور حضور کی چاروں صاحبزادیاں زندہ رہیں اور حضور نے ان کی تربیت فرمائی۔ حکمت یہاں بھی یہی تھی کہ عرب کے لوگ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور لڑکیوں سے انہیں بڑی نفرت تھی۔ اللہ نے حضور کو چار لڑکیاں عطا فرمائیں جن کی حضور نے محبت و پیار سے تربیت فرما کر لوگوں کو تعلیم دی کہ وہ بھی لڑکیوں کی محبت و پیار سے تربیت کریں ان سے نفرت نہ رکھا کریں اور انہیں زندہ درگور نہ کر دیا کریں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا میں عورتوں کو بڑا ذلیل سمجھا جاتا تھا اور اسے ایک لعنت سمجھا جاتا تھا یورپ کے قدیم زمانہ میں عورتیں فوج میں بھرتی کی جاتی تھیں اور مردوں کے ہوتے ہوئے عورتیں میدان جنگ میں جا کر گلا کٹوائی تھیں۔ اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ یورپ کی نظر میں عورت کا کچھ بھی احترام نہ تھا۔ ایرانی اپنی بیبیوں کے ساتھ ان کی بہنوں اور لڑکیوں کو داخل حرم کر لیتے تھے۔ اس بات سے اُن کی حیوانیت کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عورتوں کی حرمت اُن کی نظر میں کچھ نہ تھی۔ ہندوستان میں عورتوں کا اپنے شوہروں کی نعشوں کے ساتھ جل مرنے کی رسم کا وجود اس بات سے ظاہر کر رہا ہے۔ کہ مردوں کی نظر میں عورت کی کوئی عزت نہ تھی۔ پھر اکثر قوموں میں جانوروں کی طرح ان کی بیبیوں کی تعداد ان کے دستور کے مطابق غیر محدود تھی عرب میں بھی عورتوں کو جانوروں کی سمجھا جاتا تھا اور ان سے نفرت کی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ عورت انسان ہونے کے باوجود کس قدر ذلیل اور مظلوم تھی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت للعالمین کا تاج پہن کر تشریف لائے آپ نے عورت کو بھی قعر ذلت سے نکالا اور اسے بھی اپنی رحمت سے نوازا۔ اور اسے عزت و شرافت عطا فرمانے کے لیئے اعلان فرما دیا کہ مجھے عورتوں سے نفرت نہیں میں ان کا مخالف نہیں میں ان پر ظلم کرنے کا حامی نہیں۔ میں اس قسم کی برائیوں کو مٹانے کے لیئے آیا ہوں۔ لہذا میرا یہ ارشاد سن لو۔ کہ مجھے تمہاری اس دنیا کی جو پسندیدہ چیزیں ہیں ان میں سے ایک یہ

عورتیں بھی ہیں۔ مطلب یہ کہ اے میرے غلاموں۔ خبردار۔ ان عورتوں پر آئندہ کوئی ظلم نہ ہونے پائے انہیں نفرت سے نہ دیکھا جائے۔ ان کو ذلیل نہ سمجھا جائے ان کے ساتھ بہیمانہ سلوک نہ کیا جائے۔ بلکہ ان سے محبت کی جائے۔

حضرات! سمجھے آپ کہ حضور نے عورتوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کی حکمت یہی ہے۔ کہ ہم غلاموں کو تعلیم دی کہ ان پر کوئی ظلم ——— نہ کرنا"

بزرگو اور دوستو! یہ حقیقت ہے۔ کہ جو عزت و عظمت اسلام نے عورت کو بخشی ہے وہ کسی قوم نے اسے نہیں دی۔ آج یورپ میں عورت کی آزادی کے بڑے پرچے ہیں۔ مگر یہ جس قسم کی آزادی آج یورپ نے عورت کو دی ہے اس سے بڑھ کر عورت کے لیے شاید اور کوئی ذلت نہ ہوگی۔ یورپ میں مردوں نے عورت کو تو اپنی تکمیل خواہش اور ہوس رانی کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے"

بھائیو! یہ یورپ کی آزادی نہیں۔ بلکہ یہ تو بے راہ روی ہے۔ ایک طرف اگر مردوں نے عورت کو اپنی ہوس رانی کے لیے ایک ذریعہ سمجھ رکھا ہے تو دوسری طرف عورتوں نے بھی مرد کو ایک وقتی طور پر جی بہلانے کے کھلونا سمجھ رکھا ہے"

جی بہل گیا۔ تو جب چاہا اُسے پرے پھینک دیا۔ کیوں صاحب آپ نے کیا اخبارات میں یورپین عدالتوں کے قصے نہیں پڑھے۔ کہ میم صاحبہ طلاق لینا چاہتی ہیں۔ اور اپنے خاوند کو چھوڑنا چاہتی ہیں۔ کس لیے؟ اس لیئے کہ صاحب نے میم صاحبہ کے کتے کو ڈانٹا ہے اور یہ دوسری میم صاحبہ اس لیے اپنے صاحب سے الگ ہونا چاہتی ہیں کہ صاحب نے میم صاحبہ کا ہاتھ ذرا زور سے دبا دیا ہے۔ اور تیسری صاحبہ اپنے صاحب سے اس لیے خفا ہیں کہ صاحب ڈانس سے دلچسپی نہیں۔ وغیرہ وغیرہ!

اور پھر ایسی میم صاحبات کو اپنے اپنے خاوند سے جو برائے نام پیار ہوتا

ہے۔ وہ بھی ظاہر ہے۔ کہ شوہر سے زیادہ اپنا بلڈاگ پیارا ہوتا ہے۔ میں نے لکھا ہے۔ کہ

ڈارلنگ کہہ کر لگے منہ چومنے وہ پیار سے
عاشقو تم سے تو اچھا یار کا بلڈاگ ہے

ابھی پچھلے دونوں اخبارات میں یورپ کی ایک میم صاحب کی ایک خبر آئی تھی کہ اس کا شوہر یعنی صاحب اپنی میم صاحبہ کے کتے سے بڑی نفرت رکھتا ہے اور وجہ یہ بیان کرتا ہے۔ کہ میم صاحبہ کی مجھ سے زیادہ اس کتے کی طرف رغبت ہے اور ایک لطیفہ بھی مشہور ہے جو یورپین آزادی اور مغربی تہذیب کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔ لیجیے سنیئے وہ لطیفہ۔

یورپین لطیفہ ایک میم اور ایک صاحب دونوں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتوں کا سوداگر ملا جس نے ایک کتا میم صاحبہ کو پیش اور کہا۔

میم صاحبہ! اسے ضرور خرید لیجیے۔ یہ بڑا۔ وفادار ہے، اور مجھے امید ہے کہ آپ کے شوہر سے بھی زیادہ آپ کا وفادار ثابت ہو گا۔ اور اس کے ہوتے ہوئے آپ اپنے شوہر کو بھی بھول جائیں گے۔"

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ جو عزت عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشی۔ کسی قوم و مذہب نے وہ عزت عورت کو نہیں دی۔"

بیوی کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو ظلم و ستم سے بچایا اور اسے اس دین کے حقوق دلائے مردوں کو ان پر ظلم و ستم کرنے سے ——— اور ان سے اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ بِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ۔ (مشکوٰۃ ص۲۷۳)

یعنی تم سے وہ شخص اچھا ہے جو اپنے اہل سے اچھا سلوک کرے اور

میرا اپنے اہل سے بڑا اچھا سلوک ہے"۔
دیکھا آپ نے؟ حضور فرماتے ہیں کہ جو شخص بیوی سے اچھا سلوک کرے وہی اچھا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ عورت کے ساتھ نرمی سے پیش آیا کرو۔ اور اس پر سختی نہ کرو کیونکہ عورت کی پیدائش پسلی سے ہے اور پسلی سب جانتے ہیں کہ ٹیڑھی ہوتی ہے اور اگر تم اس پسلی کو تم سختی کے ساتھ سیدھا کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی۔ مگر سیدھی نہ ہو گی۔ لہذا اس سے نرمی کے ساتھ ہی کام لے لیا کرو" (دیکھئے مشکوٰۃ شریف صـ۲۸۲)

سبحان اللہ! کیا ہی پرلطف ارشاد ہے۔ واقعی عورت جب اپنی ضد پر اڑ جائے تو پسلی کی مانند اس کی کجی کون درست کر سکتا ہے حضور فرماتے ہیں۔ کہ پسلی پر سختی کرنے سے پسلی ٹوٹ جائے گی اور عورت کا ٹوٹ جانا یہ ہے۔ کہ اسے طلاق مل جائے۔ اور حضور کو یہ بات پسند نہیں۔ لہذا تعلیم نبوی یہ ہے کہ اس کے ساتھ نرمی ہی اختیار کرو ـــــ میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے کس کی تعلیم ہے۔ جو مقابلہ کر سکے؟ سبحان اللہ! چھوٹے سے ارشاد میں عورتوں پر ایک احسانِ عظیم فرما دیا۔ اور اُسے جور و ظلم سے بچایا، اور گھر میں جو جھگڑے اور فساد برپا ہوتے ہیں۔ ان کا سدِ باب فرما دیا۔

خانگی تنازعات

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک اداؤں سے زندگی کے پہلو پر روشنی ڈالی ہے وہ کونسا گھر ہے۔ جس گھر میں کبھی کبھار میاں کچھ تھوڑی بہت اَن بن نہیں ہو جاتی مگر سو جان سے نثار تعلیم نبوی پر ایک ہر بات کو اپنی مبارک اداؤں سے سمجھا دیا۔
چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے مسکراتے ہوئے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کہ اے عائشہ! جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ حضرت ام المومنین نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ حضور نے فرمایا

جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو۔ تو یوں کہتی ہو لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ مجھے محمد کے رب کی قسم اور جب کچھ ناراض سی ہوتی ہو۔ تو یوں کہتی ہو۔ لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ۔ مجھے ابراہیم کے رب کی قسم! حضرت ام المومنین نے عرض کیا۔ ہاں یارسول اللہ! بات یہی ہے۔ مگر! مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ میں صرف آپ کا نام ہی تو چھوڑتی ہوں لیکن آپ کی ذاتِ گرامی کی محبت تو میرے دل میں بدستور رہتی ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص۲۸۲ (مدارج النبوۃ ص۲۸۶ جلد ۲)

سبحان اللہ! کیا ہی مبارک ادائیں ہیں۔ میرے بھائیو! یہ سب ادائیں ہماری تعلیم کے لیئے ہیں اس مبارک واقعہ میں یہ سکھایا گیا ہے کہ میاں بیوی کی آپس میں کوئی رنجش بھی ہو۔ تو دلی محبت میں کوئی فرق نہ آنا چاہیئے۔ اور یہ رنجش معمولی ہونی چاہیئے۔ اسے بڑھانا نہ چاہیئے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو حضور رحمتِ کے عالم کے ارشادات و روایات پر عمل کر کے اپنی دنیا کو بھی راحت کدہ بنا لیتے ہیں۔"

بھائیو! بعض مردوں کی یہ عادت ہوتی ہے۔ کہ بات بات پر لڑنا جھگڑنا اور بیوی کو خواہ مخواہ ڈانٹنا ڈپٹنا۔ اور اسے پیٹنا بھی یہ باتیں ہمارے حضور کو پسند نہیں۔ آپ نے جو اپنی تین چیزیں پسندیدہ میں ایک چیز عورتیں بیان فرمایا ہے وہ اسی لیئے تاکہ مرد عورتوں پر ظلم و ستم نہ کریں اور خواہ مخواہ ان پر زیادتی نہ کریں۔"

لطیفہ مثلاً ایک مشہور لطیفہ ہے۔ کہ ایک میاں کی عادت تھی کہ جب وہ رات کو گھر آتا تو کسی نہ کسی بہانے عورت سے لڑائی مول لیتا اور بات بڑھاتے بڑھاتے اسے پیٹنا شروع کر دیتا۔ ایک روز رات کو بیوی نے ہر چیز سلیقہ سے رکھ دی اور اپنی طرف سے کوئی ایسی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جس کا بہانہ بنا کر اس کا میاں اسے پیٹنا شروع کر دے۔ چنانچہ اس رات میاں جب گھر پہنچے تو اپنی عادت پوری کرنے کے لیئے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کہ کوئی بہانہ ملے اور میں بیوی سے لڑوں جھگڑوں۔ اور اسے پیٹوں۔ مگر انہیں کوئی ایسی بات نظر

نہ آئی۔ تاہم انہیں اپنی عادات تو پوری کرنا ہی تھی۔ گرمیوں کے دن تھے اور چار پایاں کوٹھے پر بچھ رہی تھیں۔ میاں نے بیوی سے پوچھا۔ میری چار پائی کہاں بچھائی ہے بیوی نے کہا۔ وہ سامنے والی چار پائی آپ کی ہے۔ میاں نے چار پائی کو دیکھا اور پھر اوپر آسمان طرف دیکھا آسمان صاف تھا۔ اور تاروں بھری رات تھی وہ ایک سفید راستہ سا جو تاروں کے جمگھٹے سے نظر آیا کرتا ہے اور جسے عوام راستہ کہتے ہیں اُسے دیکھ کر بیوی سے کہنے لگا۔ کہ یہ کیا ہے؟ بیوی نے کہا کہ یہ راستہ ہے۔ بس پھر کیا تھا میاں نے بیوی کی چوٹی پکڑ لی اور پیٹنا شروع کر دیا اور کہنے لگا۔ حرام زادی میری چار پائی راستے کے نیچے بچھا دی۔ اگر کوئی تانگہ یا موٹر وغیرہ اوپر سے گزرتے ہوئے میرے اوپر آگرے میں تو مر ا بس اسی بات پر بچاری عورت کو خوب پیٹا۔ دیکھا آپ نے کس طرح اس "جوالمردہ" نے اپنی عادت پوری کر لی۔

مرد کا حق

حضرات! میری اس تقریر کو پڑھ سُن کر ممکن ہے، بعض عورتیں اور بھی زیادہ دلیر ہو جائیں اور پھر ان کے مرد مجھے کوسنے لگیں۔ کہ یہ اچھا وعظ سنایا۔ کہ عورتیں کو سر چڑھا گئے اس لیے ساتھ یہ بھی سن لیجئے۔ کہ جہاں حضور علیہ السلام نے عورتوں سے نرمی کا برتاؤ کرنے کا ارشاد فرمایا ہے وہاں مردوں کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں اور فرمایا ہے کہ غیر خدا کو اگر سجدہ کرنا روا ہوتا۔ اور میں کسی کو یہ حکم دیتا۔ کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے۔ تو عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں"۔ (مشکوٰۃ ص۲۷۴)

گویا مرد کو اللہ نے عورت پر بڑی عظمت و فضیلت عطا فرمائی ہے اور عورت پر مرد کی تعظیم لازم ہے۔ سبحان اللہ! مزہ ہی تو آجاتا ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو یہ حکم دے دیتے۔ تو پھر ہر صبح میاں کرسی پر بچھا کر اس پر شان سے بیٹھ جایا کرتے۔ اور ننھے کی اماں کو پکارا کرتے۔ کہ ادھر آ اور مجھے سجدہ کرو مسلمان عورتو! شکر کرو کہ حضور علیہ السلام حکم نہیں فرما گئے۔ ورنہ تمہیں پتہ چل جاتا۔ جب کہ خاوند کو سجدہ بھی کرنا پڑتا۔ مگر تمہارا کیا ہے۔ تم خود اللہ تعالیٰ کا سجدہ بھی

چھوڑ دیتی ہے پھر بھلا خاوند کو سجدہ نہ کرنے میں تمہارا کون کچھ بگاڑ لیتا ہے۔ یہ ان سے خطاب ہے جو نماز نہیں پڑھتیں اس لئے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی بعض اللہ کی بندیاں نمازی اور تہجد گزار بھی ہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا۔ کہ آج کل مردوں سے زیادہ عورتوں کے اندر نماز روزہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ یہ واقع ہے کہ رمضان شریف میں مردوں سے زیادہ عورتیں روزہ دار ہوتی ہیں۔ عورت گھر کا کام کاج کرتے ہوئے، چولہا و تنور کے آگے بیٹھے ہوئے بھی روزہ سے ہوتی ہے اور مرد کرسی پر بیٹھے ہوئے اور پنکھے کے نیچے لیٹے ہوئے بھی روزہ توڑ، واقع، ہوتا ہے!!

احترام رمضان

چنانچہ ہم نے رمضان شریف کے مہینہ میں لاہور، کراچی وغیرہ شہروں میں اکثر دیکھا ہے۔ کہ احترام رمضان کی اپیلوں کے باوجود دن میں ہوٹل کھلے ہوتے ہیں۔ اور خورد و نوش جاری رہتی ہے۔ احترام کے لیئے صرف اتنا کر دیا جاتا ہے۔ کہ دروازوں پر چکیں ڈال دی جاتی ہیں۔ اور نقشہ یہ نظر آتا ہے۔ کہ چک سے باہر ماہِ رمضان، اور اندر ماہِ شوال باہر روزہ اور اندر عید۔ ایک شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ

شب ہائے مبارک میں ہوٹل کا سماں دیکھا
ہر میز پہ اک مست و مے خوار نظر آیا!
دن میں جو کبھی ہم نے ہوٹل پہ نظر ڈالی
ٹوٹے ہوئے روزوں کا انبار نظر آیا!

دیکھا آپ نے،، احترام رمضان،، کی شان کو؟ اس نئے دور کی ڈکشنری میں،، احترام،، کا معنی ہے،، چک،،۔ ؎

آہ اسلام! ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا، افسوس وہ ہالے نہ رہے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ یہ عورتیں روزہ رکھنے میں آگے ہیں اسی طرح نوافل

وغیرہ کا بھی انہیں مردوں سے زیادہ شوق ہوتا ہے چنانچہ ستائیسویں رمضان اور پندرہویں شعبان کے نفلوں کی تعداد وغیرہ زیادہ تر عورتیں ہی پوچھتی ہیں۔ رمضان شریف کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے میں بھی یہ عورتیں ہی مردوں سے آگے ہیں۔ میری یہ تقریر سن کر عورتیں بڑی خوش ہوں گی۔ اور بے شک یہاں تک تو خوشی ہی کی بات ہے۔ مگر آگے بھی سنو۔ کہ جہاں یہ نماز روزا اور نوافل میں آگے ہیں۔ وہاں ڈھول بجانے میں بھی یہی آگے ہیں۔ اور بیاہ شادیوں میں گندے گیت اور واہیات گانے میں بھی یہی مشتاق ہیں کون نہیں جانتا۔ کہ بیاہ شادیوں میں عورتوں کے گروہ فضول بلکہ اور مخرب اخلاق قسم کے گانے گاتے پھرتے ہیں اور ڈھولک کی سرتال سے مہینہ مہینہ تک محلے بھر کی نیند حرام کردی جاتی ہے اور پھر ان کی زبان ان گیتوں میں کچھ ایسی رواں دواں ہوتی ہے۔ کہ الامان والحفیظ!

ہارون رشید کے سامنے دو لونڈیوں کا پرلطف مناظرہ

میرے بھائیو! ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے۔ کہ عورتیں بڑی دانا اور زیرک ہوا کرتی تھیں۔ ایک تو یہ آج کل کی عورتوں کے لچر قسم کے گیت ہیں، اور ایک پہلی عورتوں کے علمی اشعار بھی تھے چنانچہ ہارون رشید کے زمانہ کی ایک حکایت ہے کہ ہارون رشید کو ایک لونڈی کی ضرورت تھی۔ اس نے اعلان کیا کہ مجھے ایک لونڈی درکار ہے اس کا یہ اعلان سن کر اس کے پاس دو لونڈیاں آئیں اور کہنے لگیں ہمیں خرید لیجئے۔ ان دونوں میں سے ایک کا رنگ کالا تھا۔ اور ایک کا گورا۔ ہارون رشید نے کہا کہ مجھے ایک لونڈی چاہیئے۔ دو نہیں۔ گوری بولی۔ تو پھر حضور! مجھے خریدیئے کہ گورا رنگ اچھا ہوتا ہے۔ کالی بولی۔ حضور! رنگ تو کالا ہی اچھا ہوتا ہے، آپ مجھے خریدیئے ہارون رشید نے ان کی یہ گفتگو سنی۔ تو کہا اچھا ہے۔ تم دونوں اس موضوع پر مناظرہ کرو۔ کہ رنگ گورا ہے یا کالا؟ جو جیت جائے گی میں اُسے خرید لوں گا دونوں نے کہا بہت اچھا چنانچہ دونوں کا مناظرہ شروع ہوا۔ اور کمال یہ کہ دونوں

نے اپنے اپنے رنگ کے فضائل و دلائل عربی زبان میں اور فی البدیہہ شعروں میں بیان کیئے۔ یہ شعر عربی میں ہیں مگر میں نے اُنکا اُردو زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ لیجئے آپ بھی سنیئے اور سر دھنئے"۔

گوری بولی ؎

موتی سفید ہے اور قیمت ہے اس کی لاکھوں
اور کوئلہ ہے کالا پیسوں ہیں ڈھیر پالے

بادشاہ سلامت! دیکھ لیجیئے۔ موتی سفید رنگ کا ہوتا ہے اور کس قدر قیمتی ہوتا ہے۔ مگر کوئلہ جو کالا ہوتا ہے۔ کس قدر سستا ہوتا ہے۔ کہ چند پیسوں ڈھیر مل جاتا ہے۔ اور سنیئے۔

اللہ کے نیک بندوں کا منہ سفید ہوگا
اور دوزخی جو ہونگے منہ اُن کے ہونگے کالے

یعنی اللہ والوں کے منہ کل قیامت میں گورے اور سفید ہونگے اور جہنمیوں کے منہ کالے ہوں گے۔ بادشاہ سلامت! اب آپ ہی انصاف کیجیئے گا۔ کہ رنگ گورا اچھا ہے یا نہیں؟ ——— بادشاہ گوری کے یہ اشعار سن کر بڑا خوش ہوا اور پھر کالی مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ سنا تم نے بھی ہے —— اب تم بتاؤ کیا کہتی ہو —— کالی بولی! حضور! ؎

ہے مشک نافہ کالی قیمت میں بیش عالی
روئی سفید ہے اور پیسوں میں ڈھیر پالی

قبلہ کستوری کالی ہے مگر بڑی گراں قدر اور بیش قیمت مگر روئی جو سفید ہو جاتی۔ بڑی سستی مل جاتی ہے اور چند پیسوں میں ڈھیر مل جاتی ہے اور سنیے ؎

آنکھوں کی پتلی کالی ہے نور کا وہ چشمہ!
اور آنکھ کی سفیدی ہے نور سے وہ خالی!

یعنی دیکھ لیجیے۔ آنکھ کی پتلی جس سے نظر آتا ہے۔ وہ کالی ہوتی ہے۔ سارا نور اسی میں ہوتا ہے۔ اور اس پتلی کے ارد گرد جو سفیدی ہے۔ اس میں قطعًا کوئی نہیں ـــــ بادشاہ سلامت! اب آپ ہی انصاف کیجیے۔ کہ کالا اچھا ہے یا نہیں؟
یہ اشعار سن کر بادشاہ اور بھی زیادہ خوش ہوا اور پھر گوری کی طرف دیکھا تو وہ فوراً بولی۔ ؎

کاغذ سفید ہیں سب قرآن پاک والے

کالی نے جھٹ جواب دیا کہ۔

اور ان پہ جو لکھے ہیں قرآن کے حرف کالے

گوری نے پھر کہا۔ کہ

میلاد کا جو دن ہے روشن وہ بالیقین ہے

کالی نے جھٹ جواب دیا۔

معراج کی جو شب ہے کالی ہے یا نہیں ہے

گوری بولی۔ کہ

انصاف کیجیے گا کچھ سوچیے گا پیارے
سورج سفید روشن تارے سفید سارے

کالی نے جواب دیا۔ کہ

ہاں سوچیے گا آقا! ہیں آپ عقل والے
کالا غلافِ کعبہ حضرت بلال کالے !

گوری کہنے لگی۔ کہ

رُخِ مصطفٰے ہے روشن دانتوں میں ہے اجالا

کالی نے جواب دیا کہ ؎

اور زلف ان کی کالی، کملی کا رنگ کالا

سبحان اللہ! کیا ہی پر لطف مناظرہ ہے۔ بادشاہ نے ان دونوں کے

کے یہ علمی اشعار سن کر کہا۔ کہ مجھے لونڈی ایک درکار تھی۔ مگر میں تم دونوں کو خرید تا ہوں"

مامون رشید اور تین لونڈیاں

اسی طرح مامون رشید کا بھی ایک پر لطف واقعہ ہے مامون رشید کو بھی ایک مرتبہ ایک لونڈی کی ضرورت پڑی۔ تو اس کے پاس تین لونڈیاں حاضر ہوئیں اور تینوں سامنے کھڑی ہو گئیں بادشاہ نے انہیں دیکھا تو کہا مجھے تو ایک لونڈی درکار ہے۔ اور تم تین ہو۔ اچھا میں تم تینوں سے انتخاب کر لیتا ہوں تینوں۔ لونڈیاں سامنے ایک قطار میں کھڑی تھیں بادشاہ جب انتخاب کے لئے اٹھا تو پہلی بولی!۔

وَالسَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ۔

پہلی نے جب قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی تو دوسری جو دونوں کے وسط میں کھڑی تھی۔ بولی۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

تیسری جو سب سے آخر میں کھڑی تھی۔ جھٹ بول اٹھی۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔

مامون رشید نے تینوں کی حاضر دماغی پر خوش ہو کر ان تینوں کو ہی خرید لیا

(لولو الشرع)

ایک اور قرآنی لطیفہ

ایک اور حسین لونڈی کا بھی قصہ سنیے۔ یہ بھی لولو الشرع میں مذکور ہے۔ کہ ایک نہایت حسین لونڈی حمام خانہ سے نکلی۔ تو ایک نوجوان اسے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گیا اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھی"

زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ۔

یعنی ہم نے اسے دیکھنے والوں کے لیئے زینت دی

اس لونڈی نے اس آیت کے جواب میں فوراً یہ آیت پڑھ دی

وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ۔

یعنی ہم نے ہر مردود شیطان سے اس کی حفاظت کی "

وہ نوجوان پھر بولا۔ اور یہ آیت پڑھی۔

نُرِيدُ أَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا۔

یعنی ہم صرف یہ چاہتے ہیں۔ کہ اس سے کھائیں اور ہمارے دل کو آرام ہو

لونڈی نے اس کا جواب اس آیت سے دیا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔

یعنی ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے۔ یہاں تک کہ خرچ کرو اس میں سے جو تم دوست رکھتے ہو۔

جوان نے اس کا جواب یوں دیا۔

وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا۔

یعنی جن لوگوں کو وہ چیز نہ ملے جس سے نکاح کریں (تو وہ کیا کریں)

لونڈی نے فوراً جواب دیا۔

أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ۔

یعنی وہ اس سے دور رہیں گے "

بالآخر جوان نے تنگ آ کر کہا۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْكِ۔

تجھ پر اللہ کی لعنت "

لونڈی نے یہ آیت پڑھ دی "

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔

یعنی (تجھ) مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر (لعنت) ہے "

اس کے بعد وہ نوجوان منہ کی کھا کر خاموش ہو گیا اور ذلیل و رسوا ہو کر چلا گیا۔

دیکھا آپ نے! یہ ہیں پہلے زمانہ کی باتیں۔ اور آج کل! لیجیئے یہ بھی سن لیجیئے۔

آج کل کی لڑکی کہتی ہے:"

ہماری گلی آنا ___!

اور لڑکا جواب دیتا ہے۔

اچھا جی!۔

استغفر اللہ العظیم!۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ بھائیو! غور تو کرو۔ کہ یہ زبان جس سے ہمیں اللہ و رسول کا نام لینا تھا اور قرآن و حدیث کو پڑھنا تھا۔ اس سے ہم نے کیا کام لینا شروع کر دیا۔ کیا یہ زبان اس لیئے عطا ہوئی ہے۔ کہ اس سے فلمی گانے گاؤ اور گالیاں بکو۔ اور گندے گیت گاؤ۔ توبہ! توبہ! یہ زبان تو قال اللہ و قال الرسول کے ذکر و ورد کے لیئے ہے۔"

میرے بزرگو! اس زبان سے نیک باتوں کے سوا گندے اور فحش گیت گانا اور گالیاں بکنا ایسے ہی ہے جیسے دودھ کے برتن میں پیشاب کر دینا۔ تو یہ عورتیں جن کی زبانوں پر بیاہ شادیوں میں اس قسم کے گندے گیت جاری رہتے ہیں۔ غور کریں۔ کہ وہ دودھ کے برتن کو کس طرح ناپاک کر ڈالتی ہیں۔"

عورتوں کی زبان

میرے بھائیو! عورتوں کی زبان بڑی ہی نا عاقبت اندیش ہے۔ اور آفت کا موجب بن جاتی ہیں۔ بالعموم (الا ماشاء اللہ) ان کی زبان اُن کے قابو میں نہیں رہتی ہے۔ اور یہ اس زبان سے بعض اوقات ایسے ایسے بُرے کلمات نکال ڈالتی ہیں۔ کہ الامان والحفیظ۔ ان کی خود ساختہ گالیاں جامع مانع گالیاں ہوتی ہیں۔ اور لڑائی کے وقت تو ان کو کچھ بھی یاد نہیں رہتا کہ ہیں کیا کیا بک رہی ہوں۔ ان عورتوں کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر عبرت حاصل کرنی چاہیئے سنیئے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتے ہیں۔ اے عورتو! صدقہ خیرات کیا کرو۔ کیونکہ میں نے معراج کی شب جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا

ہے اور وہ اس لیے کہ تم میں کچھ خرابیاں ہیں۔ جن کی وجہ سے تمہیں جہنم میں دیکھا گیا ہے
ایک تو تمہاری خرابی یہ ہے کہ تم جب آپس میں لڑتی ہو تو۔ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ لعن
طعن بہت کرتی ہو اور گندی باتیں بکتی ہو۔ دوسری خرابی یہ کہ تَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ۔
تم خاوند کی ناشکر گزار ہو۔ ــــــ سبحان اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی
حقیقت بیان فرمائی ہے۔ واقعی جب عورتوں کی زبان چل پڑتی ہے۔ تو توبہ!
ہی بھلی ہے۔

لطیفہ چنانچہ ایک لطیفہ بھی مشہور ہے۔ ایک صاحب سے ان کی بیگم صاحبہ کہنے لگیں۔ کہ آپ کو یہ اپنی گھڑی کیوں اتنی پسند ہے؟ میاں کہنے لگے۔ کہ اس میں ایک ایسا وصف ہے۔ جو تمہارے اندر نہیں۔ بیگم نے کہا وہ کون سا وصف ہے؟ میاں کہنے لگے۔ کہ جب یہ بگڑ جائے تو بچاری بند ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر تم بگڑ جاؤ۔ تو محلہ سر پر اٹھا لیتی ہے۔ میری مسلمان بہنوں! اپنی زبان قابو میں رکھو۔ یہی آفات کی جڑ ہے۔ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی چاہو اور زبان سے بُری باتیں کہنا۔ گندے گیت گانا۔ اور گالیاں بکنا ترک کر دو

دوسری بات جو حضور نے بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ عورتیں خاوند کی۔ ناشکر گزاری کا ارتکاب کرنے لگتی ہیں۔ بھائیو! یہ بھی واقعہ و حقیقت ہے ذرا سی بات خاوند کی طرف سے ہو جائے تو اس کے تمام کیے کرائے پر پانی پھیر دیا جاتا ہے۔ اور ان سب کی یہ عادت ہے۔ کہ بگاڑ کے وقت یوں کہیں گی کہ میں ہوں۔ جو اس گھر میں گزارہ کر رہی ہوں۔ ورنہ میری جگہ کوئی اور ہوتی کوئی تو کبھی نہ رہتی۔ خاوند نے بیگم صاحبہ کے لیے کپڑوں کے انبار لگا رکھے ہوں، مگر بیگم صاحبہ فرمائیں گی تو یوں۔ کہ کیا ہے یہ دو چیتھڑے ہی تو ہیں۔ برتنوں کے ڈھیر لگ رہے ہوں۔ مگر بیگم صاحبہ کا ارشاد یہ ہو گا۔ کہ دو ٹھیکرے ہی تو ہیں۔ وغیرہ وغیرہ میرے بھائیو! ابھی غور کر لو۔ اور سوچ لو۔ کہ چاہے امیر کبیر ہی کی بیوی کیوں نہ ہو مگر جب بگڑے گی تو کچھ ایسی ہی درافشانی فرمانے لگے گی۔ اور یہی بات وہ ہے

جس کا ذکر حضور نے فرمایا ہے۔ کہ تم میں ناشکراپن بہت ہے۔ میری مسلمان بہنو! اصلاح کرو۔ اور خاوند کا ادب و تعظیم، اور اس کی عزت کرو۔ خاوند کو اللہ نے تم سے بڑا ہی عطا فرمائی ہے وہ تمہارا مخدوم ہے۔ اس کے تم پر بڑے حقوق ہیں تمہارے بھی ہیں۔ مگر یہ نہیں۔ کہ تمہارے ہی ہیں،، بھی،، کی جگہ،، ہی،، کو نہ لگاؤ۔ اے کاش! اسلامی تعلیم عام ہو۔ اور پتہ چلے کہ مرد کے عورت پر اور عورت کے مرد پر کیا کیا حقوق ہیں۔ یورپین مغربی تہذیب کا گویا یہ ارشاد ہے۔ کہ ؎

آئے ہو دنیا میں تم دو کام کرنے کیلئے
کچھ خدا سے اور کچھ بیوی سے ڈرنے کیلئے

وہ مرد جو کبھی مرد تھا۔ نئی تہذیب نے اُسے عورت کا غلام بنا رکھا ہے،،
اور اب تو نقشہ یہ نظر آتا ہے۔ کہ ؎

نئی تہذیب کا نقشہ عیاں ہے
میاں بیوی اور بیوی میاں ہے
برابر مرد کے عورت کو سمجھیں
زمین کو کہہ رہے ہیں آسمان ہے

اور ایک دوسری نظم میں۔ میں نے یورپین تہذیب کی منظر کشی یوں کی ہے۔ کہ ؎

شرم و غیرت اور حیا، سب کا جنازہ اٹھ گیا
اے نئی تہذیب! تیرے سر ہی انکا خون ہے
ہے نئی تہذیب میں عورت برابر مرد کے
گویا اس تقویم میں اب جنوری بھی جون ہے

نماز میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پسندیدہ چیزوں کا ذکر آپ نے سُن لیا اور اب حضور کی تیسری پسندیدہ چیز کا بیان سنئے۔ حضور نے اپنی تیسری پسندیدہ چیز نماز،، بیان۔

فرمائی۔ سبحان اللہ! مالک جنت اور نماز سے اس قدر پیار۔ وہ لوگ جو نماز سے غفلت اختیار کر چکے ہیں۔ ذرا غور سے سنیں۔ کہ نماز کے متعلق خصوصیت کے ساتھ حضور نے فرمایا کہ اس میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ بھائیو! حضور کی اس قدر محبوب چیز کو تم کیوں چھوڑ دیتے ہو۔ یاد رکھو۔ نماز ایک اہم فریضہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ اور تارک سخت گنہگار ہے خداوند کریم نے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور وَالَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ کے ارشادات سنا کر نماز پڑھتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ اور نماز پڑھنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔

نماز کا فائدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازوں کے متعلق ایک بڑی بہترین مثال بیان فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں کہ بتاؤ اگر کسی کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو اور وہ شخص ہر روز پانچ مرتبہ اس نہر میں نہائے۔ تو کیا اس کے بدن پر کوئی میل رہ جائے گی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ نہیں یا رسول اللہ! تو حضور نے فرمایا۔

فَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُوا اللّٰہُ بِھِنَّ الْخَطَایَا

(مشکوٰۃ شریف صہ۵۷)

پس یہ ہے مثال پانچ نمازوں کی کہ جو شخص یہ پانچ نمازیں پڑھتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ گناہوں کی میل دور ہو جاتی ہے سبحان اللہ! کیا ہی بات سمجھائی ہے۔ میرے بھائیو! نماز بڑی ہی اہم اور مفید ہے اور مسلمان پر یہ فرض ہے۔ بلکہ سب سے زیادہ محبوب اللہ کو بھی عمل نماز ہے۔ اور اس کے بعد ماں باپ کے ساتھ نیکی۔ اور اس کے بعد جہاد فی سبیل اللہ۔ (دیکھئے مشکوٰۃ صہ۵۰)

دیکھے اللہ کے رسول نے سارے اعمال میں سے اللہ کو زیادہ محبوب اس نماز کو بتایا ہے پھر اس کے بعد ماں باپ سے نیکی۔ اور پھر جہاد خود اسی نماز روزہ کی حفاظت کے لیئے تو ہے۔ پھر یہ کہنا۔ کہ صاحب ہم غازی

ہیں۔ غازی۔ ہمیں اس نماز کی کیا حاجت۔ کتنی بڑی نادانی ہے۔ نماز ایک ایسا اہم فریضہ ہے۔ کہ حالت جہاد میں معاف نہیں ہوتا۔ اقبال ہی کا شعر ہے کہ؎

آگیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز

لہٰذا اے مسلمانو! نماز کی اہمیت کو پہچانو۔ اور نمازی بن جاؤ۔

غفلت میرے عزیزو! دیکھو یہ حقیقت ہے۔ کہ ہزاروں کا مجمع ہو تو آپ سے یہ پوچھوں کہ بتاؤ روپے کے پیسے کتنے ہیں تو سب پکار اٹھیں گے کہ چونسٹھ[1] میں پوچھوں کہ روپے کی اکنیاں کتنی ہیں تو سب بول اٹھیں گے کہ سولہ۔ دونیاں کتنی ہیں سب چھوٹے بڑے پکار اٹھیں گے کہ آٹھ ___ مگر یہ حقیقت ہے کہ میں اگر سوال یہ کر بیٹھوں کہ وضو کے فرض کتنے ہیں۔ تو سب بغلیں جھانکنے لگیں گے الا ماشاء اللہ تو کیوں صاحب! یہ کیا ہماری غفلت نہیں۔ کہ دنیا کے معاملہ میں اتنے طاق اور دین کے معاملہ میں اتنے غافل۔ آج میرے جو نمازی بھائی ہیں ان کی نماز بھی اگر سنی جائے۔ تو بہت سی غلطیاں سننے میں آئیں گی۔ اس لیے بے نمازیوں کو نمازی بننا چاہیے اور نمازیوں کو اپنی نماز صحیح کر لینی چاہیے۔ یہ میرا ان سے خطاب ہے جو نماز نہیں پڑھتے۔ یا جو پڑھتے ہیں۔ مگر نماز ان کی درست نہیں۔ مثلاً کئی جاہل لوگوں کی زبانی میں نے خود سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ سنی۔ تو وہ وَتَعَالٰی جَدُّکَ کی بجگہ "یدک" ہی کہتے ہے۔ اس طرح تو نماز میں بجائے خدا کی خوشنودی کے ناراضگی مول لے لی جاتی ہے۔

مثنوی کی حکایت چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک بہرے کی حکایت لکھی ہے۔ کہ اس بہرے کا ہمسایہ بیمار ہو گیا تو وہ دل میں کہنے لگا۔ کہ ہمسایہ بیمار ہے۔ اس کا پتہ لینے جانا چاہیے۔ مگر اس نے سوچا کہ میں بہرہ ہوں۔ اور وہ بیمار و نحیف۔ میں کچھ پوچھوں گا۔ تو اس کا جواب تو سن نہ سکوں گا

---

[1] اور اب سو۔ [2] اور اب دس۔ [3] اور اب پچ پیسی ہیں۔

پھر وہ کیا کہے گا۔ اور میں کہوں گا۔ لیکن جانا ضرور ہے اس لیئے خود ہی سوچ لینا چاہیئے کہ میرے سوال کا وہ کیا جواب دے گا۔ اس نے اندازہ لگایا۔ کہ میں پہلا سوال اس سے کروں گا۔ کہ کیا حال ہے تو وہ لازماً یہی کہے گا کچھ آرام ہی ہے تو میں کہہ دوں کا خدا کا شکر ہے پھر میں پوچھوں گا۔ غذا کیا ہے تو وہ کوئی دال وال ہی ہلکی غذا بتائے گا میں کہہ دوں گا۔ بالکل ٹھیک ہے پھر میں پوچھوں گا کہ اعلاج کس حکیم کا ہے تو وہ کسی نامی حکیم کا ہی نام لے گا۔ تو میں کہہ دوں گا۔ بڑا قابل حکیم ہے۔ چنانچہ وہ یہ سوال جواب گھڑ کے بیمار کے پاس پہنچا۔

مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ ؎

گفت چونی، گفت مُردم، گفت شکر
شد ازاں رنجو پُر آزار و نکر

بیمار کے پاس پہنچ کر کہنے لگا۔ کیا حال ہے؟ بیمار نے کہا مر رہاں ہوں۔ بہرہ بولا۔ شکر ہے۔ بیمار کو اس بڑا غصّہ آیا۔

بعد ازاں گفتش چہ خوردی گفت زہر
گفت نوشت باد افزوں گشت قہر

پھر پوچھا۔ کھاتے کیا ہو؟ بیمار بولا۔ زہر کھاتا ہوں۔ بہرہ بولا مبارک ہو بڑی اچھی غذا ہے۔ بیمار اور بھی غصّہ میں بھر گیا۔

بعد ازاں گفت از طبیباں کیست اُو
کہ ہمے آید بچارہ پیش تو!
گفت عزرائیل مے آید بُرد
گفت پائش بس مبارک شاد شو

بہرہ نے پوچھا۔ طبیب کون سا آتا ہے بیمار نے جواب دیا۔ ملک الموت آتا ہے۔ بہرہ بولا۔ بڑا ہی لائق طبیب ہے۔ اور اس کا قدم بڑا ہی مبارک قدم ہے مبارک ہو۔

مولانا فرماتے ہیں۔ بہرہ بیمار پرسی کر کے نکلا۔ تو بیمار اس پر بڑا ہی ناراض تھا۔ مگر بہرہ یہی سمجھ رہا تھا۔ کہ میں بیمار کو خوش کر کے آیا ہوں"

بلا تشبیہ خوب سمجھ لیجیے۔ کہ جس شخص کی نماز صحیح نہیں وہ مسجد میں جاتا تو خدا کو خوش کرنے کے لیے ہے۔ مگر وہ غلط سلط نماز پڑھ کر اور اس کے ارکان و آداب صحیح ادا نہ کر کے بجائے خدا کو خوش کرنے کے ناراض کر کے لوٹتا ہے۔ لہٰذا اے میرے غافل مسلمان بھائیو! اپنی نماز کو درست بھی کرو۔ پڑھو۔ اور پڑھاؤ۔ اور غفلت کی زندگی کو چھوڑ دو۔ خداوند تعالیٰ جس نے زندگی دی اور لاکھوں کروڑوں ہم پر انعام فرمائے وفا کا بھی تو یہی تقاضہ ہے۔ کہ اس کی بندگی اختیار کی جائے۔

ورنہ پھر تو ہم اس پنچھی (چڑیا) سے

بھی گئے گذرے"

پنچھی جس نے اپنا گھونسلا ایک بڑے درخت پر بنا رکھا تھا۔ اتفاقاً اس درخت آگ لگ گئی درخت جلنے لگا۔ مگر وہ پنچھی آگ کے ان شعلوں ہی میں بیٹھا رہا۔ اور اڑنے کا نام تک نہ لیا۔ ایک شاعر نے یہ منظر دیکھا تو پنچھی کو مخاطب کر کے بولا۔

آگ لگی ہے اس برکھش کو جب جلنے لگ گئے پات
تم کیوں جلو اے پنچھیو جب پنکھ تمہارے ساتھ

یعنے اے چڑیا! جب تمہارے پاس پر موجود ہیں تو اس آگ میں سے اڑ کیوں نہیں جاتی؟

چڑیا نے جواب دیا۔ اور کیا ہی سبق آموز جواب دیا۔ کہ ؎

پھل کھایا اس برکھش کا گندے گیت ملعت
یہی ہمارا دھرم ہے اب جلیں گے اسکے ساتھ۔

یعنی میں نے اس درخت سے ہزاروں فائدے اٹھائے۔ اس کا پھل کھایا۔ اس کے پتوں پہ۔ پھر آج دھرم کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے ساتھ

جل کر مر جاؤں

کتے کی وفا

اکبر الٰہ آبادی کہتے ہیں. کہ میں نے ایک کتے کو دیکھا جس کا مالک مر گیا تھا۔ اور وہ کتا مالک کی نعش کے بیٹھا ہوا تھا۔ اور دو دن وہیں بیٹھا رہا بالکل اٹھنے کا نام نہ لیا۔ اکبرؔ کہتے ہیں. کہ ؎

میں نے کہا کیوں لاش پہ آقا کی ہے مرتا
ہوٹل کی طرف جا کر غذا بھی ہے کوئی چیز

یعنی اے کتے! کچھ دیکھ اور اپنے پیٹ کی بھی فکر کرو۔ اٹھو اور جاکر کچھ کھاؤ پیئو بھی ؎

کتے نے کہا ہو یہ جہالت کہ تعصب
لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

واہ واہ! کیا اچھا عبرت آموز شعر ہے. بھائیو! خدا سے وفا کرو۔ اور اس کے احکام کی پابندی کرو۔ جس خدا کی اتنی نعمتیں کھاتے ہو اس خدا کے آگے جھکنے سے کیوں عار ہے۔

حضرت امیر ملت علی پوری قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں. کہ اے بے نمازی! اتنے اتنے بڑے بوٹ پہن کر جس خدا کی زمین پر دن رات چلتے ہو اس خدا کے آگے اس زمین پر اپنا سر بھی رکھو۔ اور اگر اس کی بارگاہ میں اس زمین پر تم اپنا سر نہیں جھکاتے تو اپنے پیر اس زمین سے اٹھالو۔ جب تم اس کی زمین پر اس کے آگے سر نہیں رکھتے تو تمہارا کیا حق ہے کہ تم اس کی زمین پر اپنے پیر بھی رکھو"

بزرگو! دوستو اور عزیزو!۔ اللہ اور اس کے رسول سے وفا کرو ورنہ تم سے جانور اچھے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلّ ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



چودھواں خطاب ۱۴

صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ اَبُوْبَکْرِ نِالصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ وَحُبِّبَ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاِنْفَاقُ مَالِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاَنْ یَّکُوْنَ اِبْنَتِیْ تَحْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ہ

"حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ، یا رسول اللہ آپ نے سچ فرمایا۔ اور مجھے بھی دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔

رسول اللہ کے چہرہ کو دیکھنا۔ رسول اللہ پر اپنا مال خرچ کرنا اور یہ کہ میری بیٹی (عائشہ) رسول اللہ کے نکاح میں آجائے۔

حضرات! آپ سن چکے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اور وہ تین چیزیں. خوشبو، عورتیں، اور نماز ہیں ان تینوں چیزوں کا مفصل بیان ہو چکا اب اس کے بعد جو ارشاد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے، وہ سنیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی تین محبوب چیزوں کا ذکر فرما چکے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بول اٹھے۔ یارسول اللہ! تین چیزیں مجھے بھی بڑی پسند ہیں۔ میری بھی تین محبوب چیزوں کا ذکر سنیئے۔ پہلی چیز تو یہ پسند ہے کہ اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللہِ۔

صدیق اکبر کی پہلی محبوب چیز

حضور! آپ کے رُخ پاک کو دیکھتے رہنا یہ بات مجھے بڑی پیاری اور محبوب ہے" سبحان اللہ! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمنا اور خواہش قابلِ صد داد ہے واقعی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے طالب اور محب تھے اور ایسے محب صادق کو دیکھے بغیر چین نہیں پاتے۔ اور واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ چہرہ انور ایسا حسن وجمال رکھتا تھا۔ کہ ہر آنکھ اسے دیکھنے کی شائق تھی۔

سُبحان اللہ

میرے بزرگو! دیکھ لیجئے کسی حسین وجمیل چیز کو دیکھا، تو دیکھنے والا سبحان اللہ کہتا ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال کچھ ــــــ ایسا حسن وجمال ہے۔ کہ شب معراج کا واقعہ قرآن نے بھی سنایا ہے تو یوں سنایا۔ کہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ گویا قرآن پاک کے اس اعلان کے پہلے بھی "سبحان اللہ" موجود ہے۔ سبحان اللہ! حسن وجمال مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم واقعی ایک بے نظیر و بے مثل حسن وجمال ہے اور بڑے بے خبر اور نادان ہیں وہ لوگ جو اس حسن وجمال کو اپنے اوپر قیاس کرنے لگتے ہیں اور ان کی مثال بننے لگتے ہیں بھائیو! یہ حسن وجمال تو وہ حسن وجمال ہے۔ کہ ان آنکھوں نے اس حسن وجمال کے جلوے دیکھ لیے۔ پھر وہ کسی دوسری جانب ملتفت نہیں ہوئیں۔ اس حسن وجمال

کے دیکھنے والے کا یہی اعلان ہے۔ کہ ؎

سب سے بیگانہ ہے یار شناسا تیرا
حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے بیٹے ہیں۔ سبحان اللہ! اللہ کی بھی کیا شانِ بے نیازی ہے۔ کہ باپ کافر۔ اور بیٹا مومن۔ عکرمہ بڑے خوبصورت نوجوان تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور دُور رہا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ محمد کو جو دیکھے یا جسے محمد دیکھ لے وہ اپنے دین پر قائم نہیں رہتا۔ اس خیال سے وہ ہمیشہ کوشش میں رہتے کہ کہیں محمد کا سامنا نہ ہو جائے (صلی اللہ علیہ وسلم) تاکہ وہ اپنے دین سے ہٹ نہ جائیں۔ ایک مرتبہ اتفاقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سامنا ہو گیا اور ان کی نظر حضور کے چہرۂ انور پر پڑ گئی۔ بس پھر کیا تھا! عکرمہ کے دِن پھر گئے۔ قسمت پلٹی، اور جہنم سے آزاد ہونے کے دِن آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا ؎

عکرمہ تو آگ کے قابل نہیں
کیوں مسلمانوں میں تو شامل نہیں

اے عکرمہ!۔ اس اچھی شکل وصورت کے ساتھ میں نہیں چاہتا کہ تم دوزخ میں جاؤ میں چاہتا ہوں۔ کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ عکرمہ یہ بات سن کر گھبرایا۔ اور دوڑتا ہوا گھر واپس آیا اور پھر یہ دیکھ کر اور بھی زیادہ پریشان ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی نورانی اور مسکراتی ہوئی صورت پاک جو اس نے آج اتفاقاً دیکھ لی تھی۔ بدستور نظروں کے سامنے پھر رہی ہے اور یہ کوشش بھی کرتا ہے کہ وہ شکلِ انور آنکھوں کے سامنے نہ آئے اور حضور کا چہرۂ انور بھول جائے۔ مگر نہیں بھولتا۔ اور رہ رہ کر وہی صورتِ پاک۔ سامنے آ رہی ہے۔ آخر گھبرا کر اپنے بت کے سامنے گیا۔ اور اس کے آگے جھک کر کہنے لگا اے میرے معبود! میری مدد کرنا۔ تاکہ مجھے کی یاد نہ آئے اور میں اُسے بھول جاؤں

ناگاہ اس نے دیکھا۔ کہ اس کا بت بولا۔ اور یوں گویا ہوا۔ ؎

مثلِ احمد دو جہاں میں ہے نہیں
مصطفٰے تو بھولنے کی شے نہیں
بھولنا چاہے اگر تو تجھ کو بھول
اور محمد تو خدا کا ہے رسول

عکرمہ نے جب یہ دیکھا کہ اس کا بت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلمہ پڑھ رہا ہے تو گھبرا کر باہر دوڑا۔ اور ایک دریا پر چلا گیا تا کہ ڈوب جائے اور مر جائے چنانچہ اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ مگر اس نے سنا کر ہاتف نے دریا کو مخاطب کیا کہ

دیکھ اے دریا اسے مت غرق کر
پڑھ گئی ہے یار کی اس پر نظر

عکرمہ کا دل آخر کفر سے ڈھل گیا۔ اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز دیکھ کر اس کا دل ایک دم پلٹا۔ اور رونے لگا اور سیدھا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور بصدقِ دل مسلمان ہو گیا۔ (رضی اللہ عنہ)

یہ روایت علامہ رہاوی علیہ الرحمۃ کی کتاب جامع المعجزات فی سیر خیر البریات مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۷ پر موجود ہے۔

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا اعجاز و اثر کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس رخِ انور کو دیکھ لینے سے نورِ اسلام سے اپنا دل منور کر لیا۔

واقعی یہ وہ رخِ انور ہے۔ کہ جس خوش قسمت نے اسے دیکھ لیا اس کی تقدیر پلٹ گئی اور وہ دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بھی واقعہ ہے آپ یہودیوں کے بہت بڑے عالم و پیشوا تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام بھی

آپ کو دیکھنے کے لیئے آئے۔ اور جب آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہُ انور دیکھا۔ تو دیکھتے ہی پکار اٹھے:۔

اِنَّهٗ وَجْهٌ لَيْسَ بِوَجْهِ الْكَذَّابِ۔ (ترمذی۔ ص ۱۴۷/۲)

یعنی یہ چہرۂ انور کسی جھوٹے کا ہو ہی نہیں سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے شک نبیٔ برحق ہیں:۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام نے فوراً حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط سالی

میرے بھائیو! یہ وہ رخِ انور ہے۔ کہ جس خوش نصیب نے اس کی زیارت کر لی وہ دین دنیا میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ تو آپ نے شاہی خزانے کی گندم بھوکوں میں تقسیم فرمانا شروع کر دی۔ اور ابھی اگلی نئی فصل کو تین مہینے باقی ہی تھے۔ کہ شاہی خزانے کی گندم بھی ختم ہو گئی۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام سوچنے لگے کہ یہ تین مہینے کیسے گزریں گے؟ تو اسی وقت جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ خدا کا ارشاد ہے۔ کہ

برقع کھول زیارت بخشو جو بھوکھا بھی آوے
دیکھ جمال مبارک تیرا بھکھ تمامی جاوے

یعنی اے اللہ کے پیغمبر! آپ اپنے رُخِ انور سے نقاب اٹھا دیجئے۔ اور جو بھوکا آئے۔ اسے آپ اپنا چہرہ انور دکھا دیجئے تو اس کی ساری بھوک جاتی رہے سبحان اللہ! یہ ہے نبی کے چہرہ انور کی برکتیں۔ ایک وہ بھی ہیں۔ جو نحیر سے صبح ہی صبح سامنے آجائیں۔ تو ان کے منحوس چہرہ کی بدولت سارا دن روٹی ہی نہ ملے۔ اور ایک یہ پیغمبر کا چہرۂ انور بھی ہے۔ کہ بھوکا دیکھے تو بھوک جاتی رہے سبحان اللہ! کیوں نہ ہو۔ یہ پیغمبر کا چہرہ انور ہے۔ ہاں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور جو بھوکا بھی آیا۔ آپ کا چہرہ انور دیکھ لینے سے سیر ہو جاتا۔ رہا۔ تین مہینے اسی طرح ہنسی خوشی گزر گئے۔ شاعر نے یہ واقعہ لکھ کر کیا خوب لکھا

ہے۔ کہ

تن مہینے رجّی خلقت ویکھ یوسف کنعانی
جنہاں محمد عربی ڈٹھا سے دوہیں جہانی

یعنی حضرت یوسف علیہ السّلام کو تو دیکھنے والے تین مہینے کے لیئے سیر ہوئے مگر جنہوں نے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا وہ دونوں جہانوں میں سیر ہو گئے۔

سبحان اللہ! کیا اچھا شعر ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ شربتِ دیدار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پی پینے والے انشاءاللہ قیامت کی پیاس سے بھی محفوظ رہیں گے،،۔

ہاں تو حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ تمنائے پاک ملاحظہ فرمایئے۔ کہ اَلنَّظَرُ اِلیٰ وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ کسی شاعر نے یہ شعر گویا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کہا ہے کہ

ہے یہی دل کی تمنا اور یہی ہے آرزو!
تم مجھے دیکھو نہ دیکھو، میں تجھے دیکھا کروں

میرے بزرگو اور دوستو! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور سے بڑا ہی پیار تھا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے اپنا تن من، دھن سب کچھ رُخِ پاک پر قربان کر دیا تھا۔

شب ہجرت شب ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا وطن اور اپنے خویش و اقربا، سب کچھ حضور کی خاطر چھوڑ کر حضور کی معیت اختیار کی اور پھر جب غار میں تشریف لے گئے تو حضور کی خاطر پہلے۔ آپ خود غار کے اندر گئے اور غار کو صاف کر کے پھر حضور کو اندر بلایا۔ اس غار کے اندر ایک بہت بڑا زہریلا سانپ رہتا تھا۔ اور اس نے اس غار میں بہت سے بل نکال رکھتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر وہ سارے بل بند کر دیئے۔ اور ایک بل جو باقی رہ گیا اس پر حضرت صدیق نے اپنی ایڑی۔

رکھ دی۔ اور حضور سے عرض کی۔ کہ آپ میری آغوش میں سرِ انور رکھ کر آرام فرمائیں۔ چنانچہ حضور اپنا سرِ انور حضرت صدیق اکبر کی رانِ انور پر رکھ کر استراحت فرما ہوئے اس وقت کا نقشہ کسی شاعر نے خوب کھینچا ہے وہ لکھتا ہے کہ ران صدیق اکبر کی اور سر انور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ گویا ؎

کیا حسن ساتھ عشق کے یہ لاجواب ہے

رکھی ہوئی رحل پہ خدا کی کتاب ہے

سبحان اللہ! کیا اچھا خیال ہے اور میرے بھائیو! یہ بھی سوچ لو کہ عرشِ اعظم پر شبِ معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے انور آئے تھے۔ تو جہاں حضور کے پائے آجائیں وہ عرشِ اعظم ہو پھر جس ران پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ انور آجائے فرمائیے اس رانِ انور اور اس ران والے کا کیا مرتبہ ہوگا؟ رضی اللہ عنہ! کہیے سب مل کر

رضی اللہ تعالےٰ عنہ — رضی اللہ تعالےٰ عنہ

نبیوں کے بعد میں سب سے بہتر — رضی اللہ تعالےٰ عنہ

مولانا صدیق اکبر! — رضی اللہ تعالےٰ عنہ

غار کا دیکھو تو وہ منظر — کون ہے بیٹھا گود میں لیکر

سرورِ عالم کا سرِ انور۔ — رضی اللہ تعالےٰ عنہ

یار کے نام پہ مرنے والا — سب کچھ صدقے کرنے والا

منزلِ عشق وصدق کا رہبر — رضی اللہ تعالےٰ عنہ

ہاں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لٹا لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما ہوئے اتنے میں غار کا سانپ نکلا اور اس نے صدیق اکبر کی ایڑی کو ڈس لیا صدیق اکبر کے زہر کی تکلیف سے آنسو نکل پڑے اور حضور نے دریافت فرمایا۔ کہ صدیق کیوں روتے ہو؟۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ سانپ نے ڈس لیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ تم روتے کیوں ہو؟ تمہارے دشمن روئیں۔ لو بتاؤ سانپ نے کہاں ڈسا ہے؟ صدیق اکبر نے جگہ بتائی تو حضور نے

اپنا لعاب دہن شریف وہاں لگایا۔ تو اس لعاب دہن شریف نے تریاق بن کر اپنا یہ اثر دکھایا کہ زہر سارا دور ہوگیا۔ یہ سارا واقعہ مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۵۴۸۔ اور روح البیان کے صفحہ ۹۰۲ جلد ۱ پر دیکھ لیجیے۔ اور اندازہ کر لیجیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر پیار تھا۔ کہ اپنی جان تک بھی حضور کے چہرہ انور پر قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ ؎

صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جانِ فروضِ غرر کی ہے

میرے بھائیو! یہ بھی سن لو۔ کہ غار میں پہلے صدیق اکبر گئے اور سبز گنبد کے مزار میں پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور غار میں صدیق اکبر نے حضور کو اپنی گود میں لٹایا۔ اور دیکھ لو۔ یہ یار غار ہے اور قیامت تک اسی آغوشِ رحمت اور مزار انور میں استراحت فرما رہے گا۔ بھائیو! صدیقِ اکبر کی فضیلت کیا کم ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت ساری عمر حاصل رہی اور بعد از وصال بھی محبوب وصال کے مزے لے رہے ہیں پھر اگر اس وصال میں کوئی فصل کرنے لگے۔ تو یہ اس کی زبردستی ہوئی یا نہیں۔ بھائیو! کوئی کچھ کہے مگر صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سفر کے ساتھی حضر کے ساتھی قبر کے ساتھی۔ اور حشر کے ساتھی ہیں۔ اور اس وصل و وصال کو کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی۔،

دوسری چیز میرے بزرگو! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری محبوب و پسندیدہ چیز یہ بیان فرمائی کہ "اِنْفَاقُ مَالِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ" اپنا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خرچ کر دینا۔" میرے بھائیو! صدیق اکبر نے یہ کام بھی کر کے دکھایا۔ اسی لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا۔ کہ

مَا نَفَعَنِیْ مَالٌ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ۔ (تاریخ الخلفاء ص۳۰)

یعنی "مجھے کبھی کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا۔ جس قدر ابوبکر کے مال نے دیا"،

سبحان اللہ! خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔ کہ مجھے صدیق اکبر کے مال نے بڑا نفع دیا ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! ۔ مال ہو تو ایسا ہو۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائے۔ اور جو مال حضور کے نام پر خرچ نہ ہو۔ وہ مال صدیقی نہیں۔ قارونی اور اور فرعونی ہے۔ دعا مانگا کرو۔ کہ مال ملے۔ تو جذبۂ صدیقی بھی ملے۔ ورنہ اس مال کا مآل اچھا نہ ہو گا۔

لطیفہ میرے بھائیو! ایک جذبۂ صدلتی بھی ہے۔ جو آپ سن چکے۔ اور ایک ان لوگوں کا حال بھی ہے۔ جو عمر بھر کبھی اللہ و رسول کے نام پر کچھ خرچ نہیں کرتے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک بخیل کا واقعہ ہے۔ کہ جب وہ مرنے لگا۔ تو کسی نے اس سے کہا۔ کہ میاں اب تو مر رہے ہو۔ اب تو کچھ دیتے جاؤ۔ تو بخیل نے آنکھیں کھولیں۔ اور کہنے لگا۔ جان تو دے رہا ہوں اور کیا دوں۔

میرے بھائیو! خوب یاد رکھو کہ جس اللہ نے یہ سب کچھ دیا ہے" اور جس کے صدقہ میں ہمیں یہ سب کچھ ملا ہے اس اللہ کے نام پر اور اس کے محبوب کی محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ اپنے دل میں رکھنا چاہیئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی پاک جذبہ کا مظاہرہ فرمایا۔ اور نہ صرف یہ کہ زبان ہی سے کہا۔ بلکہ اپنا سب کچھ قربان کر کے بھی دکھا دیا۔

خدا کی شہادت اسی لیے خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ کہ

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی۔ (پ ۳۰۔ ع ۱۸)

اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا۔ جو سب سے پرہیز گار جو اپنا مال دیتا ہے۔ کہ ستھرا ہو۔ اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں۔ جس کا بدلہ دیا جائے

صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہوں۔ جو سب سے بلند ہے اور بیشک
قریب ہے۔ کہ وہ راضی ہوگا!!

مفسرین کرام علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری ہے۔ چنانچہ صاحب روح البیان فرماتے ہیں

وَالْاٰیَۃُ نَزَلَتْ فِیْ حَقِّ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔

(روح البیان ص۴۲۶، ج۱۰)

یعنی یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی

حضرت بلال کا قصہ

اور اس کا تعلق حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے قصہ سے ہے۔ حضرت بلال کے نام نامی سے کون واقف نہیں! آپ ایک حبشی غلام تھے۔ اور امیہ نامی کافر ان کا مالک تھا انہوں نے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اور حضور کی دعوتِ توحید کا ذکر سنا تو ۔

بلال ایہہ مژدہ سن خوشحال ہویا۔
محبت نال مالا مال ہویا
اور بن ویکھے لیا یا دل نھیں ایان
کیا توحید دا مضبوط پیمان!
احد احد کھڑا ہر دم پکارے
بسوزِ عشق آہیں سرد مارے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ اور احد احد کے نعرے لگانے لگے۔ اور حضور کے گیت گانے لگے تو جب امیہ کو پتہ چلا تو اس نے اپنے دوسرے غلاموں کو حکم دیا۔ کہ ۔

کہ ایہہ گولا مرا بس بے وفا ہے — جو گرویدہ بدینِ مصطفےٰ ہے
سزا دینی ہوئی منظور مینوں — نہیں ایہہ خوش نواں دستور مینوں

دوپہریں جد کے ہووے سخت گرمی — نہ کرنا کچھ سزا دینے تھیں نرمی
غلام اس حکم دی تعمیل کارن — مغیلاں دے لیا کے خار مارن
اوہ ظالم بے حیا سولاں کھباون — تے پھر ہڈیاں تنک سولاں پہنچاون
دوپہریں گرم پتھر گرد دیندے — نصیحت رحم والے دی نہ سن دے
پوے جد رات حجرے وچ کھلارن — تے وارو وار چابک سخت مارن

اس عاشق رازِ مصطفےٰ بلال کو ایک مرتبہ امیہ نے پکڑ کر لوہے کی زرہ پہنائی اور گلے میں رسی ڈال کر لڑکوں کے سپرد کر دیا۔ تاکہ آپ کو دھوپ میں پھرا جائے چنانچہ ان ظالموں نے آپ کو اتنی تکلیف دی۔ کہ آپ کی گردنِ اطہر میں زخم پڑ گیا پھر انہوں نے آپ کو گرم ریت پر لٹایا۔ اور گرم پتھر سینے پر رکھا اور لکڑیوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن حضرت بلال ؓ سبحان اللہ! کیا استقلال اور صبر و عزم تھا۔ کہ بقول شاعر آپ کا جواب یہ تھا۔ کہ ؎

توڑ دو گر ہڈیاں میری سبھی۔
دامن احمد کا نہ چھوڑوں گا کبھی۔

اتنے میں وہاں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ اور آپ نے یہ منظر دیکھا۔ تو آگے بڑھے۔ اور حضرت بلال کے پاس آئے اور آپ سے حال دریافت کیا تو بلال بولے ؎

کیا سمجھن سیانے مرضی میری
ہزاراں ویکھ تھکے نبض میری
نہیں دارو میرا قرص طباشیر
کرو محبوب دے ملنے دی تدبیر
رسول اللہ توں صدقے جاں میری
ایہہ فانی زندگی قربان میری

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بڑے متاثر ہوئے۔ اور امیہ کے پاس آئے

اور اس سے فرمانے لگے۔ کہ بلال پر اس قدر ظلم نہ کرو۔ اور اتنی سختی سے کام نہ لو وہ بولا۔ تمہیں اگر اتنا ہی اس کا خیال ہے۔ تو اسے خرید لو نا۔ آپ نے فرمایا بولو کیا لیتے ہو؟۔ امیہ نے بڑھ چڑھ کر قیمت بتائی۔ آپ نے ادا کر دی۔ اور حضرت بلال کو خرید لیا اور آپ کو ان مصائب و آلام سے نجات دلا دی۔

اُمیّہ نے کہا۔ اے ابو بکر! تم نے ایک معمولی سے غلام کی اتنی زیادہ قیمت دے کر بڑی غلطی کی۔ آپ نے جواب دیا۔ ؎

کہا صدیق نادانو کیہہ جانو !
کیا مقدار لعلاں دی پچھانو !
جماں ے چند دادم جان خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم
لیا میں لعل دے اخروٹ تینوں
سوئی جاتے ہووے ایہہ سار جنہوں

پھر آپ حضرت بلال کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کر کے عرض کیا۔ کہ حضور میں نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا ہے۔ اور حضور کی خدمت میں لے آیا ہوں حضور بڑے خوش ہوئے اور بلال نے جب حضور کو دیکھا تو ؎

ہویا جد اوس نوں سوہنے دا دیدار
کھڑا حیران ہویا ویکھ انوار!
پڑا بے ہوش رو رو کے زمین پر
اٹھاون نوں اُٹھے سرکار انور!
زمیں سے آپ رحمت نال اٹھایا
اٹھا سینے مبارک نوں لگایا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابو بکر تم نے میرے بلال کو خریدا

کر خدا اور رسول کو خوش کر دیا۔ صدیق اکبر کا یہی ایثار اللہ کو پسند آیا اور قرآن پاک میں وہ آیات نازل فرمائیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا۔ اور خدا نے فرمایا کہ یہ صدیق محض اللہ کی رضا کے لیئے مال خرچ کرتا ہے۔ اور عنقریب وہ راضی ہوگا۔"

سبحان اللہ! جس ذاتِ پاک کے ایثار کی گواہی خود خدا دے اور جس کے راضی ہونے کا اعلان خود خدا کرے اس ذاتِ پاک پر اگر کوئی شخص اعتراض کرے تو وہ صدیق اکبر کا کیا بگاڑے گا! اپنا ہی نقصان کرے گا جس سے خدا راضی ہے اور جسے خود خدا راضی کرنے کا اعلان فرما رہا ہے۔ اس سے اگر کوئی شخص راضی نہ ہوگا تو ہزار بار راضی نہ ہو اس کے راضی ہونے یا ناراض ہونے سے کیا ہوتا ہے جس سے خدا راضی ہے۔ ہم بھی اس سے راضی ہیں۔ اور دل و جان سے اس کے مداح و خادم ہیں۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی رفعت

حضرات! یہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی رفعت و بلندی کا ذکر بھی سنتے چلیئے۔ ابھی ابھی آپ نے سُنا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی غلام تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں آزاد کرایا تھا۔ مگر کیا کہنے۔ نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ حضور کی بارگاہ میں پہنچ کر اس قدر بلندی پائی۔ کہ آسمانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اور حضور علیہ السلام جب شب معراج جنت کے قریب پہنچے۔ تو آپ نے جنت میں حضرت بلال کے چلنے کی آواز سُنی۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ بلال سے فرمایا۔ کہ اے بلال! جنت میں میں نے تمہارے جوتوں کی آواز سنی۔" (دیکھیئے مشکوٰۃ ص۱۰۸) یعنی انسان کے چلنے پر جوتوں سے جو چرچراہٹ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بلال کے چلنے سے اس کے جوتوں کی چرچراہٹ سنی۔"

میرے بھائیو۔ اس حدیث پاک کو سنو اور غور کرو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی غلامی کہاں سے کہاں تک پنہچا دیتی ہے اللہ اکبر آج تک جو بلال ایک حبشی غلام تھے۔ آج حضور کے دامن سے وابستہ ہوکر آسمانوں کی بلندیوں سے بھی زیادہ بلندی پا گئے اور جنت میں ٹہلنے لگ گئے۔ سچ ہے۔ کہ ؎

اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا!!
خاک کے ذروں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا!!
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حضرات! ایک دوسری حدیث شریف میں یوں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اِمَامِیْ۔

(مشکوۃ شریف ص۱۰۹)

میں جب بھی کبھی جنت میں داخل ہوا۔ اپنے آگے میں نے تمہارے جوتوں کی آواز سنی۔"

اس حدیث میں یہ جملہ قابلِ غور ہے۔ کہ "میں جب بھی کبھی جنت میں داخل ہوا۔ اس کے متعلق صاحب لمعات لکھتے ہیں۔ کہ

مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ یَدُلُّ عَلٰی کَثْرَةِ دَخُوْلِهٖ۔

یعنی اس جملہ سے یہ بات ظاہر و ثابت ہو رہی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ہی نہیں۔ بلکہ متعدد بار جنت میں تشریف لے گئے ہیں۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ گویا جنت بھی ہمارے حضور کا اپنا ایک گھر ہے۔ جب چاہیں اندر تشریف لے جائیں۔ کیوں صاحب! یہ اپنے ہی گھر کی تو شان ہے کہ آدمی جب چاہے۔ اس میں چلا جائے دوسرے کے گھر میں اس طرح کون جاتا ہے معلوم ہوا۔ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے مالک ہیں اور الحمد للہ! یہ جنت بھی حضور کی ہے اور یہ امت بھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے اسی لیئے ایک شاعر نے لکھا ہے۔ کہ ؎

گنہگاروں کو جنت میں کوئی جانے سے کیوں روکے
کہ وہ جنت محمد کی تو یہ امت محمد کی!

اور اعلیحضرت نے یوں فرمایا ہے کہ ؎

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب اے منکر دور ہو
ہم رسول اللہ کے، جنت رسول اللہ کی!

مقامِ جنت میرے بھائیو! ایک بات اور بھی سمجھ لو۔ کہ یہ جنت جس کا ذکر ہو رہا ہے یہ ہے کہاں؟ خوب یاد رکھیئے کہ یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔ کہ

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى۔ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى (پ۲۷ ع ۵)

یعنی یہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ اور سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان کے اوپر ہے،، (روح البیان ص۱۳۹ ج ۱)

یہی وہ جگہ ہے۔ جہاں شبِ معراج جبریل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی تھی۔ کہ یا رسول اللہ! بس میں آپ کے ساتھ یہیں تک آیا ہوں اور اب آگے بڑھنا میرے بس کی بات نہیں۔ اس جگہ سے اگر ایک بال بھی آگے۔ بڑھوں تو فروغِ تجلّٰے سے پَر جل جائیں گے،،

میرے بھائیو! جب یہ پتہ چل گیا کہ سدرۃ المنتہیٰ۔ ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور جنت سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے تو اب یہ معلوم کیجیئے کہ سدرۃ المنتہیٰ ہماری اس زمین سے کتنی دور واقع ہے۔ چنانچہ حدیث پاک سنیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۹)

زمین اور آسمان کے درمیان پانچسو سال کی مسافت ہے

اور پھر دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ساتوں آسمانوں میں سے ہر دو

آسمانوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے۔ کہ جتنا زمین اور اس پہلے آسمان کے درمیان ہے۔ یعنی پانچ پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔"

(مشکوٰۃ شریف ص۵۰۲)

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! اب آپ ذرا حساب لگایئے کہ زمین سے ساتواں آسمان کتنی دوری پر واقع ہے یہ حقیقت ہے کہ اس دوری کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ اس زمین سے پہلا آسمان پانچ سو سال کی مسافت تک دور ہے۔ اور پھر اس آسمان سے دوسرا پھر اس آسمان سے دوسرا آسمان بھی پانچ سو سال مسافت تک دور ہے۔ پھر وہاں سے تیسرے آسمان تک اتنا ہی فاصلہ ہے۔ پھر اس کے چوتھے آسمان تک، اور پھر وہاں سے پانچویں تک اور پانچویں سے چھٹے تک اور چھٹے سے ساتویں تک بھی پانچ سو سال ہی کے سفر کا فاصلہ ہے۔ پھر اس کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اور اس کے بعد اس کے جنت ہے گویا جنت یہاں سے اس قدر دور دراز ہے کہ حساب و شمار سے بھی باہر ہے۔

اب سنیئے پھر وہی حدیث پاک۔ کہ اے بلال میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز سنی۔ کیوں صاحب! یہ آواز جو بلال کے چلنے کی حضور نے جنت میں سنی۔ یہ کہاں کی تھی۔! یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت بلال زمین پر ہی رہے تھے۔ اور حضور علیہ السلام معراج شریف کو تنہا تشریف لے گئے تھے۔ تو لا محالہ حضرت بلال زمین پر چلے ہی تھے۔ اور اسی زمین پر ہی چلنے کی آواز کو حضور نے جنت میں سن لیا تھا۔ تو میرے بھائیو! اب خود ہی فیصلہ کر لو کہ جس محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ سماعت شریفہ کا یہ عالم ہو کہ ہزاروں سال مسافت تک اس قدر دور دراز پہنچ کر بھی زمین پر چلنے کی آواز کو وہ سن لے۔ تو آج ہم اگر سیالکوٹ یا لاہور۔ یا کراچی میں نعرہ رسالت لگائیں۔ اور صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ پڑھیں تو دس روز کی مسافت پر مدینہ منورہ

ہیں وہ محبوب پاک ہماری آوازوں کو کیوں نہیں سن سکتے؟ کیا یہ سیالکوٹ اور لاہور اور کراچی کہیں جنت سے بھی پرے کے شہر ہیں؟ بھائیو۔ زور سے لگاؤ نعرہ

نعرۂ رسالت ——— یا رسول اللہ

اور شوق سے پڑھیئے درود شریف۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

اور یقین رکھیئے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری آوازوں کو سنتے ہیں۔

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام!

حضرات! اگر کوئی شخص یوں کہنے لگے کہ نہیں صاحب! یہ چلنے کی آواز زمین پر چلنے کی آواز نہ تھی۔ بلکہ جنت ہی میں سنی تھی۔ تو ہم کہیں گے کہ آمنا و صدقنا۔ چلیئے یونہی سہی۔ ہم تو مومن بالحدیث ہیں۔ حدیث پاک کا ارشاد ہماری سر آنکھوں پر۔ مگر اس صورت میں پھر یہ ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت بلال کو حضور زمین پر چھوڑ آئے تھے اور وہ زمین پر بھی رہے اور جنت میں بھی تھے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ایک وقت میں دو جگہ حاضر ہو سکتا ہے تو پھر محبوب پاک خود ایک وقت میں متعدد جگہوں پر کیوں تشریف فرما نہیں ہو سکتا؟۔ بھائیو! ہمارا ایمان تو حضور کی دور سے سماعت پر بھی ہے۔ اور بیک وقت حضور کے متعدد مقامات پر تشریف فرما ہو کر ہونے پر بھی ہے۔ اس لیئے اس حدیث پاک پر ایمان لانے اور اسے دل و جان سے مان لینے میں ہمیں تو کوئی مشکل نہیں۔ مگر جو لوگ نہ حضور کی سماعت شریفہ کے قائل ہیں اور نہ آپ کے بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونے کو مانتے ہیں ان کے لیئے اس حدیث پر ایمان لانا بڑا مشکل

ہے۔ اگر ایمان لائیں گے۔ تو ساتھ ہی ساتھ حضور کی سماعت شریفہ یا آپ کا بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونا بھی مان لیا جائے گا۔ اور یہ باتیں چونکہ انہیں منظور نہیں۔ اس لیے بجز اس کے کہ ”منکرین حدیث“ بن انکار کریں اور کوئی صورت ہی نہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری محبوب چیز یہ بیان کی۔ کہ اِنْفَاقُ مَالِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اور اس کے بعد اپنی تیسری محبوب چیز یہ بیان کی۔ کہ ”

تیسری چیز

اَنْ یَکُوْنَ اِبْنَتِیْ تَحْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ - ” میری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجائے میرے بزرگو! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ تمنائے پاک دیکھی آپ نے! سبحان اللہ! کیا ایمان افروز آرزو ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے میرا دینوی رشتہ بھی قائم ہو جائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میری بیٹی سے نکاح ہو جائے

بھائیو! یہ یہاں سے ہمیں ایک سبق ملتا ہے۔ اور وہ یہ کہ رشتہ کے متعلق ہمیشہ پہلے دین و تقویٰ کو دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے۔ کہ نکاح کرتے وقت کوئی مال دیکھتا ہے۔ مگر تم دین کو دیکھو۔ اور رشتہ کرتے وقت دین و تقویٰ کو ملحوظ رکھو۔ مگر افسوس کہ آج کل معاملہ الٹا ہے لوگ رب کی ”چاہ“ کو نہیں ”تنخواہ“ کو دیکھتے ہیں۔ لڑکی والے ایسی لڑکی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جو اپ ٹو ڈیٹ ہو اور لڑکے والے ایسی لڑکی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جو ٹیڑھی مانگ نکالنے والی بے حجاب پھرنے والی۔ سرخی پوڈر کی دلدادہ اور ڈانس وغیرہ کی ماہر ہو۔ دیکھیے زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور خیالات کس قدر بدل گئے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی جذبات سے منہ کیا موڑا ہزاروں مصائب و مشکلات نے ہماری طرف رخ کر لیا۔ اور ہر گھر میں بے چینی اور بدامنی نظر آنے لگی۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ اگر میاں بیوی دین اور تقویٰ رکھنے والے ہوں گے۔ تو ان کے گھر میں یقیناً یمن و برکت نظر آئے گی دیکھ

لیجیے، ہمارے آباؤ اجداد ہماری نسبت یقیناً دین و تقویٰ کے بہت زیادہ دلدادہ تھے اسی لیئے اُن گھروں میں برکت نظر آتی ہے ہمارے بزرگوں نے تھوڑی تھوڑی تنخواہوں میں بڑی جائیدادیں تیار کرلیں۔ اور آج ہم سینکڑوں روپے تنخواہ پاکران جائیدادوں کی مرمت بھی نہیں کرا سکتے۔ پہلے لوگوں نے تقویٰ و پرہیزگاری ان کے لیے موجب صد خیر و برکت تھا۔ مگر آج وہ بات نظر نہیں آتی اور صورت حال یہ ہے کہ

آج کل بے کل ہیں کل اہل جہاں
امن و عافیت کا گویا کال ہے

ہاں تو حضرات! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی تیسری محبوب چیز یہ بیان فرمائی۔ کہ میری بیٹی کا نکاح حضور سے ہو جائے۔ اور میرے بھائیو! پھر آپ کی یہ تمنا پوری بھی ہوئی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور ام المومنین بنیں۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی سے

حضرات! حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان کا کیا بیان کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عائشہ سے فرمایا۔ اے عائشہ! تمہارے نکاح سے قبل ایک فرشتہ تین رات متواتر خواب میں تمہاری صورت ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹے ہوئے مجھے دکھاتا رہا۔ اور کہتا رہا۔ یہ آپ کی بیوی ہے۔ اور اب جو میں نے تجھے دیکھا ہے۔ تو تم وہی ہو۔ اور فرمایا۔ ایک روز جبریل امین میرے پاس تمہاری تصویر ایک سبز رنگ کے ریشمی رومال میں لپیٹ کر لائے۔ اور کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! یہ آپ کی دنیا و آخرت میں بیوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح اس سے کر دیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صہ۵۶۵ مواہب لدنیہ (صہ۲۰۴ جلد۱)

سبحان اللہ! حضرت عائشہ کا نکاح حضور سے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوا یہ نکاح خود اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ میرے بھائیو! ذرا غور تو کرو کہ اپنے محبوب کے لیئے خدا نے جس عورت کو چنا ہے۔ کیا اس خاتونِ مقدس میں کوئی کسی قسم کی برائی ہو سکتی ہے۔ معاذ اللہ! ہرگز نہیں۔ پھر اگر حضرت ام المومنین پر کوئی شخص زبان طعن دراز کرے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرے تو وہ گویا خدا تعالیٰ کے انتخاب پر معترض ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ٹکر لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ منافقین نے جب حضرت ام المومنین پر بہتان باندھا۔ تو خدا تعالیٰ نے ام المومنین کی صفائی و بریت میں سورہ نور نازل فرمائی اور خدا نے خود شہادت دی کہ اس کے محبوب کی بیوی پاک ہے۔ اور ام المومنین پر بہتان باندھنے والوں کے لیے فرمایا۔ کہ

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورۂ نور)

ان میں ہر شخص کے لیئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا۔ اور ان میں وہ شخص جس نے بڑا حصہ لیا۔ اس کے لیئے بڑا عذاب ہے،،

میرے بزرگو! خوب یاد رکھو کہ حضرت ام المومنین کی ذاتِ گرامی، وہ ذات گرامی ہے کہ خود خالقِ کائنات ان کے دشمنوں کے لیئے عذاب کا اعلان فرما رہا ہے۔ لہٰذا خود خبردار! ام المومنین کی بارگاہ میں کوئی کسی قسم کی بے ادبی نہ ہونے پاسے،،

ہاں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں۔ جو حضور کے نکاح میں آئیں۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی حضرت حفصہ بھی حضور کے نکاح میں آئیں۔

دو خسر اور دو داماد

صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر

ہیں۔ اور حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہا یہ دونوں حضور کے داماد ہیں حضرت عثمان کے گھر حضور کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیا تھیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت عثمان کا لقب ذوالنورین مشہور ہے۔

ذوالنورین

یعنی ،، دو نوروں والا،، اعلیٰ حضرت نے اسی لئے لکھا ہے کہ ،،۔

نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا
ہو مبارک تجھ کو اے ذوالنورین جوڑا نور کا

میرے بھائیو! ایک بات اور بھی سمجھ لو کہ حضرت عثمان کا لقب فرش و عرش پر ذوالنورین،، مشہور ہے۔ یعنی،، دو نوروں والا۔ اور یہ دو نور کیا ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں۔ پھر جس ذات گرامی کی صاحبزادیاں نور ہیں اور ساری دنیا کی انہیں کی وجہ سے حضرت عثمان کو ذوالنورین کہیے۔ اس ذاتِ گرامی کو خود نور تسلیم نہ کیا جائے اور کہا جائے کہ وہ ہماری ہی مثل تھے تو کیا یہ بے انصافی اور ظلم ہے یا نہیں ؟ یقیناً ہے۔ لہٰذا اے مسلمانوں! اپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اپنی مثل نہ ہو سمجھنا نہ کہنا۔ بلکہ اپنا ایمان یہی رکھو کہ یہ اعلیحضرت نے فرمایا۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

ہاں تو دو صاحبزادیاں حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ تو یہ دونوں حضرات حضور کے داماد تھے۔ صدیق اکبر اور فاروق اعظم دونوں خسر اور یہ دونوں داماد گویا یہ چاروں یارانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیوی اور دینی تعلقات رکھنے والے تھے اور ان میں سے کسی کا بھی دل دکھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنجیدہ کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا مسلمانو! ان چاروں کی محبت و عقیدت اپنے دل رکھو۔ یہ چاروں حضرات اسی شعر کے پورے۔

پورے مصداق ہیں۔ کہ ؎

محمد ماہ و گردش چار اختر
ابو بکر و عمر، عثمان و حیدر

محمد رسول اللہ علیہ وسلم چاند ہیں۔ اور ابو بکر و عمر عثمان و حیدر یہ چاروں اس چاند کے چمکتے ہوئے ستارے ہیں۔ اور ایسے ستارے کہ حضور نے خود فرمایا ہے کہ:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ۔ فَبِاَیِّہِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔

میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے کسی کا بھی دامن پکڑو گے۔ ہدایت پاؤ جاؤ گے"

پس اے مسلمانو! صحابہ کرام کے غلام رہو۔ اور ان کی بے ادبی سے بچو ورنہ ہدایت مشکل ہے۔ ؎

صحابہ آسمانِ رشد کے روشن ستارے ہیں
راہ حق کے دکھانے کو یہ نورانی منارے ہیں

لطیفہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضور کے نکاح میں تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر ایک پر لطف واقعہ سنئے حضرت شیخ جنید ی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عمدۃ التحقیق فرماتے ہیں کہ ابن جوزی ایک بار منبر پر واعظ فرما رہے تھے اور سامعین حضرات میں کچھ لوگ سنی تھے۔ اور کچھ غیر سنی۔ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل کون ہے؟ ابو بکر یا علی؟ اب اس سوال کا جواب ایسے مجمع میں جہاں دونوں قسم کے سامعین تھے۔ بڑا مشکل تھا۔ مگر آپ نے جواب ایسے رنگ میں دیا کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ مطمئن ہو گئے آپ نے فرمایا۔

اَفْضَلُھُمَا بَعْدَہٗ مَنْ کَانَتْ اِبْنَتُہٗ تَحْتَہٗ۔

اور دونوں میں سے حضور کے بعد افضل وہ ہے کہ اس کی صاحبزادی اُس کے گھر ہے۔ (عمدة التحقیق ص۱۸۳)

اس کے گھر اس کی صاحبزادی ہے" اس جملہ سے سُنی حضرات یہ سمجھے کہ اس کے گھر یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر جس کی یعنی صدیق اکبر کی صاحبزادی ہے۔ وہ ہی افضل ہے۔ اور دوسرے لوگوں نے اس سے یہ سمجھا کہ "جس کے گھر یعنی حضرت علی کے گھر اُس کی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہے وہی افضل ہے"

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ





پندرھواں خطاب ۱۵

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۃ

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا اَبَا بَکْرٍ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ. اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالثَّوْبُ الْخَلِقُ۔

حضرت عمر نے عرض کیا، اے صدیق! ۔آپ نے سچ فرمایا۔ اور مجھے بھی دُنیا کی تین چیزیں پسند ہیں: اچھی بات کا حکم دینا۔ بُری بات سے روکنا۔ اور پُرانا کپڑا۔

حضرات آپ سن چکے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین محبوب

چیزوں کا ذکر فرمایا۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تین محبوب چیزوں کا ذکر فرمایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی پسندیدہ چیزوں کا بیان فرما چکے۔ تو پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بولے اور عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ! مجھے بھی تین چیزیں بہت محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ وَالثَّوْبُ الْخَلِقُ۔

اچھی بات کا حکم کرنا۔ بری بات سے روکنا اور پرانا کپڑا

سبحان اللہ کیا ہی ایمان افروز باتیں ہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پہلی چیز اچھی بات کا حکم دینا اور دوسری چیز برے کام سے روکنا۔ فرمایا ہے"

پہلی اور دوسری چیز

بھائیو! یہ دونوں باتیں ایسی اچھی اور ضروری ہیں کہ اگر سارے مسلمان ان دونوں پر عمل شروع کر دیں تو کئی بری باتیں مٹ سکتی ہیں اور کئی اچھے کام شروع ہو سکتے ہیں"

قرآن پاک

حضرات! قرآن پاک کا بھی یہی ارشاد ہے۔ کہ ہمیں بری باتوں سے روکنا۔ اور اچھی باتوں کا حکم دینا چاہیے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (پ۴، ع ۳)

تم بہتر ہو۔ ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے منع کرتے ہو"

حدیث شریف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی ارشاد ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔ کہ

يَاَيُّهَا النَّاسُ اُمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

(الترغیب والترہیب ص۲۳۳) "اے لوگو! نیکی کا کام کرو اور برائی سے روکو۔"

دوسری جگہ فرمایا:۔

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ ۰

الترغیب والترہیب ص۲۲۴

تم میں سے جو کوئی خلاف شرع کام دیکھے۔ تو اس کو ہاتھ سے روکے اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر زبان سے بھی روک دینے کی مجال نہ رکھے تو اسے دل ہی سے برا جانے اور یہ تیسری قسم ایمان کی کمزوری ہے۔"

میرے بزرگو۔ دوستو اور عزیزو! دیکھو۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ نے کس شان سے ہمیں تاکید فرمائی ہے کہ ہم "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کو اپنائیں۔ نیکی کو بڑھائیں اور برائی کو مٹائیں۔ برے کام ہوتے دیکھ کر ہم سب چپ نہ بیٹھے رہیں بلکہ حتی الامکان اسے مٹانے کی کوشش کریں صاحب اقتدار ہو تو اسے ہاتھ سے برائی کو روکے۔ اس کی طاقت نہ ہو۔ تو زبان سے روکے یہ بھی طاقت نہ ہو۔ اس برے کام کو اور برے آدمی کو کم از کم دل سے تو برا جانے

میرے بھائیو! کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں نے اپنے فریضہ کو بھی فراموش کر دیا ہے۔ اور آج برے کاموں سے دیکھ کر بالعموم یہ کہا جاتا ہے کہ صاحب! اگر کوئی برا کام کرتا ہے تو کرے ہمیں کیا؟ اس نے اپنی قبر میں جانا ہے ہم نے اپنی قبر میں۔ میرے بھائیو! یہ ہمیں کیا، والی بات اسلامی بات نہیں اسلام یہ نہیں سکھاتا کہ تمہارے سامنے کچھ ہوا کرے تو ہمیں کیا، کہہ کے بیٹھے رہو مسلمانو! تم تو ہر برائی کے مٹانے پر مامور ہو۔ تم تو اللہ کے وہ سپاہی ہو جنہیں دنیا میں بھلا اور نیکی کو قائم کرنا اور برائی و شرارت کو مٹانا ہے شاعر لکھتا ہے

مکانی بن کے آیا تو نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دنیا رزمگاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے۔

ہمیں کیا حضرات! اس "ہمیں کیا" کہنے کے نقصان کو ایک مثال سے واضح کرو دوں۔ یہ دیکھئے! انسان کا بدن مختلف اعضاء کا مجموعہ ہے۔ ان اعضاء میں سے اگر بائیں ہاتھ پر پھوڑا، نکل آئے اور دل کو تکلیف محسوس نہ۔ تو دل پاؤں کو حکم دیتا ہے۔ کہ چلو سپتال میں تاکہ ڈاکٹر سے اس پر مرہم لگوایا جائے اب سوچ لیجئے کہ اس موقعہ پر پاؤں اگر یہ کہنے لگیں۔ کہ ہمیں کیا۔ پھوڑا اگر نکلا ہے تو ہاتھ پر نکلا ہے۔ ہمیں کیا مصیبت پڑی ہے جو ہسپتال جائیں تو کیا یہ ٹھیک ہے پھر اگر ڈاکٹر کو محسوس کسی طرح گھر ہی بلوا لیا جائے۔ اور ڈاکٹر صاحب کوئی مرہم دے جائیں کہ اسے پھوڑے پر لگا دیا جائے۔ تو دل دائیں ہاتھ سے کہے کہ لو پٹی بنا کر بائیں ہاتھ کے پھوڑے پر لگا دو۔ تو دایاں ہاتھ بھی یوں کہے کہ "مجھے کیا" پھوڑا اگر نکلا ہے تو بائیں ہاتھ پر نکلا ہے مجھے کیا مصیبت پڑی ہے جو پٹی بناتا اور لگاتا پھروں۔

میرے بھائیو! اس "ہمیں کیا" اور "مجھے کیا" کہنے سے جو نتیجہ نکلے گا۔ وہ ظاہر ہے کہ وہ پھوڑا بڑھتے بڑھتے خراب ہو جائے گا اور ایک وقت ایسا آجائے گا۔ کہ سارا بدن ہی اُن "ہمیں کیا" اور "مجھے کیا" کہنے والوں سمیت ہلاک ہو جائے گا اور ایک عضو کی طرف خیال نہ رکھنے کی وجہ سے سارے اعضاء ہی مبتلائے ہلاکت ہو جائیں۔ پس اسی طرح میرے بھائیو! سارے مسلمان ان مختلف اعضاء کی طرح ہیں۔ ان میں سے اگر کسی بدی یا بُرے کام کا پھوڑا نظر آئے۔ تو ہر مسلمان کو اس کی اصلاح کرنی چاہیئے اور نہ کہنا چاہیئے۔ کہ "ہمیں کیا" اس طرح پھر بُرائی کے بڑھتے بڑھتے اس کے اثرات بد دوسروں تک بھی پہنچ جائیں گے اور اعمالِ بد کے نتیجہ میں جو اس دنیا میں بھی سب ہی آجائیں گے۔

صحبتِ بد میرے بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی بُرائی کو دیکھو تو اُسے ہاتھ سے روکو۔ ورنہ زبان سے بھی نہ روک سکو۔ تو پھر دل ہی سے اس برائی کو بُرا سمجھو اور ایسے بُرے شخص سے کنارہ کرو عزیزو! خوب یاد رکھو۔ کہ برائی کو دیکھ کر اگر کوئی اسے بُرا سمجھے ہی نہیں اور بُرے لوگوں سے بدستور میل ملاپ اور محبت و پیار رکھے تو اس کا یہ معنی ہے کہ اسے برائی سے نفرت نہیں اور اس کی نظر میں، نیکی و بدی کوئی قابلِ امتیاز چیز ہی نہیں۔ اس صورت میں وہ اگر اچھا بھی ہے تو اس صحبتِ بد اور بُروں سے میل جول کی بدولت خود بھی اچھا نہ رہے گا بندہ چاہے کتنا ہی نیک ہو اگر وہ بُروں میں بیٹھنا شروع کر دے۔ تو چند ہی روز میں وہ بھی بُرا ہو جاتا ہے اسی واسطے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمَةِ تہمت کی جگہوں سے بچو۔ یعنی اگرچہ تم اس بُرے کام میں شامل نہ بھی ہو گے۔ تو بھی تم بروں میں شمار ہو گے۔ دیکھ لیجیے۔ اگر کوئی شراب خانے سے یا رنڈیوں کے مکان میں سے ہو کر نکلے، تو دیکھنے والا ضرور کہے گا۔ کہ یہ بھی شرابی اور زانی ہے اگرچہ اس نے شراب نہ بھی پیا ہو اور زنا بھی نہ کیا ہو پھر اگر کوئی بُروں کے پاس ــــ بیٹھنا شروع کر دے گا تو خدا کے ہاں وہ کیوں برا نہ ہو گا۔ مولانا رومی نے اسی لیے لکھا ہے۔ کہ ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالع ترا طالع کند

بڑے بڑے نیک لوگوں کی اولاد کو بُروں کی صحبت نے بُرا کر دیا۔ اور پلید سے پلید اشیاء کو نیکوں کی صحبت نے پاک اور اچھا کر دیا حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بروں کے پاس بیٹھا۔ تو بُرا بن گیا۔ اور بروں کے ساتھ ہی طوفان میں غرق ہو گیا۔ اور اصحاب کہف۔ کا کتا جس نے خدا کے پیاروں کی صحبت اختیار کی۔ غار تک ان کے ہمراہ گیا۔ قیامت کے دن نیکوں میں شمار ہو گیا۔

پسرِ نوح با بداں بہ نشست
خاندانِ نبوتش گم شُد!
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

مثنوی شریف کی ایک حکایت

صحبتِ بد کے متلق مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک مثال لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ ایک چوہا اور مینڈک دونوں آپس میں دوست بنے ہوئے تھے۔ اور ایک دوسرے کی محبت کا بڑا دم بھرتے تھے ایک دن چوہے نے مینڈک سے کہا۔ کہ یار! جب تم پانی میں ہوتے ہو تو مجھے بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ میں تمہیں آواز دیتا رہتا ہوں۔ مگر پانی کے اندر ہونے کے باعث تم میری آواز سنتے ہی نہیں۔ اس لیئے میرا ارادہ یہ ہے۔ کہ مجھے کوئی ایسی چیز مل جائے جس کا ایک کنارہ تمہاری ٹانگ میں بندھا ہو اور دوسرا کنارہ میری ٹانگ میں۔ پھر ؎

جب مجھے منظور ملنا ہو کبھی
میں ہلادوں تو نکل آئے جبھی

مینڈک نے کہا۔ بڑی اچھی بات ہے۔ اور وہ دیکھو سامنے ایک جولاہے کا گھر ہے۔ وہاں سے ایک مضبوط اور لمبا سا دھاگہ لے آؤ۔ چنانچہ چوہا جولاہے کے گھر جا کر ایک لمبا اور مضبوط دھاگا لے آیا اور پھر ؎

باندھ کے ٹانگیں ہر اک رخصت ہوا
یہ گھسا بل میں وہ پانی میں گیا!

مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ ؎

ایک کوا دیکھتا تھا سب یہ حال
دل میں بولا خوب آیا ہاتھ یہ مال
کودتا اور پھاندتا آگے بڑھا
تارے کر چونچ میں اوپر چڑھا!

بل سے چوہا اور مینڈک جھیل سے — خود بخود آئے گھسٹ تعجیل سے
مینڈک اور چوہے کو جاتا تھا لئے — دیکھتے تھے واں تماشائی کھڑے
ایک نے پوچھا کہ کیا مینڈک کو یار — زاغ کر سکتا ہے پانی میں شکار
دوسرا بولا نہیں ممکن نہیں — اس کو لے ڈوبا اسے اس کا ہم

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے فرمایا اور اس کا نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے کہ

صحبتِ بد سے رہو تم پر حذر — سچ ہے یہ صحبت کا ہوتا ہے اثر
نیک کی صحبت تمہیں دے گی جِلا — صحبتِ بد خاک میں دے گی ملا

میرے بزرگو! سنا آپ نے کیسی اچھی مثال ہے۔ اور یہی حقیقت واقعہ ہے۔ کہ بُرے کی صحبت سے اچھا آدمی بھی بُرا ہو جاتا ہے۔ اور نیکوں کی صحبت بُروں کو بھی اچھا بنا دیتی ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ نے لکھا ہے۔ کہ

گر تو چاہے وصلِ حق اے بے خبر
کاملوں کا خاکِ پا ہو سر بسر!
ان کی صحبت مردوں کو زندہ کرے
زندہ ایسا ہو نہ پھر ہرگز مرے!

ہاں تو میں بتا رہا تھا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تین پسندیدہ چیزوں میں سے دو چیزیں تو یہ بیان فرمائیں کہ نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔

تیسری چیز

اور تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ "پُرانا کپڑا" سبحان اللہ! اس چیز میں بھی ہزاروں حکمتیں ہیں۔ آج اگر اسی ایک جز کو اپنا لیا جائے تو سینکڑوں مصیبتیں ختم ہو جائیں۔ میرے بھائیو! آج کی دنیا تکلفات کی دنیا ہے۔ نشست و برخاست کھانے پینے اور پہننے میں تکلف ہی تکلف ہیں حالانکہ اسلام نہایت سادہ اور سادگی پسند ہے اور تکلفات کا مخالف۔ لوگ اپنی دنیوی وجاہت قائم رکھنے کے لیئے بے پناہ خرچ کر ڈالتے ہیں۔ پاس کچھ نہ ہو تو قرض لے لیتے ہیں۔ اور اسی فکر میں رہتے ہیں کہ یہاں ہماری ناک رہ جائے کمر چاہے ٹوٹ

ہی جائے۔ میرے بھائیو! اگر ناک ہی کی فکر کرنی ہے۔ تو یہ فکر کرو۔ کہ یہ ناک بارگاہِ ایزدی میں سلامت رہے۔ اور اس دنیا میں؟ —— اس دنیا میں اگر ہے تو کل نہ رہے گی دنیوی رسم و رواج کی سریش سے جڑی ہوئی ناک کب تک رہے گی ایک دن کٹ کر رہے گی۔

لطیفہ چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک رئیس اعظم کے لڑکے کی ناک پر پھوڑا نکل آیا۔ تو ڈاکٹروں نے اُسے خطرناک قرار دے کر اس کی ناک ہی کاٹ ڈالی اب وہ لڑکا بغیر ناک کے رہ گیا۔ مشکل یہ آپڑی کہ تھوڑے دنوں کے بعد اس کی شادی ہونے والی تھی۔ اور لڑکی والوں کو اس بات کا ابھی تک کوئی علم نہ تھا کہ دلہا میاں کی ناک کٹ گئی ہے۔ لڑکے کے والد نے جو بڑا رئیس آدمی تھا امریکہ سے ربڑ کی ناک منگوالی۔ اور اپنے بیٹے کے منہ پر فٹ کرادی۔ اور شادی کے دن اسی ربڑ کی ناک سمیت لڑکا دولہا بنا اور سر پر ایک بہت بڑا سہرا باندھ لیا۔ اور اسے منہ پر فٹ کر لیا تاکہ نکاح سے پہلے پہلے ناک کا بھید نہ کھل جائے۔ اب جو نکاح کا وقت آیا۔ اور ساری برات کے اندر دولہا میاں کا نکاح ہونے لگا۔ اور مولوی صاحب نے جب کہا کہ کہو "قبول کی،، تو اتفاق دیکھیے کہ اسی وقت دولہا میاں کے جھٹکتے ہی ناک نیچے آگری۔ اب جو لوگوں نے سہرا اٹھایا۔ تو دولہا میاں "نکٹے،، تھے۔ لڑکی والوں کو علم ہوا۔ تو انہوں نے جواب دے دیا۔ اور دلہا میاں بے نیل و مرام واپس لوٹے

میرے بھائیو! اسی طرح جو ناک تم نے دنیوی رسم و رواج کی سریش سے جوڑی ہوگی کل قیامت کے میدان میں جلال ایزدی کا ایک ہی طمانچہ پڑا۔ تو یہ ناک نیچے آگرے گی۔ آؤ اپنی ناک کو شریعت کی سریش سے جوڑو۔ تاکہ تمہاری ناک مضبوطی سے۔ اپنی جگہ ڈٹی رہے۔،، ہاں تو ان تکلفات نے مسلمانوں کو بڑی بڑی مشکلات میں پھنسا رکھا ہے۔ میرے بزرگو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس قدر سادگی سکھائی ہے۔ کہ ولیمہ تک جو سنت ہے اس کے لیئے بھی مجبور نہیں فرمایا۔ کہ ضرور قرض اٹھاؤ۔ بلکہ ایک غریب صحابی کی شادی ہوئی تو دوسرے

روز حضور نے صحابہ سے فرمایا۔ کہ اپنے اپنے گھر سے اپنا اپنا کھانا لے آؤ۔ اور اس میرے غریب صحابی کے گھر بیٹھ کر اپنا پکا ہوا کھانا لے آؤ اور کھالو۔ تاکہ اس کا ولیمہ ہو جائے سبحان اللہ! کیا سادہ تہذیب ہے۔ جس میں کوئی کسی قسم کی تنگی و تکلیف ہے ہی نہیں میرے بھائیو! یہ جتنی تکلیفیں ہیں۔ ہم خود اپنے ہاتھوں اپنا رکھی ہیں۔ دین تو بڑا آسان ہے دین پر چلنے سے عاقبت بھی سنورتی ہے اور دنیا بھی بچتی ہے۔ اور رسم و رواج پر چلنے سے عاقبت بھی خراب اور دنیا بھی برباد ہوتی ہے۔"

ایک شہزادے کی حکایت

چنانچہ ایک شہزادے کی حکایت ہے کہ۔ ایک بادشاہ کا ایک لڑکا تھا جو دین سے بڑا انس رکھتا تھا۔ اور بادشاہ اُسے بزعم خویش بیکار سمجھتا تھا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہ دیتا تھا۔ اس کے کھانے پینے اور پہننے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ شہزادے کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ ایک دینی مدرسہ میں علم دین حاصل کرنے لگا۔ ایک روز اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پڑھی مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ یعنی خاموشی میں نجات ہے"۔ شہزادے نے یہ حدیث پڑھ کر بالکل ہی چپ سادھ لی۔ حتیٰ کہ کوئی بلائے تو بھی نہ بولتا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پر عمل کرکے خاموشی اختیار کی تو اس کی اس خاموشی سے بادشاہ کو جو آخر باپ تھا۔ فکر ہوئی کہ اسے کیا ہوا! ایک طبیب کو بلایا۔ تاکہ وہ اس کا علاج کرے۔ طبیب نے دیکھ کر کہا کہ اسے خشکی ہو گئی ہے۔ اسے ہر روز دودھ، گھی اور مکھن بادام وغیرہ دیئے جائیں چنانچہ شہزادے کے لیئے ہر روز یہ چیزیں آنے لگیں۔ اور شہزادہ کھانے لگا اور ہر روز یہ دودھ۔ گھی۔ بادام وغیرہ کھاتے ہوئے دل ہی دل میں کہا کرے صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ یعنی حضور نے سچ فرمایا کہ،، خاموشی میں نجات ہے۔ دیکھئے میں نے خاموشی اختیار کی تو مجھے کیا کچھ ملنے لگا ہے۔ چند روز کے بعد شہزادہ اپنے ایک ملازم کے ہمراہ شکار کے لیئے گیا۔ تو ایک درخت پر ایک فاختہ بیٹھی تھی۔ اور بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

شہزادہ اور ملازم درخت کے نیچے سے آگے گزرے۔ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ فاختہ بولی اور اس کے بولنے سے شہزادے کے ملازم کو پتہ چل گیا کہ درخت پر فاختہ بیٹھی ہے۔ چنانچہ وہ آواز سن کر پیچھے پلٹا اور فاختہ کو تیر مار کر شکار کر لیا۔ شہزادے نے یہ قصہ دیکھا تو جھٹ بول اٹھا۔ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ سچ فرمایا حضور نے کہ ،،خاموشی میں نجات ہے،، اے فاختہ! تم جب تک خاموشی میں رہی۔ کہ ہمارے تیر سے محفوظ رہی۔ اور جب بولی تو نشانہ بن گئی

ملازم نے جو شہزادے کو کلام کرتے سُنا۔ تو دوڑا ہوا بادشاہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ حضور! شہزادے کو میں نے بولتے دیکھا ہے آپ سے وہ فریب کر رہے ہیں جو بولتے نہیں بادشاہ کو غصّہ آیا۔ اور جلاد کو حکم دیا۔ کہ شہزادے کو درّے لگائے جائیں کہ اس نے اتنے روز ہم سے دھوکا کیوں کیا؟ چنانچہ شہزادہ پیٹنے لگا۔ پیٹتا جاتا اور کہتا جاتا تھا۔ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا سچ فرمایا حضور نے کہ خاموشی میں نجات ہے میں جب تک خاموش رہا گھی بادام کھاتا رہا اور جب بولا تو پٹنے لگا،،

ہاں تو میرے بھائیو! خوب یاد رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کی تعمیل میں دنیا کی بھی بہتری ہے اور آخرت کا بھی بھلا ہے۔ پس ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تکلفات کی دنیا سراسر موجب رنج و تکلفات ہے آج لباس کے معاملہ میں بھی ہم سراپا تکلف نظر آتے ہیں۔ جب تک قیمتی اور ولایتی کپڑا زیب تن نہ ہو ہمیں تسلی ہی نہیں ہوتی۔ آج اگر معمولی سادہ اور پرانے کپڑوں سے بھی رغبت پیدا کر لی جائے۔ تو کتنا فضول خرچ ہمارا بچ جائے۔ سبحان اللہ! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ واقعی سیاست کے بھی بادشاہ تھے۔ کیا حکمت کی بات ارشاد فرمائی ہے کہ پرانا کپڑا مجھے پسند ہے،،۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سادگی

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اوصاف وخصائص کے باب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ عمر کے لیئے اللہ تعالیٰ کے مال سے کچھ حلال نہیں ہے۔ سوائے دو کپڑے جاڑوں کے دو کپڑے گرمیوں کے، حج وعمرے کا خرچ، اپنا اور اپنے اہل وعیال کا کھانا اور یہ مثل ایک مرد قریش معمولی درجہ کے موافق کہ نہ امیر ہو۔ نہ فقیر۔ کیونکہ میری بھی وہی حیثیت ہے۔ جو ایک معمولی مسلمان کی '' (تاریخ الخلفاء صـ۹۱)

عقبہ بن فرقد نے ایک روز آپ سے اچھی غذا کھانے کے لیئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔ وَيْحَكَ اٰكُلُ طَيِّبَاتِيْ فِيْ حَيَاتِي الدُّنْيَا وَاَسْتَمْتِعُ بِهَا۔ افسوس ہے کہ میں اس چند روزہ زندگی کو اچھا کھا کر اور دنیا کے مزے لے کر گزار دوں '' (صـ۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کرتے کے مونڈھے کے پاس پیوند لگے ہوئے دیکھے '' (صفحہ مذکور) عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ اثنائے سفر میں آپ منزل پر پہنچ کر کوئی خیمہ یا تنبو نہ کھڑا کرتے تھے۔ بلکہ یونہی کسی درخت پر کوئی کملی یا کپڑے کا سائبان ڈال لیا کرتے تھے۔ اور اس کے سایہ میں بیٹھ جاتے تھے۔ (صـ۹۲) ''

دیکھا آپ نے! یہ حضرت فاروق اعظم ہیں۔ جن کے رعب وجلال اور دبدبہ سے بڑے بڑے قیصر وکسریٰ بھی کانپ اٹھتے تھے اور جن کے نام سن کر اُن کی نیند بھی حرام ہو جاتی تھی۔ اللہ اکبر! یہ رعب وجلال۔ اور اُن میں اپنی یہ سادگی ''،

میرے بھائیو! تم بھی سادگی پسند بنو اور چھوڑ دو ان تکلفات کو سادگی میں بڑے آرام اور بڑے ہی مزے ہیں ذرا اسے اپنا کر تو دیکھو۔ بزرگو! دوستو! اور عز

عزیزو! یہ وہ مبارک چیز ہے کہ خود ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی سادگی کو پسند فرمایا۔ اور حضور کی طبع انور بڑی ہی نفاست پسند، اور سادہ تھی۔ ؎

سلام اس پر جسے مرغوب چاندی تھی نہ سونا تھا۔
سلام اس پر کہ جس کا بوریا وسادہ بچھونا تھا۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سادگی کو اپنا کر مساوات کا بھی ایک رنگ پیدا فرمایا ہے۔ دیکھئے ایک غریب آدمی قیمتی کپڑے خرید کر کسی بڑے آدمی کے برابر تو نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں اتنی سکت ہی نہیں۔ ہاں بڑا آدمی معمولی اور سادہ کپڑے پہن کر اپنے غریب بھائی کا ہم رنگ ہو سکتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سادگی کو اپنایا۔ تاکہ سبھی سادگی کو اپنا کر بھائی بھائی بن کر جائیں اور اس کا ایک روح پرور نظارہ ایام حج میں نظر آتا ہے جہاں ہر امیر، غریب کو سادگی اختیار کرنا پڑتی ہے۔ سبھی دو چادروں میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ کوئی امیر ہو یا غریب۔ مگر دل سبھی کے یکساں نظر آتے ہیں ؎

بندہ و صاحب و محتاج غنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ، ایک ہوئے

ہاں تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا ہے مجھے یہ تین چیزیں پسند ہیں "نیکی کا کام کرنا" برائی سے روکنا اور پرانا کپڑا"

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ





سولہواں خطاب ۱۶

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا عُمَرُ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ ۔ اِشْبَاعُ الْجِیْعَانِ وَکِسْوَۃُ الْعُرْیَانِ ۔ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ۔ اے عمر ! آپ نے سچ فرمایا ۔ اور مجھے بھی دُنیا کی تین چیزیں پسند ہیں ؛ بھوکوں کو کھانا کِھلا کر اُن کا پیٹ بھرنا ۔ ننگوں کو کپڑے پہنانا ۔ اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا ۔"

حضرات! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تین پسندیدہ چیزوں کے بیان کر چکنے کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بولے اور فرمایا مجھے بھی تین چیزیں بڑی پسند ہیں فرمایا۔ پہلی تو یہ کہ اِشْبَاعُ الْجِیْعَانِ یعنی بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا۔ دوسری کِسْوَۃُ الْعُرْیَانِ یعنی ننگوں کو کپڑے پہنانا اور تیسری تِلَاوَۃُ الْقُرْآنِ یعنے قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔"

پہلی چیز میرے بزرگو! بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔" یہ ایک ایسی اچھی چیز ہے کہ اس پر عمل کرنے سے خدا اور رسول بہت ہی خوش ہوتے ہیں چنانچہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے متعلق فرماتا ہے۔"

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔

(پ ۲۹، ع ۱۹)

اور کھانا کھلاتے ہیں۔ اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔ کہ

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۴۲۶)

وہ شخص کامل مومن نہیں جو خود تو سیر شکم ہو کر کھائے اور اس کے قریب ہی اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔"

حضرات! اسلامی تعلیم کچھ ایسی پاکیزہ اور مقدس ہے کہ اس پر عمل کرنے سے کئی مشکلات کا ازالہ ہو جاتا ہے اے کاش آج ہم صرف اسی ایک چیز پر عمل کرنے لگیں تو کئی مسکین و غریب بھائیوں کا بھلا ہونے لگے۔ مگر افسوس کہ آج کچھ ایسا نفسی نفسی کا عالم ہے کہ اپنے عزیز بھی بھوکے مرتے رہیں اس کی کچھ پروا نہیں ہوتی اور ایک وقت وہ تھا۔ کہ ؎

بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے تھے
ایسے صابر تھے محمد کے گھرانے والے

میرے بھائیو! دنیا کو خوب کماؤ۔ مگر کماؤ دائرہ شریعت میں رہ کر۔ اور پھر جو مالِ دنیا حاصل ہو۔ اُسے اللہ اور رسول کی مرضی کے مطابق خرچ بھی کرو۔ مساکین وغرباء کا خیال رکھو۔ اور اپنی کمائی میں سے اُن کا حصہ بھی نکالو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے مال کے متعلق ارشاد فرماتا ہے ا۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (پ۲۶-ع۸)

اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتے اور بے نصیب کا۔"

یعنی جو اللہ کے نیک بندے ہیں ان کے مالوں میں منگتوں اور محتاجوں کا حق ہے میرے بھائیو! جو لوگ مال دنیا سے کچھ اس قسم کی محبت رکھتے ہیں کہ اُسے مساکین وغرباء پر خرچ کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ یہ مالِ دنیا ہمارے کام آئے گا۔ وہ سخت غلطی پر ہیں آپ کا یہ مال آپ کا نہیں۔ یہ تو آپ کے مرنے کے بعد آپ کے وارثوں کا ہے آپ کا مال وہی ہے۔ جو آپ نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جو مال آپ نے یہاں خدا ور سول کی مرضی کے خلاف خرچ کیا اس مال کا مآل بڑا ہی ہولناک ہے۔ روپیہ کو اگر آپ نے نیک کاموں میں صرف کیا۔ یا بُرے کاموں میں روپیہ بہر حال خرچ تو ہو ہی جائے گا۔ اور آپ کے بعد اس سے آپ کے وارث گلچھڑے اڑائیں گے۔ اور ان کے آثار آپ کے ذمہ نامۂ اعمال میں باقی رہ جائیں گے۔ مطلب میرا یہ ہے۔ کہ جس روپیہ سے مستقین کا حق نہیں نکالا۔ اور وہ یونہی جمع رکھا۔ اور آپ مر گئے۔ تو وہ روپیہ جمع رکھنے کا، اور اس سے مستحقین کا حق نہ نکالنے کا گناہ آپ کے نامۂ اعمال میں باقی رہا۔ اور وہ روپیہ آپ کے بعد آپ کے وارثوں کے کام آیا۔ تو سوچئے کہ ایسے مال کا کیا فائدہ۔ پھر کیوں نہ خدا کے دیئے ہوئے مال سے ہم غرباء ومسکین کا حق بھی نکالیں ؟!

میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ یہ مالِ دنیا محض ایک فریب ہی ہے اس میں کبھی دل نہ لگاؤ۔ اور اُسے دل کے اندر کبھی جگہ نہ دو۔ ہاں بیشک اس سے جائز نفع اور فائدہ اٹھاؤ مگر اس کی محبت دل پیدا ہونے نہ دو۔ اور اُسے گناہوں

کے کاموں میں کبھی صرف نہ کرو۔"

لطیفہ اس موقعہ پر آپ کو ایک پر لطف حکایت سناؤں ایک شخص کی عادت تھی۔ کہ وہ رات کو سوتے ہوئے ہر روز بستر پر پیشاب کر دیا کرتا تھا۔ اس کی بیوی نے ملامت کی کہ یہ کیا حرکت ہے۔ کہ اتنے بڑے ہو کر بستر موت دیتے ہو۔ میں ہر روز بستر دھو دھو کر تھک گئی ہوں۔ خاوند بولا۔ کیا بتاؤں شیطان ہر روز خواب میں آتا ہے اور کہتا آؤ تمہیں سیر کرالاؤں پھر راستے میں مجھے پیشاب کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ تو میں خواب میں پیشاب کرنے بیٹھ جاتا ہوں اور پیشاب کر دیتا ہوں اور وہ پیشاب بستر پر نکل جاتا ہے۔ بیوی کہنے لگی۔ شیطان جب تمہارا بڑا دوست ہے تو آج اس سے یہ کہنا کہ یہ تیری دوستی کس کام آئے گی ہم غریب آدمی ہیں کہیں ہم کو بہت سارا روپیہ دلوا دے۔ خاوند نے کہا۔ اچھا آج اس سے یہ بات ضرور کہوں گا۔ چنانچہ رات ہوئی، اور شیطان خواب میں آیا۔ تو بیوی نے جو کچھ کہا تھا۔ اس نے شیطان سے کہا۔ شیطان نے جواب دیا کہ تمہارے واسطے روپیہ بہت ہے۔ چنانچہ اسے ایک خزانہ میں لے گیا اور اس کی کمر پر اتنے روپے لاد دیئے کہ بوجھ سے اس کا پاخانہ نکل گیا۔ صبح کو آنکھ جو کھل گئی تو بستر پر پاخانہ موجود اور روپے غائب۔ بیوی نے کہا۔ ارے توبہ! ۔ یہ آج آپ نے کیا کر ڈالا۔ خاوند نے کہا۔ یہ تمہارے واسطے روپیہ لانے کا نتیجہ ہے۔ بیوی نے کہا بس جی! میں ایسے روپوں سے باز آئی۔ تم روز پیشاب ہی کر لیا کرو — ہگا مت کرو۔

میرے بھائیو! اسی طرح گناہ کے کاموں میں روپیہ خرچ کرنے کا انجام یہ ہوگا۔ کہ کل قیامت کے دن جب آنکھ کھلے گی۔ تو یہ روپیہ غائب ہوگا۔ اور گناہوں کا انبار سامنے موجود ہوگا۔ میرے بھائیو! اپنے مال کو سامنے راستے میں صرف کرو یہی نیک کام تمہارے کام آئے گا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات بڑی پسند ہے کہ میں اپنے مال میں سے بھوکوں، محتاجوں کو کھانا کھلاؤں اور

میرا مال مستحقین کے بھی کام آئے۔"

دوسری چیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری پسندیدہ چیز یہ بیان فرمائی۔ کہ مجھے "ننگوں کو کپڑا پہنانا" یہ بات بڑی پسند ہے سبحان اللہ! کیسے پاکیزہ لوگ تھے۔ اور اللہ کے دیئے ہوئے مال سے مستحقین پر خرچ کرنے کو کس قدر محبوب جانتے تھے۔ مسلمانو! اپنے بزرگوں کی سیرت کو پیش نظر رکھو۔ اور تم بھی غرباء و مساکین کا خیال رکھو۔ اپنے غریب بھائیوں کی ہر طرح مدد کرو۔ یہ ہمارے غریب و مسکین بھائی ہمارے بھائی ہیں۔ اسلام نے جو جذبہ اخوت پیدا کیا ہے۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے۔ کہ اگر ایک بھائی کو تکلیف ہو۔ تو سارا عالم اسلام ہی بے چین ہو جائے۔ مگر۔ ؎

آہ اسلام ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات پڑھئے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔ کہ کسی فرد کو کوئی تکلیف ہوتی۔ تو سبھی اس کی امداد فرماتے۔ مگر آج ہم میں یہ بڑی کوتاہی پیدا ہوگئی ہے کہ کوئی مرتا مر جائے۔ مگر کچھ پرواہ نہیں کرتا۔

میرے بزرگو! سارے مسلمان ایک قوم ہیں۔ اور قوم افراد سے بنتی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ مسلمان قوم میں اکثریت غرباء کی ہے پھر ان غرباء سے ہمدردی نہ ہوئی تو گویا قومی ہمدردی نہ ہوئی تو قومی ہمدردی اس کا نام نہیں کہ امیروں سے مل جل کر رہنا اور امراء سے محبت کرنا اور غریبوں کی پرواہ تک نہ کرنا۔ قوم کا زیادہ تر حصہ تو انہیں غرباء پر مشتمل ہے۔ پھر اگر انہیں سے محبت نہ ہوئی تو قومی ہمدردی کیسے ہوئی؟ میرے بزرگو! اپنے آقا و مولیٰ حضور سرورِ عالم صلے اللہ وسلم کی سیرت مطہرہ پر نظر ڈالو کہ آپ باوجود اتنی بڑی شان و عظمت کے غرباء و مساکین سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اور خود بھی آپ نے باوجود مالکِ کل ہونے فقر و سادگی کو ہی اپنایا۔"

فقر اللہ رہے ان کا کرشمۂ کل ہو کر
زندگی اپنی غریبوں میں گزاری ساری

سادگی حضرات! سادگی بڑی اچھی چیز ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا مبارک ہزاروں حکمتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ دیکھئے! دنیا میں آج کل،، قومی ہمدردی کی رٹ تو عام ہے۔ مگر آج کی بود باش کے پیش نظر اس کا حصول مشکل ہے اس لیئے کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ غرباء سے اگر محبت نہ نہ ہوئی۔ تو قومی ہمدردی کیسے ہو سکتی ہے۔؟ اور یہ ظاہر ہے کہ محبت کے لیئے سادہ زندگی کی ضرورت ہے۔ اور جہاں تکلفات آئے محبت کی جڑ کٹ گئی ہے یہ بات تو ظاہر ہے کہ محبت کا بناء مساوی اور افراد میں ہو سکتا ہے آپ نے یہ کبھی نہ سنا ہو گا۔ کہ ایک بادشاہ اور ایک بھنگی میں محبت ہوئی ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ دونوں برابر نہیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ بھنگی کو بادشاہ سے محبت ہو مگر ادھر سے محبت نہیں ہوتی۔ ادنیٰ کو اعلیٰ سے محبت ہو سکتی ہے۔ مگر اعلیٰ کو ادنیٰ کے ساتھ نہیں ہوتی۔ دونوں طرف سے محبت جبھی ہوتی ہے۔ کہ دونوں طرف برابری ہو۔ اب غور فرمایئے۔ کہ مسلمانوں میں برابری یا تو اس طرح ہو سکتی ہے کہ سب امیر ہو جائیں۔ اور یا اس طرح ہو سکتی ہے۔ کہ سب غریب ہو جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ سب کا امیر بن جانا تو اختیاری بات نہیں۔ ہاں غریب بن جانا تو اختیاری بات ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ اپنے مال پھینک کر محتاج بن جائیں۔ بلکہ غریب بننے سے مراد عادات اور معاشرت میں غریب بننا ہے اسی کو دوسرے لفظوں میں سادگی کہتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آپس میں محبت کی اور قومی ہمدردی کی یہی صورت ہے کہ سب سادہ زندگی اختیار کریں۔ اور یہی وہ راز ہے جسے مالک کل حضور سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے سادہ زندگی اختیار فرما کر ظاہر فرما دیا اور یہ حقیقت ہے کہ جو بات کوئی بڑے سے بڑا فلسفی بھی حل نہ کر سکے

حضور علیہ السلام نے اسے اپنی ایک ہی ادا سے حل فرما دیا ہے۔ سچ ہے کہ ؎

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا

وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں!

بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کی سیرتِ مطہرہ کو پیشِ نظر ذرا ملاحظہ فرمایئے۔ کہ دو عالم کے مالک و مختار ہیں۔ مگر سادگی اس قدر ہے کہ تکیہ مبارک میں کھجور کی چھال بھری تھی معاشرت میں ہر طرح سے عبودیت و تواضع کا خیال فرماتے تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، کلام فرمانا۔ غرض ہر ایک ادائے مبارک آپ کی سادہ تھی۔ بڑا بننے کو کبھی پسند نہیں فرمایا کہ بلکہ یوں فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ۔

یعنے اے اللہ! مجھے زندگی میں بھی مسکین رکھ اور میرا وصال بھی مسکینوں میں کرنا اور قیامت میں مسکینوں میں اٹھانا ؛

سبحان اللہ! کس قدر دلجمعی فرمائی جا رہی ہے۔ اسی لیئے مولانا رومی علیہ الرحمتہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ؎

در ہمہ احوال و افعال اے فتیٰ | قبلۂ خود ساز خلقِ مصطفےٰ
کہ تواضع پیشہ بودے ہر زماں | نان خوردے بر زمیں چو بندگان
از تواضع آں رسولِ حق پرست | جملہ کارِ خانۂ خود کردے بدست
خانہ رفتے گاؤ را دوے سلف | ہر زماں از کبر بودے بر طرف
ہر کہ خواندے از پئے دعوت ورا | بے تکلف پشدے آں باصفا
ہر کسے را ابتدا کردے سلام | نانِ میخوردے بخدّام و غلام

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری پسندیدہ چیز،، ننگوں کو کپڑا پہنانا،، بیان فرمائی —— اور تیسری اپنی پسندیدہ چیز آپ نے،، تلاوت القرآن بیان فرمائی ،،

تیسری چیز

میرے بزرگو اور دوستو! عزیزو! غور سے سنو۔ قرآن پاک جو اللہ کی کتاب ہے اس کا پڑھنا بہت ہی بڑے ثواب کا موجب ہے خوب یاد رکھو کہ ہر چیز کا صیقل ہے۔ اور دل کے جملہ زنگار اور اس کی میل دور ہو جاتی اور دل منور ہو جاتا ہے۔"

خدا سے باتیں

میرے بزرگو! ایک مسئلہ سن لو۔ اور مسئلہ سے آپ پر قرآن پاک پر تلاوت کی عظمت بھی ظاہر ہو جائے گی! اگر کسی شخص نے یہ قسم کھالی۔ کہ تجدا میں خدا سے باتیں کروں گا۔ تو قسم کے پورا کرنے کی کوئی صورت ہے نہیں نہ نظر آتی ہے مگر آیئے! میں آپ کو بتاؤں کہ وہ شخص اپنی قسم یوں پوری کر سکتا ہے۔ کہ قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دے تو اس قسم پوری ہو جائے۔ گویا تلاوت قرآن خدا سے باتیں کرنے کے مترادف ہے۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے قرآن پاک اور تلاوتِ قرآن پاک کی اور کس قدر بدنصیب ہے وہ شخص جو تلاوت قرآن پاک نہیں کرتا۔ یاد رکھیئے۔ تلاوت قرآن پاک سے صدہا برکات ورحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے۔ اور انسان پر اللہ تعالیٰ کی برکات ورحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے"

ابر رحمت

چنانچہ ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک صحابی سورۃ کہف کی تلاوت کر رہے تھے۔ اور آپ کی خچر قریب ہی بندھی ہوئی کھڑی تھی۔ تو تلاوت کرتے ہوئے آپ نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا نیچے کی طرف آرہا ہے اور یہ دیکھ کر ان کی خچر ڈرنے لگی۔ صبح اس بات کا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:-

تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْاٰنِ ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۸۶)

یہ رحمت واطمینان اور سکون تھا۔ جو تلاوتِ قرآن سے نازل ہوا تھا سبحان اللہ! کیا شان ہے تلاوتِ پاک کی۔ کہ ادھر تلاوت شروع کیجیے اور ادھر رحمتوں کا نزول شروع ہو جائے"

نسخۂ شفاء | میرے بھائیو! یہ قرآن پاک ہمارے لیئے روحانی وجسمانی بیماریوں کے لیئے ایک تیر بہدف نسخۂ شفا ہے چنانچہ خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے "

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (پ۱۵ ع۹)

اور قرآن میں اتارتے ہیں۔ وہ چیز کہ جو ایمان والوں کے لیئے شفا اور رحمت ہے

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سورۃ فاتحہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ "،

وَفِیْ فَاتِحَةِ الْكِتٰبِ شِفَآءٌ مِّنْ كُلِّ دَآءٍ ۔ (مشکوٰۃ شریف۔ ص۱۸۱)

یعنی سورۃ فاتحہ میں ہر مرض کے لیئے شفا ہے"۔

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو۔ اپنا ایمان رکھو کہ قرآن پاک واقعی ہمارے لیئے نسخہ شفاء ہے۔ یہی وہ نسخہ شفاء ہے۔ جس کے لیئے شاعر نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے سلسلہ میں لکھا ہے "ے

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا۔
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا۔

بھائیو! اس نسخہ شفا کی قدر کرو۔ اپنے امراض باطنی وظاہری کے علاج کے لیئے اسے اپناؤ۔ جملہ عزتیں اور وقار اسی کتاب پاک کے اپنانے میں ہے۔ صحابہ کرام نے [illegible] اپنایا اور ساری دنیا پر چھا گئے۔ ے

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اور یہ جو میں نے اس نسخۂ شفاء کو امراض باطنی وظاہری کے لیے مفید ہوتا کہا ہے یہ کوئی جذباتی بات نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ میں ہر مرض کے لیئے شفاء ہے۔ یہ "ہر مرض" کا جملہ اعلان فرما رہا ہے

کہ امراض ظاہری کے لیئے بھی اس میں شفا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث کے ماتحت بین السطور میں یہ عبارت بھی موجود ہے۔ کہ

قِرَأَۃٌ وَکِتَابَۃٌ لِلتَّعلِیْقِ — یعنے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا اور اس کا لکھ کر گلے میں ڈال لینا۔ یہ دونوں باتیں موجب شفاء ہیں"

تعویذ بھائیو! یہاں سے "تعویذ" کا ثبوت بھی مل گیا۔ یہ جو بزرگانِ دین۔ آیاتِ شفا لکھ کر پلاتے ہیں۔ یا اس کا تعویذ لکھ کر باندھنے کو دیتے ہیں۔ یہ کوئی غلط بات نہیں۔ بلکہ حقیقت و صداقت ہے اور اس کا اثر ہوتا ہے اگر کوئی صاحب یوں کہیں کہ صاحب ان سیاہی کے حروف اور لکیروں میں کیا رکھا ہے۔ جن سے مرض جاتا ہے تو ان کے جواب کے لیئے ایک مجذوب بزرگ کا۔ دلچسپ جواب موزوں رہے گا۔

ایک مجذوب بزرگ کا دلچسپ جواب

ایک مجذوب بزرگ کسی کو تعویز لکھ کر دے رہے تھے۔ کہ ایک معترض نے یہی اعتراض کیا۔ کہ یہ سب ڈھونگ ہے بھلا ان سیاہی کے حروف اور لکیروں میں کیا پڑا ہے۔ جو بخار کو اتار دیں گی۔ مجذوب بزرگ نے یہ بات سن کر ایک دوسرے کاغذ پر ایک بڑی سی گالی لکھ کر اس معترض کے سامنے کر دی۔ معترض نے دور سے اس گالی کو پڑھنا تو غصے سے پیلا ہو گیا اور بولا۔ یہ کیا انسانیت ہے کہ مجھے اتنی بڑی گالی دیدی۔ مجذوب فرمانے لگے یہ تمہارے اعتراض کا جواب ہے۔ اس نے کہا۔ یہ جواب کیسے ہوا فرمایا ہوا ایسے ہوا کہ اس کاغذ پر بھی تو سیاہی کے حروف اور لکیریں ہیں پھر اگر ان گالی کے حروف اور لکیروں نے تمہیں دور سے غصہ میں لال پیلا کر دیا ہے۔ تو اللہ کے مبارک نام کے حروف و لکیروں میں ہی کوئی اثر نہیں۔ جو بخار کو اتاریں۔ معترض فوراً ٹھنڈا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔ بات سمجھ میں آگئی ہے"

ہندسے ایک دلچسپ واقعہ بھی سنیئے۔ ایک بزرگ تعویذ لکھ رہے تھے تو ایک معترض نے کہا بھلا ان ہندسوں میں کیا پڑا ہے جو مرض دور کردیں گے آپ نے اس سے فرمایا اگر ہندسوں کوئی اثر نہیں تو مہربانی کرکے اپنی پیشانی موٹے قلم سے ۱۴۰۰ کا ہندسہ لکھ کر بازار میں ٹہلو۔ پھر دیکھو ان ہندسوں کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ بولا۔ توبہ۔ توبہ!! ۱۴۰۰ تو بڑے خطرناک ہندسے ہیں"

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ قرآن شریف کی تلاوت بڑی ہی مبارک ہے۔ مگر افسوس کہ آج بجائے تلاوتِ قرآن فحش گیت اور فلمی گیت گائے جاتے ہیں۔ وہ زبان جو اللہ نے ذکرِ حق اور ذکرِ رسول کے لیئے دی تھی اسے لغویات، یاوہ گوئی۔ اور ناپاک کلام سے ملوث کیا جانے لگا ہے۔ بھائیو! سوچو تو سہی آج کتنے لوگ ہیں جنہیں تلاوتِ قرآن پاک کا شوق ہے۔؟ بھائیو! قرآن پاک کی تلاوت کا شوق پیدا کرو اور ان خرافات و بیہودہ گوئیوں کو چھوڑو۔

خاموشی عزیزو! اگر تلاوتِ پاک نہیں کرتے۔ تو کم از کم فلمی گانے اور یاوہ گوئی چھوڑ دو۔ تاکہ تلاوتِ پاک کا اگر ثواب حاصل نہیں کرتے تو یاوہ گوئی کا عذاب بھی تو مول نہ لو۔ خوب یاد رکھو۔ کہ یاوہ گوئی اور بیہودہ گوئی بعض اوقات کلماتِ کفریہ تک نوبت پہنچا دیتی ہے۔ خدا سے پناہ مانگو اور زبان کو قابو میں رکھو۔ اسی لیئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ یعنی جس نے خاموشی اختیار کی۔ سلامت رہا" اور ایک فارسی مصرعہ کیا ہی ذومعنی ہے کہ ؎

خاموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

اس مصرعہ میں لطیف بات یہ ہے۔ کہ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ،، خاموشی میں ایسی خوبی ہے۔ جو بیان نہیں ہوسکتی"، دوسرا معنی یہ کہ خاموشی میں ایسی خوبی ہے جو بولنے میں ہرگز نہیں"

بھائیو! اپنے بزرگوں کو دیکھو۔ کہ وہ پاک لوگ فضول باتوں سے یہاں تک احتراز کرتے تھے۔ کہ بعض ایسے اقوال جو ظاہر میں جائز معلوم ہوتے ہیں ان سے بھی

پرہیز کرتے تھے۔"

رابعہ بصری کا قصّہ

چنانچہ حضرت رابعہ بصری کے پاس ایک دن چند صوفی بیٹھے تھے۔ اور آپ دنیا کی مذمت کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

قُوْمُوْا عَنِّیْ فَاِنَّکُمْ تُحِبُّوْنَ الدُّنْیَا،

میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ کہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو۔"

ان لوگوں نے کہا۔ کہ حضرت ہم تو دنیا کی مذمت کر رہے ہیں۔ اگر محبت ہوتی تو ہم مذمت کیوں کرتے۔ فرمایا:۔

مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔

جس کو کسی چیز سے محبت ہوا کرتی ہے وہ اس کو بہت یاد کیا کرتا ہے چاہیے کسی عنوان سے یاد کرے۔ ایک عنوان یاد کا یہ بھی ہے کہ برائی سے یاد کرے۔

دیکھا آپ نے۔ حضرت رابعہ بصری نے کس قدر گہری بات ارشاد فرمائی ہے مطلب یہ کہ جو وقت گزرے یادِ حق میں گزرے ادھر اُدھر کی باتوں سے کیا فائدہ

قرآن سے جواب دینے والی عورت

میرے بزرگو! اسلام میں ایسی عورت پاکباز عورتیں گزری ہیں کہ ان کے واقعات پڑھ کر آج کل تعجب ہونے لگتا ہے۔ تلاوت قرآن کے ذکر میں ایک مقدس خاتون کا ذکر سنیئے اور غور و فکر کیجیے کہ ایک ہم بھی ہیں جو فضول گانے اور یاوہ گوئی میں برباد کر دیتے ہیں اور ایک وہ پاکباز عورتیں بھی تھی۔ کہ ہر وقت یادِ حق میں رہتی تھیں چنانچہ حضرت عبداللہ واسطی لکھتے ہیں۔ کہ میں نے عرفات میں ایک عورت کو دیکھا جو تنہا کھڑی تھی۔ اور یہ آیت پڑھ رہی تھی۔

مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔

یعنی جسے اللہ راہ دکھاتا دے اُسے کوئی بھٹکا نہیں سکتا۔ اور جسے وہ راہ بھلادے اسے کوئی راہ دکھا نہیں سکتا۔"

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ عورت راستہ بھول گئی ہے اس پر میں نے اس کے پاس جاکر کہا کہ اے نیک عورت! تو کہاں سے آئی ہے؟ تو اس نے یہ آیت پڑھی :"

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔

میں نے سمجھ لیا کہ یہ بیت المقدس سے آئی ہے میں پوچھا تم یہاں کیوں آئی ہو تو اُس نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ۔

مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ یہ حج کے لیئے آئی ہے۔

میں نے پوچھا۔ آپ میرے اونٹ پر سوار ہوں گی۔ تو اُس نے یہ آیت پڑھی

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْہُ اللّٰہُ ـــ

میں نے اونٹ بٹھا دیا۔ اور وہ سوار ہونے لگی تو پھر یہ آیت پڑھی

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ ـــ

مطلب یہ کہ اپنی نظریں دوسری طرف کر لو۔ چنانچہ میں نے نظریں دوسری طرف کر لی اور وہ سوار ہو گئی :"

میں نے پوچھا۔ آپ کا نام کیا ہے! ۔ تو بولی

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ۔

مجھے پتہ چل گیا کہ اس کا نام مریم ہے۔ میں نے پوچھا آپ کی اولاد ہے۔ تو وہ بولی :"

وَوَصّٰی بِھَآ اِبْرٰھِیْمُ بَنِیْہِ ـ

میں نے سمجھ لیا کہ اس کے چند بچے ہیں۔ میں نے پوچھا ان کے نام کیا ہیں تو وہ بولی :"

وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ـــ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً ـ

مطلب یہ کہ ان کے نام موسیٰ ۔ ابراہیم ۔ اور داؤد ہیں میں نے پوچھا اگر بھوک ہو تو کھانا موجود ہے ۔ تو بولی! ۔

إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا ـ

یعنی میں روزے سے ہوں ؟

پھر ہم ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کے بیٹوں کے پاس گئے تو ماں بیٹے مل کر بڑے خوش ہوئے ۔ پھر وہ اپنے بیٹوں سے کہنے لگی ۔

فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ ـ

یعنی اس نے اپنے بیٹوں کو میرے لیئے بازار سے کچھ منگوانے کا حکم دیا میں ۔ بڑا خوش ہوا اور اس عورت کے اس کمال پر حیران رہ گیا کہ اس نے کوئی بات نہیں کی جو قرآن سے باہر ہو ہر بات کا جواب اس نے قرآن سے دیا ہے[1]

میرے بزرگو! سنا آپ نے؟ یہ ایک عورت تھی جس کا قرآن پاک سے اسقدر شغف تھا ۔ کہ ہر بات کا جواب قرآن سے دیتی تھی اور ایک آج کل کا شغف بھی ہے کہ جو اپنے کلام میں غالب اور داغ وغیرہ کے شعر پڑھے ۔ فلمی مکالے ادا کرے وہ ترقی پسند اور بڑا قابل اور جو قرآن پڑھے ۔ وہ رجعت پسند، ملا ٹائپ اور پرانے خیال کا ۔ میرے بھائیو! دینی معاملوں میں پرانے خیال کا ہونا ضروری ہے ۔ دنیوی باتوں میں آپ بیشک نئی نئی ایجادیں کریں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ مگر دین کے معاملہ میں کوئی نیا طریق اختیار نہیں کرنا چاہیئے، کوئی آپ کو پرانی لکیر کا فقر کہے ۔ یا پرانی رسموں اور قیود کا پابند کہے ۔

---

[1] اسی قسم کی دوسری کئی ایک حکایات پڑھنے کے لیئے سچی حکایات کا تیسرا حصہ منگوائیے قیمت چار روپے پچاس پیسے ۔
منگوانے کا پتہ: حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل ۳۸ اردو بازار لاہور

پرانی رسمیں اس کی پرواہ نہ کیجئے اور خوب یاد رکھیئے۔ کہ ہر پرانی رسم چھوڑ نہیں دینی چاہیئے۔ ہاں جو بری باتیں ہیں وہ چاہے پرانی ہوں یا نئی ضرور چھوڑ دینی چاہیں۔ مگر یہ بات غلط ہے کہ جو بات بھی پرانی رسم،، کی فہرست میں آجائے۔ وہ قابلِ ترک ہی ہے۔ اب یہی دیکھیئے کہ یہ پرانی ہی رسم و قید تو ہے کہ پاجامہ و شلوار نیچے پہنی جائے اور قمیض و کوٹ اوپر تو اس پرانی رسم پر آج تک ہر کوئی عامل ہے اور کسی نے بھی تو اس پرانی رسم کو ترک نہیں کیا اور کسی نے بھی یہ انقلاب نہیں دکھایا کہ شلوار یا پاجامہ اوپر پہن لے اور قمیض نیچے۔

تو میرے بھائیو۔ اپنے اپنے پرانے بزرگوں کی روش کو سامنے رکھو اور متقی و پرہیزگار بنو قرآن پاک کی تلاوت کیا کرو نمازیں پڑھا کرو۔ ذکرِ حق میں وقت گزارا کرو۔ جھوٹ۔ مکر۔ فریب۔ سمگلنگ، رشوت۔ غداری۔ عیاشی۔ اور جملہ غیر شرعی اور نئی نئی شرارتوں سے کنارہ کرو۔

نیک بنو۔ اور ایک بنو، غازی بنو۔ اور نمازی بنو، عابد بنو اور مجاہد بنو اور ہر وقت اللہ کی کتاب یعنی قرآن پاک کو اپنے پیشِ نظر رکھو اس لیئے کہ ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ





سترھواں خطاب ۱۷

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا عُثْمَانُ. وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلَاثٌ ۔ اَلْخِدْمَۃُ لِلضَّیْفِ وَالصَّوْمُ فِی الصَّیْفِ وَالضَّرْبُ بِالسَّیْفِ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ۔ اے عثمان! آپ نے سچ فرمایا ۔ اور مجھے بھی دُنیا کی تین چیزیں پسند ہیں: مہمان کی خدمت کرنا، گرمیوں میں روزہ رکھنا ۔ اور تلوار سے جہاد کرنا۔“

حضرات! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا بیان فرما چکے، تو اب حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ بولے اور فرمایا۔ تین چیزیں مجھے بھی بہت پسند ہیں اور وہ یہ ہیں۔ اَلْخِدْمَۃُ لِلضَّیْفِ مہمان کی خدمت کرنا وَالصَّوْمُ فِی الصَّیْفِ گرمی میں روزہ رکھنا۔ وَالضَّرْبُ بِالسَّیْفِ اور تلوار سے مارنا۔ یعنی کافر سے جہاد کرنا۔''

پہلی چیز

میرے بھائیو! حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی محبوب چیز مہمان کی خدمت کرنا'' بیان فرمائی ہے سبحان اللہ کیا ہی پاکیزہ جذبہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک سنیئے۔ حضور فرماتے ہیں۔

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ۔

یعنی جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اُسے مہمان کی عزت و خدمت کرنی چاہیئے۔'' (مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۰)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ، ہمہ گیر اور اخوت و محبت کی علمبردار تعلیم پاک نے سارے عالم میں محبت و پیار کی لہر دوڑا دی ہے یقین کیجیئے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پاک پر عمل کرنے سے کوئی عناد۔ جھگڑا۔ فساد باقی نہیں رہتا۔ یہی دیکھئے کہ مہمان کی تعظیم و تکریم کی تعلیم کس قدر اعلیٰ اور انسانیت کی جان تعلیم ہے۔ مہمان کوئی بھی ہو۔ اس کی عزت و خدمت کیجیئے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ یہی بیان فرما رہے ہیں۔ اور۔

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست،،

کے مطابق یہ سب جلوہ ہے اخلاق محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ وسلام کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک کافر مہمان

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک کافر مہمان کی حکایت لکھی ہے فرماتے ہیں ؎

کافراں مہمانِ پیغمبر شدند
وقتِ شام ایشاں بمسجد آمدند
بینوا ایم و رسیدہ ماز دُور
ہیں بے فشاں بر سرِ ما فضلِ نور

یعنی شام کے وقت کچھ مہمان جو کافر تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم بے یار و مددگار دور سے آپ کے پاس پہنچے ہیں ہم پر فضل، مہربانی فرمایئے۔ ؎

رُو بیاراں کرد آں سلطان زاد
دستگیرِ جملہ شاہان و عباد!

مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ اُن لوگوں کی یہ عرض سن کر سارے بادشاہوں اور غلاموں کے دستگیر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب فرمایا۔

دستگیرِ کُل

میرے بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے کیا ارشاد فرمایاہے؟ یہ سننے سے پہلے مولانا رومی کے اس ارشاد پر غور فرمایئے:-

دستگیرِ جملہ شاہان و عباد

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم جملہ بادشاہوں اور غلاموں کے دستگیر ہیں۔

کیوں صاحب! مولانا رومی نے یہ کیا کہہ دیا،، دستگیر تو مصیبت کے وقت کام آنے والے، گرتوں کو اٹھانے والے اور مددگار کو کہتے ہیں۔ تو گویا مولانا رومی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ بادشاہوں اور غلاموں کا مددگار فرمایا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے واقعہ ہے۔ اور ہر مسلمان کا اس پر ایمان ہے۔ اسی لیئے شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والے
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا

میرے بزرگو! اس بات کا کبھی وہم بھی کرنا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دستگیر کامل اور ہر کسی کا ناصر و مددگار سمجھنا جائز نہیں۔ یا شرک ہے۔ میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو تشریف ہی ساری کائنات کی دستگیری کے لیئے لائے ہیں شاہان و عباد، تو پھر بھی انسان ہیں۔ ہمارے حضور تو جانوروں تک کے لیے دستگیر و مددگار بن کر تشریف لائے ہیں۔

ایک فریادی اُونٹ کا قِصّہ

چنانچہ حدیث شریف میں ایک اونٹ کا قِصّہ مذکور ہے۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مقدس جماعت میں تشریف فرما سے تھے ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا۔ اور سیدھا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اے اونٹ اگر تم سچے ہو۔ تو تیرے سچ کا پھل تجھے ملے گا۔ اور پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"

جو ہماری پناہ میں آئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیئے امان رکھی ہے
اور جو ہمارے حضور فریاد لائے وہ کبھی نامراد نہ لوٹے گا"

میرے بھائیو! سُن لو حضور کیا فرما رہے ہیں۔ اور دیکھ لو کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے۔ چنانچہ امام منذری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الترغیب والترہیب کے صـ۲۵۴ پر یہ حدیث موجود ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ ہماری پناہ میں آنے والے کے لیئے امن ہے۔ اور ہم سے فریاد کرنے والا نامراد نہ رہے گا۔

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز ارشاد ہے باوجود اس کے یہ کہنا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نفع وضرر کے مالک نہیں۔ اور ان سے کچھ نہ مانگنا چاہیئے اور وہ کسی کی

کی مراد کیسے پوری کر سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ نادانی اور شانِ رسالت سے ناواقفی ہے یا نہیں؟ میرے بزرگو! بھائیو! اور عزیزو۔ اپنا ایمان رکھو کہ ہمارے حضور روتوں کو ہنسانے والے، اگرتوں کو اٹھانے والے، بیکسوں کے یار، محتاجوں کے غمگسار، غریبوں کے ملجا، یتیموں کے ماویٰ۔ اور فریادیوں کے مددگار و دستگیر ہیں۔ اور نہ صرف انسان کے لیئے ہی بلکہ حیوانات وکل کائنات کے لیئے فریاد رس ہیں۔ چنانچہ اس اونٹ کو جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ یہ اونٹ کیا عرض کر رہا ہے۔ حضور نے فرمایا اس کے مالکوں نے اسے حلال کر کے کھالینا چاہا تھا۔ اور یہ ڈر گیا۔ اور ذبح ہونے سے بچنے کے لیئے بھاگ آیا۔

فَاسْتَغَاثَ بِنَبِیِّکُمْ اور تمہارے نبی سے مدد چاہتے اور فریاد لے کر آیا ہے۔

اتنے میں اس کے مالک آگئے اونٹ نے جب انہیں دیکھا۔ تو پھر حضور کے سر انور کے پاس آگیا۔ اور حضور کی پناہ پکڑی اس کے مالکوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہمارا اونٹ تین دن سے بھاگا ہوا ہے۔ آج حضور کے پاس ملا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سنتے ہو۔ اس نے حضور سے نالش کی ہے۔ اور بہت ہی بُری نالش کی ہے۔ وہ بولے! یارسول اللہ! یہ کیا کہتا ہے فرمایا یہ کہتا ہے کہ برسوں تمہاری امان میں پلا۔ گرمی میں اس پر اسباب لاد کر سبزہ ملنے کی جگہ تک لے جاتے اور جاڑے میں گرم سیر مقام تک کوچ کرتے۔ جب وہ بڑا ہوا تو تم نے اُسے سانڈ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسکے نطفے سے تمہارے بہت اونٹ کر دیئے۔ جو چرتے پھرتے ہیں۔ اب جو شاداب برس آیا۔ تو تم نے اسے ذبح کر کے کھالینا چاہا وہ بولے۔ یارسول اللہ! خدا کی قسم۔ یونہی ہوا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک سلوک کا بدلہ اس کے مالکوں کی طرف سے یہ نہیں ہے۔ وہ بولے یارسول اللہ تو ہم نہ اُسے بیچیں گے، نہ ذبح کریں گے۔ فرمایا غلط کہتے ہو۔ اس نے تم سے فریاد کی۔ تو تم اس کی فریاد کو نہ پہنچے اور تم میں سے زیادہ اس کا مستحق اور لائق

ہوں۔ کہ فریادی پر رحم فرماؤں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وہ اونٹ سو روپے میں خرید لیا۔ اور اس سے ارشاد فرمایا۔ اے اونٹ! چلا جا۔ کہ تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔ یہ سن کر اس نے اپنی بولی میں کچھ آواز کی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی۔ اس نے دوبارہ آواز کی حضور نے پھر آمین کہی۔ اس نے سہ بارہ پھر آواز کی حضور نے پھر آمین کہی۔ اس نے چوتھی بار پھر آواز کی۔ اس پر حضور نے گریہ فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور! یہ کیا کہتا ہے۔ فرمایا۔ اس نے کہا ہے کہ اے نبی اللہ تعالیٰ حضور کو اسلام و قرآن کی طرف سے بہتر جزاء عطا فرمائے۔ میں نے کہا آمین!۔ پھر اس نے کہا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضور کی امت سے خوف دور کرے۔ جس طرح حضور نے میرا خوف دور کیا میں نے کہا۔ آمین! پھر اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ حضور کی امت کے خون اُن کے دشمنوں سے محفوظ رکھے۔ جیسا حضور نے میرا خون بچایا۔ میں نے کہا آمین۔ پھر اس نے کہا حضور کی امت کی سختی اُن کے آپس میں نہ رکھے اور وہ باہمی خونریزی سے باز رہیں اس پر میں نے گریہ فرمایا۔ کہ پہلی تو سب مرادیں میں اللہ سے مانگ چکا اور اللہ نے مجھے عطا فرمادیں۔ مگر یہ سب سے پچھلی منع فرمائی۔ (الترغیب والترہیب ص۴۲۵)

حضرات! یہ ایمان افروز اور باطل سوز حدیث خوب ذہن نشیں کر لیجئے اور خود ہی فیصلہ فرمالیجئے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کس شانِ دستگیری کے ساتھ تشریف لائے۔ ہیں اور اس بات کو جانور بھی جانتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل۔ اور پناہ کل بن کر تشریف لائے ہیں۔ اور جس کا کوئی حامی و یاور اور مددگار نہ ہو اس کے حضور ہیں۔ پھر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یوں درفشانی کرے۔ کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی کا مالک و مختار نہیں تو اس سے کیوں نہ کہا جائے۔ کہ ؎

چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است۔

؎ یعنی کفار کبھی ان کا استیصال نہ کرسکیں۔ کہ مسلمانوں کی قوم ہی مٹ جائے۔

بقیہ قصہ مہمان ہاں تو میں مثنوی شریف کا ایک قصہ بیان کر رہا تھا۔ کہ ایک روز حضور کے پاس مسجد میں چند کافر مہمان آ گئے اور حضور نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ ؎

ہر یکے یارے یکے مہماں گزید
درمیاں بُد یک شکم رفتِ عنید

ہر شخص ان مہمانوں میں سے ایک ایک مہمان اپنے گھر لے جائے اور اس کی خدمت کرے۔ چنانچہ صحابہ کرام میں سے ایک صحابی ایک ایک مہمان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ان کافر مہمانوں میں ایک بہت بڑا پیٹو بھی تھا جس کا بڑا پیٹ دیکھ کر کوئی بھی اُسے ساتھ لے کر نہ گیا ؎

جسم ضخمی داشت کس اُو را نبرد
ماند در مسجد چو اندر جام دُرد

چونکہ وہ بہت بڑا جسم و موٹا تھا۔ اس لیئے یوں اکیلا رہ گیا جیسے جام میں میل بالکل باقی رہ جاتی ہے۔"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اُسے دیکھا تو دریافت کیا کہ تجھے کوئی ساتھ نہیں لے گیا۔؟ تو وہ بولا۔ کہ نہیں! میرے پیٹ اور جسم کو دیکھ کر سب ڈر گئے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ تو کوئی بات نہیں جس کا کوئی نہیں اس کا میں جو ہوں۔ چلو تم میرے مہمان ہو۔ ل چنانچہ اُسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دولتکدہ پر لے آئے۔

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے بہت کچھ رکھا روٹیاں اور بکری کا دودھ وغیرہ کئی نعمتیں رکھیں اور اس سے فرمایا کہ کھاؤ۔ اس نے کھانا شروع کیا اور جو کچھ بھی سامنے آیا سب کچھ کھا گیا۔ حتیٰ کہ اہلِ بیت کے حصے کا کھانا بھی کھا گیا۔ اس کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے سونے کے لیئے ایک حجرہ کا انتظام فرمایا۔ اور اُسے اس میں لٹا دیا مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اہل بیت کی ایک لونڈی نے اس کافر کی بلانوشی دیکھ کر غصے میں اس کے حجرے کا

دروازہ بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی آدھی رات کا وقت ہوا۔ تو اس کافر کے پیٹ میں درد اٹھی اور اُسے حاجت ہوئی۔ وہ باہر نکلنے کے لیئے اٹھا۔ تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ بڑی کوشش کی۔ مگر دروازہ نہ کھلا۔ تقاضائے۔ حاجت کا زور، اور دروازہ بند ہے۔ بڑی کوشش کی اس لیے بڑی مصیبت آپڑی تھک ہار کر اسی شش و پنج میں پھر بستر پر آلیٹا۔ اور اتفاقاً اس کی آنکھ لگ گئی۔ آنکھ لگی تو خواب میں دیکھا کہ ایک ویرانہ جنگل ہے۔ جنگل کو دیکھا تو ؎

خویش در ویرانہ خالی چو دید

او چناں محتاج ہم دردم برید

اپنے آپ کو ویرانے میں دیکھ کر وہاں پاخانہ پھر ڈالا۔ اب جو جاگا تو ؎

گشت بیدار و بدید آں جامہ خواب

پر حدث دیوانہ شد از اضطراب

جب جاگا تو اس نے دیکھا کہ اس کے کپڑے اور بستر سب گندے ہو چکے ہیں۔ تو یہ صورتِ حال دیکھ کر وہ بڑا گھبرایا اور صبح کی انتظار کرنے لگا ؎

منتظر کہ کے شود ایں شب بسر

تا درآید از کشادن بانگ در!

اور اس انتظار میں رہا۔ کہ کب یہ رات بسر ہو۔ اور دروازہ کھلنے کی آواز آئے اور ؎

تا گریزد او چو تیرے از کماں!

تا نہ بیند ہیچ کس اُو را چناں!

یہ وہاں سے بھاگے۔ تاکہ اس کو اس حالت میں کوئی نہ دیکھ سکے۔ ؎

مصطفیٰ صبح آمد و در را کشاد

صبح آں گمراہ را او راہ داد!

در کشادہ وگشت پنہاں مصطفٰے
تا نگردد شرمسار آں مبتلا

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ صبح حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے دروازہ کھولا۔ اور خود دروازے کی اوٹ میں ہو کر حضور چھپ گئے۔ تاکہ وہ حضور کو دیکھ کر شرمندہ نہ ہو۔ اور خاموشی سے نکل جائے چنانچہ دروازہ کھلتے ہی وہ کافر نکلا اور حضور کو اس نے بالکل نہ دیکھا۔ کافر مہمان یہ موقعہ غنیمت جان کر وہاں سے بھاگا۔ اور مطمئن ہو گیا۔ کہ میں نکل آیا ہوں۔

ادھر ایک شخص اس کا بستر غلاظت سے بھرا ہوا دیکھ کر حضور سے کہنے لگا۔ ؎

کایں چنیں کرد ست مہمانت ببیں
خندہ زد رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْن

حضور دیکھئے! آپ کے مہمان نے یہ کیا حرکت کی! ۔ حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔ اور فرمایا۔ ؎

کہ بیاد ر مطہرہ ایں جا بہ پیش!
تا بشویم جملہ را با دست خویش!

لاؤ اس بستر کو غسل خانے میں میرے سامنے لاؤ تاکہ اسے میں خود اپنے ہاتھوں سے دھوؤں"

سبحان اللہ! کیا شانِ اخلاق ہے۔ اللہ اکبر! کہاں وہ ذاتِ مقدس کہ جن کے پائے انور کی گردِ انور سرمہ چشمانِ اولیاء، اور ایک کافر کے ناپاک بستر کو اپنے دستِ انور سے دھونے پر آمادگی۔ لیکن میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر ادائے مبارک میں صدہا حکمتیں اور راز ہیں۔ چنانچہ غلاموں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ بات کیسے ہو سکتی ہے! کہ آپ خود اپنے طاہر و مطہر ہاتھوں سے اس کا ناپاک بستر دھوئیں۔ تو ؎

گفت میدانم ولیک ایں ساعتے است
کاندرین شستن بخویشم حکمے است

حضور نے فرمایا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ مگر یہ وقت ایسا ہے۔ کہ اس وقت اس میرے دھونے میں کوئی حکمت ہے اسے میں جانتا ہوں۔ تم نہیں جانتے۔

منتظر بودند کایں قولِ نبی است
تاپدید آید کہ ایں اسرار چیست!

صحابہ کرام انتظار کرنے لگے۔ کہ دیکھیں اس میں کیا راز ہے اور پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ یہ نبی کا فرمان ہے۔ اس میں یقیناً کوئی حکمت ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ادہر تو یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اُدہر وہ کافر مہمان جب دور نکل گیا تو اُسے یاد آگیا کہ اس کا ایک ہیکل و نقش و نگار تھا۔ جو وہ اس حجرے ہی میں بھول آیا۔ ہے یہ معلوم کر کے بڑا گھبرایا۔ کہ وہ نقش میرے لیے ضروری ہے اور اب اگر اس نقش کو لانے کے لیئے وہ واپس گیا تو پھر وہی شرمندگی و ندامت لاحق ہو گی۔ بس سے ڈر گیا اور بھاگ آیا ہوں۔ ناچار وہ اپنا نقش لانے کے لیئے واپس لوٹا ؎

از پئے ہیکل شتاب اندر رو دید
در وثاقِ مصطفٰے واں حال دید

کاں یداللہ آں حدث را ہم بخود
خوش ہمی شوید کہ دورش چشم بد

واپس آیا۔ تو اس نے یہ عجب نظارہ دیکھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک ہاتھ سے جس کی شان ،، یداللہ ،، ہے اس کی ناپاکی کو خوشی خوشی دھو رہے ہیں۔ یہ عجیب منظر دیکھ کر ؎

ہیکل از یاد رفت وشد پدید
اندرو شورے گریباں را درید

نقش تو اسے بھول گیا اور یہ منظر دیکھ کر اس نے اپنا گریبان پھاڑا اور اپنا سر

درو دیوار سے پھوڑنے لگا۔ اور نعرہ مارنے لگا۔ اور عجیب دیوانوں کی سی حالت اس کی ہوگئی اور پھر سجدے میں گر گیا۔ اور رو رو کر کہنے لگا۔ اے خدا میں بڑا شرمسار ہوں۔ ؎

چوں احد بیروں بلرزید و طپید
مصطفیٰ اش در کنارِ خود کشید!

جب حد سے زیادہ وہ لرزنے اور تڑپنے لگا۔ تو حضور رحمت عالم نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور تسکین و رحمت کا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا۔ اور بے ساختہ پکار اٹھا۔

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

صحابہ نے عرض کیا۔ اب ہم نے سمجھا۔ کہ یہ آپ اس کا بستر نہیں اس کا ناپاک دل دھو رہے تھے۔ ؎

گشت مومن گفت او را مصطفیٰ
کامشب دیگر تو شو مہمان را!

جب وہ ایمان لے آیا۔ تو حضور نے فرمایا۔ کہ آج ایک اور رات تم میرے مہمان رہو۔ تو وہ بولا ؎

گفت و اللہ تا ابد ضیفِ توام
ہر کجا باشم بہر جا کہ روم!

یارسول اللہ اب تو میں ہمیشہ کے لیے آپ ہی کا مہمان بن گیا ہوں۔ حضور میں جہاں بھی جاؤں، جہاں بھی رہوں آپ ہی کا مہمان ہوں۔

سبحان اللہ! اس نو مسلم (رضی اللہ عنہ) نے کیا ایمان افروز ارشاد فرمایا ہے کہ حضور میں ہر جگہ آپ ہی کا مہمان رہوں گا۔ اعلیٰ حضرت نے بھی یہی بات لکھی ہے کہ ؎

آسمان خوان، زمین خوان، زمانہ مہمان
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

ہاں تو اس رات پھر وہ حضور کا مہمان رہا۔ تو مولانا فرماتے ہیں۔ اس رات اس نے کھانا بہت تھوڑا کھایا۔ حضور نے فرمایا اور کھاؤ۔ تو عرض کی۔ حضور! میں آج بہت جلد سیر ہو گیا ہوں اور تکلف نہیں کر رہا۔ واقعی سیر شکم ہو گیا ہوں۔ ؎

در عجب ماندند جملہ اہل بیت!!
پُر شد ایں قندیل زاں یک قطرہ زیت

اہل بیت بھی حیران رہ گئے۔ کہ آج یہ قندیل تیل کے ایک ہی قطرہ سے پر ہو گئی مگر بات یہ تھی۔ کہ ؎

میوۂ جنت سوئے جسمش شتافت
معدۂ چوں دوزخش آرام یافت

اس کے جسم میں جنت کے میوے پہنچ گئے اور اس کے معدے کا دوزخ جو ایک دن پہلے بھڑک رہا تھا۔ کلمہ طیبہ کے پانی سے بجھ چکا تھا۔
سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز اور سبق آموز واقعہ ہے۔

بسیار خوری

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اس قصہ کو حدیث کی شرح میں بیان فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
اَلْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ فِي مَعَاءٍ وَاحِدٍ۔
یعنی کافر سات آنتوں میں کھانا کھاتا ہے۔ اور مومن ایک آنت میں
مطلب یہ کہ کافر زیادہ کھاتا ہے اور مومن کم۔ اس ارشاد کی شرح میں مولانا نے اوپر کا قصہ لکھا ہے۔ تو میرے بھائیو! ہمیں بھی کم کھانے کی عادت ڈالنا چاہئے اور یورپ کی تقلید میں ہر وقت کھانے پینے میں نہ ہی لگے رہنا چاہئے۔ دیکھئے یورپین تہذیب میں کھانے پینے کے کئی ٹائم ہیں۔ یہ ٹائم ٹی ٹائم ہے یہ پنچ ٹائم ہے۔ یہ ڈنر ٹائم ہے۔ اور یہ فروٹ ٹائم ہے۔ میں اپنے ان بھائیوں سے

جو اس قسم کے ٹائموں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ مگر خدا کی یاد سے غافل ہیں۔ یہ پوچھتا ہوں کہ ٹی ٹائم۔ ڈنر ٹائم، لنچ ٹائم۔ اور فروٹ ٹائم بھی ہے یہ تو آپ نے ٹھہرا لیئے۔ کیوں صاحب! کوئی نماز ٹائم بھی ہے یا نہیں؟۔ مگر کہاں!۔

اسی لیئے میں نے لکھا ہے۔

نمازِ عصر کی فرصت نہیں ہے
کہ ہیں مصروف وہ ٹی پارٹی میں

لطیفہ آج کل یہ درد ٹی پارٹی،، کچھ ایسی معروف ہے، کہ اس پر ایک لطیفہ بھی مشہور ہے۔ ایک استاد نے اپنے شاگرد سے پوچھا۔ بتاؤ تمہارے والد کس پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں؟ تو شاگرد بولا۔ جناب! ٹی پارٹی سے۔

میرے بھائیو! بزرگوں نے لکھا ہے۔ کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ قلتِ کلام، قلتِ منام، اور قلتِ طعام اختیار کرے یعنی کم بولے، کم سوئے اور کم کھائے۔ آپ ان باتوں کو اختیار کر کے دیکھے۔ کہ کتنے عظیم فوائد اس سے حاصل ہوتے ہیں،،

ہاں تو اس قصہ کو مولانا رومی نے بسیار خوری کے سلسلہ میں بیان کیا ہے اور میں نے اسے مہمان نوازی کے سلسلہ میں سنایا ہے۔ یہ تھی ہمارے حضور کی سیرتِ مطہرہ۔ اور اسی لیئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی محبوب چیز یہ بیان فرمائی۔ کہ مہمان کی خدمت کرنا،،

دوسری چیز حضرات! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری پسندیدہ چیز جو بیان فرمائی۔ وہ اَلصَّوْمُ فِی الصَّیْفِ ہے۔ یعنی،، گرمی میں روزہ رکھنا،، سبحان اللہ! کیا ہی مبارک ارشاد ہے۔ مطلب یہ کہ سردیوں میں روزہ رکھنا سہل اور آسان ہے۔ گرمیوں میں روزہ رکھنا، یہ مشقت کا کام ہے اور گرمیوں کا روزہ ہی ایسا ہے جس سے نفس کو کچھ پتہ چلتا ہے۔ میرے بھائیو! ذرا سوچو تو سہی۔ کہ ایک وہ پاک لوگ تھے جو گرمیوں میں روزہ رکھنے کو محبوب

سمجھتے تھے۔ اور ایک آج کل غافل مسلمان بھی ہیں۔ جو سردیوں میں بھی روزے نہیں رکھتے ہم نے دیکھا ہے۔ کہ رمضان شریف کے مہینے میں اس قسم کے ناعاقبت اندیش مسلمان ہوٹلوں پر جگیں لگا کر دن بھر کھاتے پیتے رہتے ہیں اور کوئی پروا نہیں کرتے کہ بلا عذر شرعی روزہ توڑنے کی کیا سزا ہے۔ اور کتنا بڑا گناہ ہے۔

میرے بھائیو! ذرا اپنے بزرگوں کی تاریخ تو پڑھو۔ ہمارے اسلاف نے روزے رکھ کر تپتے ہوئے میدانوں میں کفار سے جہاد کیا۔ میدان بدر کا نقشہ یاد کیجیے۔ ایک طرف کفار کا لشکر اور دوسری طرف غلامانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ کافروں کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ ہے اور مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) کافروں کے پاس کھانے پینے کا سب سامان موجود ہے۔ اور مسلمان روزے سے ہیں۔ کیونکہ وہ مہینہ ہی رمضان شریف کا تھا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی ایک عظیم جنگ لڑنے کے لیے میدان جہاد میں آئے ہیں اور روزہ رکھ آئے ہیں۔

میرے بھائیو! یہ سب برکتیں اور عظمتیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تھیں جنہوں نے صحابہ کرام میں یہ جذبات عالیہ پیدا فرما دیے تھے۔ دنیا میں بڑے بڑے جرنیل گزرے ہیں مگر سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان ساری مخلوق سے بلند و بالا ہیں۔ کوئی جرنیل اپنی فوج کو مکھن توش کھلا کر لڑاتا ہے۔ کوئی اپنی فوج کو چائے اور بسکٹ کھلا کر اور کوئی شراب پلا کر اور کوئی اور چیزیں کھلا کر لڑاتا ہے مگر ہے کوئی ایسا جرنیل جس نے اپنی فوج کو روزہ رکھوا کر دشمن سے لڑایا ہو

میرے بھائیو! یہ خصوصیت صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی میں پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی فوج کا تگنی فوج کے ساتھ مقابلہ کرایا اور روزہ رکھوا کر اور پھر فتح و نصرت سے بھی ہمکنار کرایا۔ کیوں نہ ہوتا۔ اور یہ مقدس فوج کیوں نہ کامیاب ہوتی۔ جبکہ ان کی قیادت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

اور یہ مقدس فوج کیوں کامیاب نہ ہوتی ۔ جبکہ ان کے ہاتھوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھا۔ اور ان کا بھروسہ بھی حضور کی ذات والاصفات پر تھا۔

نہ تیغ و تیر پہ تکیہ، نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسہ تھا تو اک سادی سی کالی کملی والے پر

ہاں تو وہ پاک لوگ گرمیوں میں بھی اور میدانِ جہاد میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے تھے ۔ مگر آج کس قدر افسوس کا مقام ہے ۔ کہ گھر میں رہ کر بھی ، اور پنکھوں کے نیچے اور نرم و گداز بستروں پر بھی بیٹھ کر روزہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس نفس کی چند روزہ راحت کی خاطر عاقبت برباد کی جاتی ہے

عذرِ لنگ

میرے بھائیو! پھر ایسے لوگ جو بلاوجہ روزہ چھوڑ دیتے ہیں ان کے بہانے سنئے۔ تو ایسے ہونگے جو بالکل غیر معقول اور فضول ہوتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ صاحب کیا بتاؤں ۔ زکام ہو رہا ہے اس لیئے روزہ نہ رکھ سکا ۔" حالانکہ زکام کا تو علاج ہی یہ روزہ ہے ۔ بندۂ نفس کو بہانا بنانا بھی نہ آیا ۔"

اجی ،، ہم غازی ہیں ۔ اور میدانِ جنگ میں روزہ رکھنا مشکل ہے ۔ استغفر اللہ گویا میدان جہاد میں جانے سے نماز ، روزہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ اگر یہی بات تھی ۔ تو مجاہدینِ بدر رضی اللہ عنہم میدانِ بدر میں روزہ رکھ کر کیوں گئے تھے اور وہ پاک لوگ عین لڑائی کے وقت بھی نماز کا وقت آجانے پر سر بسجود کیوں ہو جایا کرتے تھے ، جیسا کہ اقبال نے لکھا ہے ۔ کہ ؎

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز !
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

میرے بھائیو! خوب یاد رکھو! کہ یہ جہاد ۔ یہی نماز روزہ اور شعائر

اسلامی کی حفاظت کے لیے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (پ ۱۷، ع ۱۳)

وہ لوگ (مجاہد) کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں تو نماز برپا کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

دیکھ لیجیے۔ خدا تعالیٰ صاف ارشاد فرما رہا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی شان یہ ہے۔ کہ اگر ہم ان کی مدد فرما کر انہیں فتح نصرت عطا فرمادیں تو وہ نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور برائی سے روکتے رہیں گویا جہاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی ہوتی رہے نہ کہ یہ جہاد کرنے سے ان فرائض ہی سے سبکدوش ہو جاتی ہے۔ اور جو غازی ہو وہ نہ روزہ دار رہتا ہے۔ اور نہ نمازی۔ بھائیو! یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس لیے ہم سب پر لازم ہے۔ کہ ہم سب لازم غازی بنیں اور نمازی بھی۔ مجاہد بنیں اور عابد بھی۔ ایک بھی ہو جائیں۔ اور نیک بھی۔ ے

غازی و عابد بنو، اور نیک بھی
نیک بھی ہو جاؤ سارے ایک بھی

تیسری چیز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تیسری پسندیدہ چیز یہ بیان فرمائی۔ کہ اَلضَّرْبُ بِالسَّیْفِ تلوار مارنا، یعنی تلوار کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں جہاد کرنا۔

میرے بھائیو! یہ جذبۂ صادقہ بھی ایک ایسا جذبہ ہے کہ اس کی بدولت دنیا ومافیہا کی کامیابی ملتی ہیں محض اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر تلوار اٹھانا اور اللہ کے لیے مارنا اور مرنا، یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ بجز غلامانِ مصطفٰے کے اس کا کمال کسی اور امت میں نظر نہیں آتا۔ یہ مبارک جذبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں میں کچھ اس طرح پیدا فرما دیا تھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان خدا کے لیے

سب کچھ چھوڑ کر میدانِ جہاد میں نکل آیا کرتے تھے اور اللہ کے لیئے مارتے تھے اور شہید ہوتے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۰ (پ ۱۱، ع ۱۳)

اللہ کی راہ میں لڑیں۔ تو ماریں اور مریں۔

یعنی یہ مجاہدین کرام یہ شان رکھتے ہیں۔ کہ اللہ کے لیئے اللہ کی راہ میں نکلیں ہیں تو مارتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں اور وہ اپنی جان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور خدا کی راہ میں اُسے قربان کر دینے پر کچھ دریغ نہیں کرتے اور خوب جانتے ہیں کہ۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

میرے بھائیو! صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اسی جذبۂ عالیہ نے انہیں دنیا بھر پر غالب کر دیا تھا۔ اور کوئی طاغوتی طاقت ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

یہی جذبہ تھا ان مردانِ غیرت مند پر طاری
دکھائی جن کے ہاتھوں حق نے باطل کو نگونساری

بھوک و ہڑتال

میرے بزرگو! آپ نے خدا کا ارشاد سنا کہ۔ یَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ماریں اور مریں "یعنی مسلمان کو اس جذبے کے ساتھ میدان میں نکلنا چاہیئے کہ میں اللہ کے لیئے اس کی راہ میں اہلِ باطل کو ماروں گا بھی اور مروں گا بھی۔ صرف مرنے ہی کے خیال سے نکلنا یہ اسلامی جذبہ نہیں۔ جیسے کہ آج کل بھوک ہڑتال وغیرہ قسم کی خلافِ شرع حرکتیں دیکھنے میں آنے لگی ہیں۔ کہ فلاں صاحب گھر سے مرنے کے لیئے نکلے ہیں۔ جب تک ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے گا وہ کچھ کھائیں پیئں گے نہیں اور مر جائیں گے۔ یا یہ کہ ظالم کے مقابلہ میں ہم لیٹ جائیں گے کہ وہ اپنی بھڑاس نکال لے۔ جیسے بعض لوگ "اہنسا" کہتے ہیں۔

بھائیو! یہ بات تو خودکشی کے مترادف ہیں۔ یہ کیا کہ لمبے پڑ پڑ جاؤ مرے بھبھن یہ مسلمان کی تو یہ شان ہے۔ کہ باطل کو مارے۔ اور اس کوشش میں

وقت آئے تو مر بھی جاؤں گا۔ یہ بھوک ہڑتال وغیرہ تو شاید خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک دینوی گرفت بھی ہے کہ تم نے رمضان شریف کے روزے نہیں رکھتے۔ تو اس کی سزا کل کو جو ہوگی وہ ہوگی ہی۔ لو اس دنیا میں بھی ،، بھوک ہڑتال ،، کے شکنجے میں پھنسو عزیزو! اس قسم کی کسی حرکت کو بھی مت اپناؤ۔ جس طرح کسی دوسرے کو ناجائز تنگ کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اپنے آپ کو بھی اس قسم کا تنگ کرنا جائز نہیں۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ جذبہ جہاد، ایک ایسا جذبہ مبارک ہے۔ کہ اس کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کرنا چاہیئے اور مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیئے۔ ؎

مقامی بن کے آیا تو نہ راہی بن کے آیا ہے!
یہ دنیا بزمگاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

میرے بھائیو! ہم مجاہد ہیں، غازی ہیں۔ اور رسولے اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہیں دین و دنیا میں کامیابی حاصل ہے۔ آؤ! حضرت مولانا علی رضی اللہ عنہ کی تیسری محبوب چیز کو اپناؤ۔ اور اللہ کے لیئے جہاد کرنے کا جذبہ پیدا کرو۔ اور میدان میں سے نکلو کر ؎

نکلو یوں کہ میدان میں ہاتھوں میں تو شمشیر ہو
اور زبانوں پر تمہاری نعرۂ تکبیر ہو

اور یہ بھی جان لو۔ کہ میدانِ جہاد میں جاؤ گے۔ تو اگر مار کر آئے تو غازی بنو گے اور اگر مر بھی گئے۔ تو شہید کہلاؤ گے گویا مزے ہی مزے ہیں۔ بچ گئے تو غازی مر گئے تو شہید۔ نہ ملا تو روزہ مل گیا تو عید، مسلمان کے لیئے فائدہ ہی فائدہ ہے

لہٰذا میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو!۔ ان رسموں، فیشنوں اور عیاشیوں کو چھوڑو۔ اور مجاہد بن کر میدان میں آجاؤ۔ دنیا کے کفر برسرِ پیکار ہے اور مسلمانوں کو ہٹا دینے کے ناپاک ارادوں میں ہے۔ لہٰذا ہمارا اور بالخصوص ہم پاکستانیوں کا یہ فرض ہے کہ ہم اپنے اللہ، اپنے رسول اور اپنی قوم اور اپنے ملک کے لیئے جذبہ

جہاد پیدا کریں۔ اور مجاہدین کر میدان میں نکل آئیں گے۔ اور کسی جھگڑے۔ کسی فساد اور کسی لڑائی میں پہل نہ کریں۔ ہاں دشمن اگر شرارت پر آمادہ ہو تو پھر فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ۔ کے مطابق پیٹھ بھی نہ دیں اور یہ کہتے ہوئے کفر کے مقابل ڈٹ جائیں کہ مسلمان کو یہی پڑھایا گیا ہے۔ کہ

کسی کو مت چھیڑو۔ اور اگر کوئی چھیڑے
تو مت چھوڑو!"

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ





اٹھارھواں خطاب ۱۸

جبریل امین علیہ السلام کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَبَیْنَا هُمْ کَذٰلِکَ اِذْ جَآءَ جِبْرِیْلُ وَ قَالَ اَرْسَلَنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَمَّا سَمِعَ مَقَالَتَکُمْ وَ اَمَرَکَ اَنْ تَسْئَلَنِیْ عَمَّا اُحِبُّ اِنْ کُنْتُ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا فَقَالَ مَا تُحِبُّ اِنْ کُنْتَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا فَقَالَ اِرْشَادُ الضَّآلِّیْنَ ۔ وَ مُوَانَسَۃُ الْغُرَبَآءِ الْقَانِتِیْنَ وَمُعَاوَنَۃُ

〰

اتنے میں جبریل امین بھی آ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا۔ یارسول اللہ! آپ کی یہ گفتگو سن کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ آپ مجھ سے یہ دریافت فرمائیں کہ اگر جبریل اہل دنیا میں ہوتا۔ تو مجھ کو کون سی تین چیزیں پسند ہوتیں؟ ۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا تم بھی بتاؤ۔ کہ اگر تم اہل دنیا سے ہوتے۔ تو تمہیں کون سی تین چیزیں پسند ہوتیں۔ جبریل نے کہا۔ گمراہوں کو راستہ بتانا۔ اور اللہ کی عبادت کرنے والے غریبوں سے محبت کرنا اور تنگ دست عیال داروں کی مدد کرنا،،

حضرات جب چاروں یارانِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اپنی پسندیدہ تین چیزوں کا ذکر کر لیا۔ تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ اسی وقت جبریل امین علیہ السلام بھی آ گئے۔ اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں آپ مجھ دریافت کریں کہ مجھے کون سی تین چیزیں پسند ہیں۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ تو جبریل امین نے عرض کیا۔

یارسول اللہ! مجھے یہ تین چیزیں پسند ہیں ۔ اِرْشَادُ الضَّآلِّيْنَ گمراہوں کو راہ بتانا
مُوَانَسَةُ الْغُرَبَآءِ الْقَانِتِيْنَ ۔ عبادت گزار غریبوں سے محبت کرنا اور
مُعَاوَنَةُ اَهْلِ الْعِيَالِ الْمُعْسِرِيْنَ ۔ تنگ دست عیال داروں کی مدد کرنا۔

پہلی چیز

میرے بزرگو! جبریل امین نے پہلی اپنی محبوب چیز گمراہوں کو راہ بتانا بتائی ہے۔ اور واقعی یہ بھی ایک بڑی ہی مبارک اور ضروری ہے۔

راستہ بھولے ہوئے انسان کو راستہ بتانا ایک بہت ہی بڑی چیز ہے مثلاً ایک شخص ایک ایسی راہ پر گامزن ہے۔ جو راہ ایک بھیانک جنگل کو جا رہی ہے اور وہ راہی اگر اُس راہ پر چلتا رہے۔ تو یقیناً اس جنگل میں پہنچ کر کسی درندہ کا لقمہ بن جائے گا۔ تو آپ

کا فرض ہے۔ کہ اُس بھٹکے ہوئے راہی کو آپ اس خطرہ سے آگاہ کریں۔ تاکہ وہ بچ جائے یا کوئی شخص ایک ایسے راستے پر چل رہا ہے کہ جو منزلِ مقصود کو نہیں پہنچتا۔ تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اُسے صاف صاف بتادیں۔ کہ بھائی۔! یہ راستہ تمہیں اپنی منزل پر تک ہرگز نہ پہنچائے گا۔ تاکہ وہ بیچارہ خراب نہ ہو۔ یہاں یہ کہنا کہ اگر کوئی غلط راستے پر جا رہا ہے تو جائے۔ ہمیں کیا۔ ہمیں اپنی راہ سے غرض ـــــ تو بھائیو یہ کہنا کوئی اسلامی جذبہ نہیں۔ اس لیئے کہ دوسروں کو بچانا بھی ایک انسانی اور اسلامی جذبہ ہے جو ہر مسلمان میں پایا جانا ضروری ہے۔

راہِ ہدایت

میرے بزرگو! اور عزیزو! ایک تو یہ دنیاوی راستے ہیں اور ایک آخری راستہ بھی ہے جسے قرآن پاک نے صراطِ مستقیم“ کے لفظوں سے بیان فرمایا ہے۔ یہی وہ سیدھا اور منزلِ مقصود تک پہنچا دینے والا راستہ ہے جس پر چلانے کے لیئے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے اور اس راستے کے سوا اور جتنے راستے ہیں سب غلط راستے ہیں۔ اور اس صراطِ مستقیم کے سوا جو شخص کسی اور راستے پر گامزن ہے وہ گمراہ ہے اور اُسے راہِ راست پر لانا ایک اہم فریضہ ہے اور اللہ کے سوا سب سے آخری پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی راستے پر چلانے کے لیے اعلان فرمایا تھا کہ۔

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ (پ۱۳ ع ۶)

یہ میری راہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں

یعنی یہی وہ راستہ ہے جو اللہ تک پہنچا دینے والا اس میرے راستے کے سوا دوسرے سارے راستے منزلِ مقصود تک پہنچانے والے ہرگز نہیں ہیں۔ جس نے خدا تک پہنچنا ہے وہ میرے پیچھے پیچھے چلا آئے۔ ورنہ وہ منزل تک کبھی نہ پہنچ سکے گا۔؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید!!
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید!

میرے بھائیو! یہی وہ راستہ ہے۔ جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین

چلے۔ تابعین چلے۔ تبع تابعین چلے اور اولیاء کرام چلے۔ اور منزل تک پہنچ گئے بس خوب سمجھ لو کہ اسی راستے پر چل کر ہم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں اور اس راستے کے علاوہ جو کوئی اور راستہ تجویز کیا جائے گا۔ وہ سراسر گمراہی کا باعث ہی ہوگا۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ

حضرات! قرآن پاک میں سورۃ فاتحہ کی یہ آیات تقریباً ہر ایک کو یاد ہیں:۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۝

جس کا یہ معنی ہے کہ۔ "الٰہی ہمیں سیدھے راستے پر چلائیو۔ اُن لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا"۔

دیکھئے۔ قرآن پاک نے سیدھے راستے کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ جس راستے پر اللہ کے نیک اور انعام یافتہ بندے گزرے ہیں وہ سیدھا راستہ ہے۔ قابل غور یہ بات ہے کہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے یوں دعاء مانگو کہ الٰہی! ہمیں سیدھے راستے پر چلاؤ۔ اُس راستے پر جو قرآن کی راہ ہے یا جو حدیث کی راہ پر ہے"۔ آپ جانتے ہیں کہ خدا نے یوں کیوں نہیں فرمایا؟۔ آیئے! میں آپ کو اس کی حکمت بتاؤں۔

بھائیو! قرآن کے نام سے بار لوگوں نے کئی اور غلط راستے بھی بنا رکھے ہیں اور حدیث کے نام سے بھی کئی اور راستے نکال رکھے ہیں۔ تو ہم اگر یوں دعاء مانگتے۔ کہ الٰہی! ہمیں قرآن وحدیث کے راستے پر چلائیو! تو وہ غلط راستے بھی جو بعض افراد نے قرآن وحدیث کے نام سے نکال رکھے ہیں۔ اس دعاء میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا۔ کہ ہم دعاء یوں مانگیں کہ۔ "الٰہی ہمیں اس راہ پر چلائیو۔ جس راہ پر تیرے نیک بندے اور انعام یافتہ بندے چلے ہیں۔ گویا قرآن وحدیث کا اصل اور صحیح راستہ وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے گزرے ہیں۔ اور جس راہ پر اللہ کے نیک بندے گزرتے نظر نہ آئیں۔ تو وہ برائے نام ہی قرآن وحدیث کا راستہ ہوگا۔ اور صراط مستقیم ہرگز نہ ہوگا"۔

شاہراہِ اعظم

میرے بھائیو! اب آؤ دیکھو کہ وہ کون سا راستہ ہے جس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر آج تک کے جملہ اولیاء وصلحاء غوث واقطاب اور دیگر اللہ کے نیک بندے گزرے ہیں؟ میرے بھائیو! اللہ کے فضل وکرم سے وہ شاہراہِ اعظم مسلکِ اہل سنت وجماعت ہی ہے۔ آپ غور کرلیں اور تحقیق کرلیں۔ جس قدر ولی، غوث قطب اور شہید گزرے ہیں۔ سب اسی مسلک کے پیروکار تھے اور سب انبوہ در انبوہ اسی شاہراہ پر چلتے ہوئے نظر آرہے ہیں یہ دیکھئے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی جماعتِ مقدس ہے، جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے مطابق اسی شاہراہ پر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہی ہے۔ یہ گروہ اولیاء کرام کا ہے جو اسی شاہراہ پر چل رہا ہے۔ یہ انبوہِ کثیر غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے جو اسی طرح جرنیلی سڑک پر گامزن ہے۔ یہ گروہ خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ کا ہے جو اسی شاہراہ پر چل رہا ہے۔ یہ ہجوم حضرات چشتیہ علیہم الرحمۃ کا ہے جو اسی مقدس راستے گزر رہا ہے یہ حضرات سہروردیہ علیہم الرحمۃ ہیں جو اسی راہ پر گامزن ہیں۔ یہ شہداء کا گروہ یہ صلحاء کا گروہ، یہ ائمہ دین کا گروہ اور یہ محدثین کی جماعت، الغرض یہ سوادِ اعظم اسی شاہراہِ اعظم پر گامزن ہے اور یہی وہ بارونق راستہ ہے۔ کہ جس کے لیئے خدا کا ارشاد ہے۔ کہ مجھ سے یوں دعاء مانگو۔ کہ الٰہی ہمیں اس راستہ پر چلائیو۔ جس راستہ پر یہ تیرے نیک بندے گزرے ہیں۔“

میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ حوادث وخطرات کے ماحول میں جب تک کوئی بارونق راستہ اختیار نہ کیا جائے۔ ہر وقت خطرہ در پیش رہتا ہے۔ اسی لیئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اِتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ یعنی بڑی جماعت کے پیروکار رہو اور اس سے الگ نہ ہو۔

ہاں تو بھائیو! جو شخص اس شاہراہ سے الگ ہوا وہ سمجھ لیجیے کہ راستہ بھول گیا۔ اس کی راہنمائی کرو۔ اور بتاؤ کہ

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی ! !
کیں راہ کہ تو میری بترکستان است

دوسری چیز حضرت جبریل امین علیہ السلام نے اپنی دوسری پسندیدہ چیز۔ عبادت گزار غریبوں سے محبت کرنا بتائی۔ سبحان اللہ! کیا ہی اچھی اور نیک بات ہے۔ اور ہمارے لیے اس میں کس قدر درس ہے تاکہ ہم بھی اللہ کی یاد کرنے والے غرباء سے محبت و پیار رکھیں۔ اور ان کی قدر کریں۔

میرے بزرگو! آج کل عام طور پر غریبوں سے میل ملاپ اور ان سے دوستی کو فیشن کے خلاف اور اپنے لیے موجب ہتک سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اسلام نے ہمیں یہ نہیں سکھایا۔ بلکہ اسلام ہمیں ہمہ گیر محبت کا پیغام دیتا ہے۔ اور اسلام کی نظر میں دولت و امارت کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اللہ کی یاد اور تقویٰ ہی معیارِ شرافت ہے اور بارشادِ قرآن اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ جو خدا یاد اور خدا سے ڈرنے والا ہے وہ اُس امیر و کبیر غافل انسان سے جس نے کبھی خدا کی یاد اختیار نہیں کی سے لاکھ درجے اچھا ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور اس کی صحبت اختیار کی جائے"۔

میرے بھائیو! آپ دیکھیں گے کہ زیادہ تر غرباء کا طبقہ ہی احکامِ حق کی تعمیل کرنے میں پیش و پیش رہتا ہے اور امراء میں ایسے افراد کم نظر آتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ امیروں میں سبھی غافل ہیں اور غریبوں میں سبھی اولیٰ ہیں۔ نہیں! میرا مطلب یہ ہے کہ امیروں میں بہت کم ایسے افراد ہیں۔ جو احکام الٰہی کے پابند ہیں اور غریبوں میں بہت زیادہ۔ آپ دیکھیں گے کہ مسجدوں میں غریب ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ رمضان شریف میں صائم بھی زیادہ تر غریب ہی ہوتے ہیں اور اسی طرح دیگر دینی امور میں سے بھی زیادہ دلچسپی ان غریبوں ہی میں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قُمْتُ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنَ۔

میں نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ کہ اس میں عام داخل ہونے والے مسکین و غریب ہی تھے"۔

(مشکوٰۃ شریف ص۴۳۸)

باوجود اس کے کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم ان فقراء یا غریبوں سے محبت رکھنے کی بجائے، الٹا ان سے کنارہ کش رہتے ہیں اور بعض اوقات ان کے اللہ والوں پر پھبتیاں بھی کستے ہیں۔ بھائیو! ایسا نہیں چاہیئے۔ اور غریبوں سے سلوک و محبت پیدا کرنا چاہیئے اور اللہ کی یاد کرنے والوں کی معیت و محبت کو اپنانا چاہیئے۔ اس لیئے کہ اصل میں امیر وہی ہیں جو اللہ کی یاد کو لیئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ مال دنیا ان کے پاس نہ ہو۔ اور مفلس و قلاش وہ ہیں جو دولتِ ایمان اور یادِ حق سے خالی ہوں۔ اگرچہ مال دنیا کے انبار ان کے پاس لگے ہوں"۔

مفلس کون ہے

چنانچہ آیئے! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک سنیئے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے فرمایا: اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ جانتے ہو مفلس کسے کہتے ہیں؟۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ حضور مفلس وہی ہے جس کے پاس کوئی روپیہ پیسہ اور سامان نہ ہو۔)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ سے سنو مفلس کون ہے؟ فرمایا کل۔ قیامت کے روز ایک شخص ایسا ہوگا جس کے نامہ اعمال میں نمازیں روزے اور زکوٰۃ بھی ہوگی۔ مگر اس نے اپنے کسی بھائی کو گالی دی ہوگی۔ اور کسی پر بہتان باندھا ہوگا اور کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کو قتل کیا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو اس کے ان جرموں کے عوض اُن مظلوموں کو اس کی یہ نیکیاں دیدی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں کم پڑ گئیں۔ تو اُن مظلوں کی برائیاں اس کے نامۂ اعمال میں داخل کردی جائیں گی اور پھر اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ حضور نے فرمایا یہ ہے اصل مفلس

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۴۷

میرے بزرگو! سنا آپ نے کہ افلاس اس چیز کا نام ہے کہ اس کے پاس کوئی اچھا کام نہ ہو اور برائیاں ہوں۔ پس وہ شخص جو اللہ کو یاد کرتا ہے مگر دنیا کا مال اس کے پاس نہیں تو وہ اگرچہ غریب ہے مگر اصل میں امیر ہی وہ ہے اور بھائیو! یہ جنہیں ہم غریب سمجھ کر ان سے اچھا سلوک نہیں کرتے کل قیامت کے دن دیکھنا کہ امیروں سے پہلے یہ جنت میں جائیں گے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا ہے کہ یَدْخُلُ الْفُقَرَآءُ الْجَنَّۃَ قَبْلَ الْاَغْنِیَاءِ یعنی فقیر جنت میں امیروں سے پہلے داخل ہوں گے۔ (مشکوٰۃ شریف)

دیکھا آپ نے یہ فقیر حضرات جو آج یہاں پیچھے نظر آتے ہیں کل قیامت میں آگے ہوں گے فقیر و امیر کا ایک قصہ بھی سن لیجئے۔

ایک حکایت ایک امیر آدمی نے ایک فقیر سے کہا، میاں دیکھی ہم فقیروں کی شان کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا جو کوئی اللہ کو قرض حسنہ دے" فرمایا ہم امیروں سے قرض طلب فرما رہا ہے۔

فقیر نے جواب دیا اور بھی جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ یہ قرض مانگ کن کے لیے رہا ہے جان لو کہ وہ فقیروں کے لیے ہی تم سے قرض طلب فرماتا ہے۔ تو شان تو ہم فقیروں کی ہوئی۔ جن کی خاطر اللہ تعالیٰ تم سے قرض طلب فرماتا ہے۔ اس پر وہ امیر آدمی خاموش ہو گیا"

ہاں تو بھائیو! حضرت جبریل امین کی دوسری محبوب چیز" عبادت گزار غریبوں سے محبت کرنا ہے"

تیسری چیز اور ان کی تیسری پسندیدہ چیز" تنگدست عیالداروں کی مدد کرنا ہے"

میرے بزرگو! یہ بات بھی بڑی اہم اور مسلمانوں کے اپنانے والی چیز ہے بھائیو! اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے۔ اور آپ کے پاس خدا کے دیئے ہوئے سب کچھ ہے۔ تو آپ کا فرض ہے۔ کہ آپ ان تنگدست لوگوں کی جو اپنے

اہل وعیال میں تنگی اور مشکل کا وقت گزار رہے ہیں۔ مدد کریں اور ان کو بھائی اور بچوں کو اپنے بچے سمجھ کر ان کی مدد کریں۔

مسلمان کو اسلام نے کچھ ایسی ہمدردی سکھائی ہے۔ کہ جانوروں تک رحم کرنے کا اسے حکم ہے۔ پھر اگر کوئی انسان بھی ہو اور مسلمان بھی ہو اور وہ تنگدستی کے عالم میں ہو۔ فقر و فاقہ کے بھنور میں پھنسا ہوا ہو۔ تو آپ کا یہ کیوں فرض نہ ہو، آپ اس کی مدد کریں اور اس کے اس مشکل کے وقت اس کے کام آئیں۔

جنتی میرے بھائیو! جو شخص عیالدار اور تنگدست ہو۔ اور باوجود عیالداری اور تنگدستی کے عیال داری کے حرام سے بچے اور سوال سے رُکے تو اُسے عَفِيفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْعِيَالٍ فرما کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جنتی فرمایا ہے اور جو ایسے جنتی لوگوں کی مدد فرمائے اُسے بھی رَجُلٌ رَقِيقُ الْقَلْبِ فرما کر جنتی فرمایا ہے۔

پس اے میرے بھائیو! ایسے مستحق لوگوں کی مدد فرما کر جنت خرید لو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ





انیسواں خطاب ۱۹

اللہ تعالیٰ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ؕ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ جِبْرِیْلُ یُحِبُّ رَبُّ الْعِزَّۃِ جَلَّ جَلَالُہٗ مِنْ عِبَادِہٖ ثَلٰثَ خِصَالٍ بَذْلُ الْاِسْتِطَاعَۃِ وَالْبُکَاءُ عِنْدَ النَّدَامَۃِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الْفَاقَۃِ۔

پھر جبریل نے کہا کہ اللہ رب العزت جل جلالہٗ کو بھی اپنے بندوں سے تین چیزیں پسند ہیں: ہمت و طاقت کا خرچ کرنا۔ اور ندامت کے وقت رونا۔ اور فاقہ کے وقت صبر کرنا۔

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! حضرت جبریل امین علیہ السلام بھی جب اپنی پسندیدہ تین چیزیں بیان کر چکے تو اب آیئے۔ سنیئے کہ جبریل امین کی زبانی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ مجھے بھی تین چیزیں بڑی پسند ہیں۔ اب سنیئے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سی تین چیزیں پسند ہیں۔

قَالَ جِبْرِيْلُ يُحِبُّ رَبُّ الْعِزَّةِ جَلَّ جَلَالُهٗ مِنْ عِبَادِهٖ ثَلَاثَ خِصَالٍ بَذْلُ الْاِسْتِطَاعَةِ وَالْبُكَاءُ عِنْدَ النَّدَامَةِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الْفَاقَةِ۔

جبریل نے کہا۔ کہ رب العزہ کو اپنے بندوں کی یہ تین خصلتیں بڑی پسند ہیں۔ طاقت کا خرچ کرنا۔ ندامت کے وقت رونا اور فاقہ کے وقت صبر کرنا۔"

سبحان اللہ! کیا شان ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ حضور نے اپنی پسندیدہ تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے تو صحابہ کرام نے بھی حضور کے تتبع میں اپنی اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا ذکر کرنا شروع کر دیا اور پھر اس کے بعد حضرت جبریل امین نے بھی اپنی تین پسندیدہ چیزوں کا بیان شروع کر دیا۔ تاکہ حضور کے تتبع میں۔ میں پیچھے نہ رہ جاؤں اور حد یہ کہ خود رب العالمین نے بھی اپنے محبوب کی شان بڑھانے کو اعلان فرما دیا۔ کہ ہمارے محبوب کو اگر تین چیزیں پسند ہیں تو ہمیں بھی تین چیزیں بڑی پسند ہیں۔

پہلی چیز

حضرات! خدا تعالیٰ کی پہلی محبوب چیز، "طاقت کا خرچ کرنا ہے" اللہ تعالے نے ہمیں زندگی عطا فرمائی، قوت دی۔ طاقت بخشی اور پھر ہمیں اچھے اور نیک کاموں کی ہدایت فرمائی۔ پس جو شخص اللہ کی دی ہوئی طاقت کو اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ وہ گویا ایک ایسا کام کرتا ہے جو اللہ تعالے کو پسند ہے۔ میرے بھائیو! خدا تعالے نے ہمیں جو طاقت اور اختیار بخشا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرو اور اس کی

دی ہوئی طاقت کو اس کی مرضی کے مطابق خرچ کرو۔ جو لوگ اس کی بخشی ہوئی طاقت کو اس کی ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتے وہ گویا اس نعمت و دولت سے مستفید نہیں ہونے مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حق چو فرماید چہ آوردی مرا
اندریں مہلت کہ من دادم ترا
عمرِ خود را در چہ پایاں بردہ!
قوت و قوت در چہ فانی کردہ
پنج حس راہ در جہاں پالودہ
گوہر دیدہ کجا فرسودہ

یعنی کل قیامت کے دن حق تعالیٰ بندے سے پوچھے گا کہ بتا اس عمر میں جو میں نے تجھے بخشی ہے تم میرے لیئے کیا لائے؟ اور تم نے اپنی عمر کن کاموں میں صرف کی؟ اور اپنی قوت و طاقت کن باتوں میں خرچ کی اور یہ پانچ حواس میں نے تجھے عطا فرمائے۔ ان سے تم نے کیا کام لیا۔ میرے بھائیو! ان باتوں کا جواب آج ہی سوچ لو کہ کیا کام دو گے؟ خدا تعالیٰ نے ضرور پوچھنا ہے کہ میں نے تمہیں ہاتھ دیئے تھے تم نے ان ہاتھوں سے غریبوں کی دستگیری کی، گرتوں کو اٹھایا اور یتیموں کے سر پہ ہاتھ پھیرے۔ یا ان سے پرائے مال اڑائے غریبوں کو مارا۔ اور یتیموں کی جیب پر یہ ہاتھ ڈالے؟ میں نے تمہیں پیر بخشے تھے تم اُن سے چل کر مسجد میں گئے۔ یا سینما و تھیٹر میں تمہیں آنکھ بخشی تھیں۔ تم نے اپنے ماں باپ کی قرآن کی اور اللہ والوں کی زیارت کی۔ یا پرائی عورتوں کی ننگی تصویروں۔ اور غیر شرعی اجتماعات کو دیکھا؟ تمہیں کان دیئے تھے۔ ان سے تم نے تلاوت و حمد و نعت وغیرہ سُنی۔ یا فلمی و فحش گیت؟ و قس علی ذالک۔ کیوں صاحب! جب ہم سے یہ سوال ہوئے تو ہم کیا جواب دیں گے؟ میرے بھائیو! اگر اللہ کی ان دی ہوئی طاقتوں کو ہم نے اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کیا ہوگا۔ تو ایسے جواب سے ہماری

نجات ہو جائے گی اور اگر ان طاقتوں کو غیر شرعی باتوں میں خرچ کیا ہو گا۔ تو پھر بڑی مشکل ہو گی۔

عزیزو! یہ وقت ہے کہ اللہ کی دی ہوئی طاقت کو غنیمت سمجھیں اور طاقت کو اللہ کی مرضی کے مطابق خرچ کر کے اس کی مرضی کو حاصل کریں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ ۔ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ ۔ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ ۔ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ ۔ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ ۔ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ ۔

پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھ کر، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، محتاجی سے پہلے دولتمندی کو، مصروفیت سے پہلے فراغت کو، اور موت سے پہلے زندگی کو۔“

سبحان اللہ! کیا مبارک ارشاد ہے۔ کہ زندگی اور صحت اور طاقت کے وقت کو غنیمت سمجھ کر جو نیک کام ہو سکتا ہے۔ کر لو ورنہ جب یہ نعمتیں باقی نہ رہیں تو پھر پچھتانا بیکار ہو گا۔ ؎

گر جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں
جب بڑھاپا آ گیا پھر ایسی ہو سکتی نہیں
ہے بڑھاپا بھی غنیمت گر جوانی ہو چکی
یہ بڑھاپا بھی نہ ہو گا موت جس دم آ گئی
جو گیا ملکِ عدم میں پھر وہ آئے گا نہیں
پنج روزہ زندگی ہے پھر وہ پائے گا نہیں

ایک اور شاعر لکھتا ہے۔ کہ ؎

دس برس کی عمر جس دم ہو گی یا بلیست کی
آدمی چاہیے کچھ قدر سمجھے زلیست کی

تیس سے ہےین تک نشاطِ زندگی حاصل رہے
جب ہوا چالیس کا ہر کام میں کاہل رہے
جب گئے اس عمرِ فانی سے گزر پورے پچاس
فرق آتا ہے نظر میں جاتے ہیں ہوش و حواس
ساٹھویں میں تکیہ و دیوار کی حاجت پڑے
جب ہوا ستّر کا ہر اک کام میں دقت پڑے
جب ہوئی اسّی کی، یا نوّے کی عمرِ بے بقا
تن میں آئی ناتوانی، جان میں رنج و عنا
قصّہ کوتاہ ہے جیو تم سو برس یا ایک دن
اس جہانِ بے بقا سے کوچ ہوگا ایک دن

پھر کیوں نہ موت سے پہلے اس زندگی کو غنیمت جان کر اپنے اللہ کو خوش کر لیا جائے۔"

دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی دوسری پسندیدہ چیز، ندامت کے وقت رونا ہے۔ سبحان اللہ! یہ کیا ہی مبارک بات ہے اور میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ کو گنہ گار کے شرم و ندامت کے ساتھ بہائے ہوئے آنسو بڑے ہی محبوب ہیں اور ان آنسوؤں میں اتنی بڑی طاقت ہے۔ کہ بہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ دَمْعَةَ الْعَاصِیْ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ. گنہ گار کے خدا کے غضب کی آگ کو بجھا دیتے ہیں۔"

میرے بھائیو! آؤ! اگر ہم گنہگار ہیں۔ تو سچے دل سے نادم و شرمندہ ہو کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر روئیں۔ اور اگر رو کر اپنے سیاہ نامہ اعمال کو دھو لیں یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے نادم ہو کر آنسو بہائے جائیں اور توبہ کرنے سے اللہ کی رحمت فوراً اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ مولانا رومی علیہ رحمتہ فرماتے ہیں

ہر کجا آب رواں غنچہ بود!
ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود

جہاں پانی بہتا ہو۔ وہاں پھول اُگا کرتے ہیں اور جہاں گنہگار کی آنکھ کے آنسو بہتے ہوں۔ وہاں رحمتِ حق کے پھول اُگتے ہیں۔ ہ

تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن
تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

بچہ جب تک روئے نہیں۔ ماں کے دودھ میں جوش پیدا نہیں ہوتا جب تک آسمان روتا نہیں۔ باغ ہنستے اور کھلتے نہیں "

مقصد یہ کہ اے گنہگار۔ تو بھی رو اور شرم و ندامت سے آنسو بہا۔ پھر دیکھ رحمتِ حق میں جوش آتا ہے یا نہیں اور مغفرت کا باغ کھلتا ہے یا نہیں۔

یا عبادی حضرات اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (پ ۲۴ ۔ ع ۳)

تم فرماؤ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کی زبانی اعلان فرما دیا ہے کہ گنہگاروں کو ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے اور وہ سب گنہ بخش دیتا ہے۔

میرے بزرگو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجیئے۔ کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ اپنے محبوب ؐ سے یوں فرما رہا ہے کہ اے میرے محبوب تم یوں فرما دو کہ اے میرے بندو! الخ " گویا اس آیت کے مطابق ہم سب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بندے ہیں۔ میرے بھائیو! دیکھ لو یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ اپنے خدا ہی

اپنے محبوب کی زبانی یہ بات کہلوا رہا ہے اس لئے "کا امر خدا ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم مامور ہیں۔ اور یا عبادی سے لے کر ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ تک کا جملہ مامور بہ ہے۔ اور اس حکم کے مطابق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا یا عبادی یعنی اے میرے بندو فرما کر فرمایا ہے کہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو"

بھائی! طرزِ کلام بھی اس معنی پر شاہد ہے۔ کہ یَا عِبَادِیَ یہ مقولہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ اس لیے۔ کہ اگر یہ مقولۂ خدا ہوتا۔ تو پھر آگے "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" نہ ہونا ہے۔ بلکہ "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ" ہونا ہے یعنی عبادت یوں ہوتی ہے۔ کہ میرے بندو! میری رحمت سے ناامید نہ ہو مگر عبارت یوں ہے کہ "اے میرے بندو! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ پس یہ طرزِ عبارت ہی بتا رہی ہے۔ کہ اے میرے بندو فرمانے والے حضور ہی ہیں۔

آیاتِ قُل میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! اگر یہاں "قل" کے بعد کے مقولہ کو خدا کی طرف مضاف تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر میں یہ گزارش کروں گا کہ قرآنِ پاک کی دیگر آیات قل میں آپ کیا کہیں گے۔ مثلاً یہی ایک مشہور آیت ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ میں بھی قل کے بعد اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مقولۂ خدا مانا جائے گا؟ کہ یہ خدا فرما رہا ہے کہ "میں تمہاری مثل بشر ہوں" معاذ اللہ اسی طرح قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ میں بھی کیا یہی کہا جائے گا؟۔ کہ یہ بات بھی خدا ہی فرما رہا ہے کہ میں اس چیز کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو اسی طرح قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا۔ میں بھی کیا یہی سنایا جائے۔ کہ یہ خدا ہی فرما رہا ہے۔ کہ میں نفع ضرر کا مالک نہیں۔

میرے بھائیو! میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ کہ سارے قرآن میں جہاں بھی کہیں خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کو قل فرما کر کسی بات کا حکم دیا ہے وہ بعد از "قل" کا مقولہ حضور ہی کا ہے۔ مثلاً یہ آیات ملاحظہ فرمایئے!۔

۱۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ ۔ (پ۸ ۔ ع۱۰)

۲۔ قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ۔ (پ۹ ۔ ع۱۰)

۳۔ قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا (پ۱۰ ۔ ع۱۳)

۴۔ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝ (پ۱۱ ۔ ع۵)

۵۔ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ ۔ (پ۱۲ ۔ ع۴)

۶۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۔ (پ۱۳ ۔ ع۲)

۷۔ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ۔ (پ۳ ۔ ع۱۲)

۸۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۔ (پ۳ ۔ ع۱۲)

۹۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ۔ (پ۳ ۔ ع۱۲)

۱۰۔ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ ۔

(پ۳ ۔ ع۴)

۱۱۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

(پ۸ ۔ ع۷)

۱۲۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ (پ۳۰)

۱۳۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ (پ۳۰)

یہ تو چند ایک آیات ہیں۔ اور اس کے علاوہ۔ اور متعدد آیاتِ قل ہیں اور قرآن پاک کا مطالعہ فرما کر ان آیات کو دیکھ اور غور کر لیجیئے کہ کسی آیاتِ ہیں،، قل کے بعد کا مقولہ خدا کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں! پھر اے میرے بھائیو!۔ سارے قرآن میں صرف ایک اسی آیت میں قل کے بعد" یٰعبادی،، کو مقولہ خدا کیوں تسلیم کیا جائے۔ انصاف شرط ہے۔

لطیفہ ہمارے قصبہ میں ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہاں " قُلْ یٰعِبَادِیَ " کے درمیان یعنی " قل " کے بعد " مِنّی " محذوف ہے۔ یعنی اللہ فرما رہا ہے کہ میری طرف سے کہہ دو " میں نے اُسے یہی اوپر کی چند آیات پڑھ کر سنیں۔ اور کہا کہ پھر ان آیات میں بھی " مِنّی " لگائیے مزید برآں میں نے کہا کہ نکاح پڑھانے کے وقت نکاح خواں دولہا میاں سے کہتا ہے " قُلْ قَبِلْتُ " کہو میں نے قبول کی " تو کیوں صاحب۔ یہاں بھی " قُلْ " کے بعد " مِنّی " محذوف ہوتا ہے؟ اس پر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔

بہر حال یہ حقیقت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے " یا عبادی " کہلوایا ہے۔ اور اس آیت کے مطابق ہم سب " عباد النبی " ہیں۔ اسی لیئے اعلحضرت نے لکھا ہے کہ ؎

یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے
اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا!

عَبد میرے بھائیو! " عبد " ایک عربی لفظ ہے اور الفاظ مشترکہ میں سے ہے۔ اس کا ایک معنی عابد و بندگی کرنے والا ہے اور ایک معنی اس کا نوکر و غلام بھی ہے۔ دیکھیے قرآن پاک ہی میں ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىٕكُمْ۔

(پ۱۸، ع۱۰)

اور نکاح کر دو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا "

دیکھیے! یہاں خود خدا تعالیٰ نے " عباد " کی نسبت ہماری طرف کی ہے اور فرمایا ہے کہ " جو عباد تمہارے لائق بندے ہیں تو جب از روئے قرآن ہمارے بھی بندے ہو سکتے ہیں۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم بندے کیوں نہیں ہو سکتے۔ قرآن [illegible]

نہیں ہو سکتا۔

عبد الرسول فاروق اعظم

بزرگو! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو عبدالرسول فرماتے ہیں۔ سنیئے سنیئے!۔ آپ نے ایک مرتبہ بر سر منبر اپنے خطبہ میں فرمایا:۔

كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنْتُ عَبْدَهٗ وَ خَادِمَهٗ۔

(ازالۃ الخلفاء و حیٰوۃ الحیوان صہ ۴۲ ج ۱)

میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بندہ اور خادم تھا۔

کیوں صاحب! حضرت فاروق اعظم نے فَكُنْتُ عَبْدَهٗ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بندہ تھا۔ فرما کر اپنے عبدالرسول ہونے کا اعلان فرمایا یا نہیں؟ بس پھر ہم بھی کیوں نہ کہیں۔ کہ حع:۔

ہم ہیں عبد المصطفٰے پھر تجھ کو کیا۔

میرے بھائیو! یا عبدی،، کا ترجمہ جو میں نے آپ کو سنایا ہے قرآن پاک کی دیگر آیات کے پیش نظر اس پر قطعًا کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور نہ صرف میں نے بلکہ بڑے بڑے اعلیٰ و اکابر نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

بندۂ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم را بخواں قل یا عباد

مولانا فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا ہے چنانچہ قرآن کی آیت،، یا عبادی،، پڑھ کر لو۔ اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیّ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ الخ ۔ مرجع ضمیر متکلم کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں "

(رسالہ نفحۂ مکیہ ترجمہ شمائم امدادیہ ص ۱۲۵)

لہذا ہم کہہ سکتے ہیں ۔ کہ ہم عباد الرسول ہیں ۔ عباد النبی ہیں ۔ عباد المصطفٰے ہیں آیئے مل کر پڑھیں ؎

یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے
اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا!

اور یوں کہیں کہ ۔ ع

ہم ہیں عبد المصطفٰے پھر تجھ کو کیا

پڑھیئے درود شریف ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہِ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللہِ

ہاں تو میں کہہ رہا تھا ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے کہلوایا کہ اے میرے بندو! تم اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو ۔ اللہ بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے وہ تمہارے سارے گناہ بخش دے گا ۔ اس کی رحمت بڑی وسیع ہے ۔

وسعت رحمت ایک بزرگ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا حضور! میں بہت گنہ گار ہوں میرے گناہ بے شمار ہیں کیا میری مغفرت کی بھی کوئی صورت ہے ۔ وہ بزرگ فرمانے لگے ۔

تمہارے گناہ کیا دنیا بھر کے جنگلوں سے بھی زیادہ ہیں؟

وہ کہنے لگا ہاں حضور! دنیا بھر کے جنگلوں سے بھی زیادہ ہیں "

فرمایا "

کیا دنیا کے ریت کے ذرّوں سے بھی زیادہ ہیں؟

کہنے لگا ہاں دنیا بھر کے ریت کے ذرّوں سے بھی میرے گناہ زیادہ ہیں

فرمایا!
کیا زمینوں اور آسمانوں سے بھی تمہارے گناہ بڑے ہیں۔!
کہنے لگا۔ ہاں حضور! زمینوں اور آسمانوں سے بھی میرے گناہ بڑے ہیں۔
فرمایا!۔۔۔ اچھا یہ بتاؤ۔
تمہارے گناہ اللہ کی رحمت سے بھی بڑے ہیں۔
اب وہ بولا!۔ نہیں حضور!۔ میرے گناہ اس کی رحمت سے بڑے نہیں ہیں۔ بڑی تو اس رحمت ہی ہے۔ فرمایا!
تو پھر گھبراتے کیوں ہو۔ سچے دل سے توبہ کرو۔ آنسو بہاؤ خدا سارے گنہ بخش دے گا۔ چنانچہ اس نے سچّے دل سے توبہ کرلی اور اس کی مغفرت ہوگئی۔
میرے بھائیو! آؤ اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنے جملہ گناہوں پر ندامت کے آنسو بہائیں۔ اور ناامیدی کو قریب تک نہ آنے دیں ہمارے گناہ لاکھ بڑے سہی۔ مگر خدا کی رحمت کے مقابلہ میں تو بڑے نہیں اور بڑے کیسے ہونگے جب ہم خود کہاں کے بڑے ہیں۔ یہ گناہ ہے تو ہماری ہی صفت۔ پھر جب موصوف ہی بڑا نہیں ہے تو کیا صفت بڑی ہو گی۔ برخلاف اللہ کے کہ وہ ہر بڑے سے بڑا ہے اور اس کی ہر صفت بھی۔ سب کی صفات سے بڑی ہے۔ بلکہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا فعل بھی بڑا ہے۔
حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ اگر ساری زمین بھی گناہوں سے بھر جائے تو ایک توبہ ان سب کو مٹا دیتی ہے۔ دیکھئے بارود ذرا سی ہی تو ہے مگر بڑے بڑے پہاڑوں کو اڑا دیتی ہے۔ بفرضِ محال اگر مغفرت و رحمت چھوٹی بھی ہوتی تو اس کی خاصیت بارود کی سی ہے۔
میرے بھائیو!۔ اس میری تقریر سے یہ نہ سمجھ لینا کہ ہمارے گناہ ہیں ہی چھوٹے۔ بھائیو! یہ تو میں رحمتِ حق کے مقابلہ میں انہیں چھوٹا کہہ رہا ہوں۔ مگر ہمارے لیئے تو یہ بڑے ہی ہیں۔ تولہ بھر سنکھیا اگرچہ من بھر تریاق کے

مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اور چھوٹا ہے مگر معدہ کے مقابلہ میں تو بڑے ہیں۔ تو گو تریاق کے مقابلہ میں سنکھیا اپنا اثر نہیں کرتا۔ مگر بغیر تریاق استعمال کیئے۔ تریاق کا اثر کب ہو سکتا ہے۔ پس اس تریاق کا استعمال یہی ہے۔ کہ ندامت کے ساتھ آنسو بہاؤ۔ اور اللہ سے مغفرت کی دعا کرو۔ اور یہی وہ چیز ہے جو اللہ تعالٰے کی دوسری پسندیدہ چیز ہے۔

تیسری چیز

خدا تعالیٰ کی تیسری پسندیدہ چیز، فاقہ کے وقت صبر کرنا ہے بھائیو! یہ صفت بھی مبارک صفت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی آزمائش وابتلاء آئے اُسے صبر وشکر کے ساتھ گوارا کر لینا اور خدا کا کوئی شکوہ نہ کرنا۔ میرے بزرگو! اللہ تعالیٰ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ۔ کے مطابق اپنے بندوں کو بھوکا رکھ کر بھی آزماتے ہیں۔ کہ دیکھیں یہ ہمارا بندہ مشکل کے وقت بھی ہمارے ساتھ وفا کرتا ہے یا نہیں؟۔ اور جو اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ وہ مشکل کے وقت بھی اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی حمد وثناء اور اور اس کا شکر ہی کرتے ہیں۔ اور صبر سے کام لیتے ہیں۔ اور کسی سے سوال بھی نہیں کرتے،،

اصحاب صُفّہ

چنانچہ اصحابِ صُفّہ جن کی چار سو کی تعداد تھی یہ پاک لوگ دنیوی سارے رشتے چھوڑ کر محبتِ رسول میں مدینہ پاک ہجرت کر کے آ گئے تھے ان کا نہ یہاں کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ نہ کنبہ نہ قبیلہ نہ ان حضرات نے شادی کی اوقات عبادت میں صرف ہوتے تھے رات کو قرآن پاک سیکھنا، دن میں جہاد کے کام میں رہنا۔ یہی ان کا دن رات کا مقدس شغل تھا ان لوگوں کا چونکہ کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اس لیئے ان پر فاقے بھی آئے لیکن تواضع وانکسار اس حد تک تھا۔ کہ بھوک کے باعث چہرے زرد پڑ گئے اور ضعف کے آثار آنے لگے۔ باوجود اس کے ان پاک لوگوں نے ہمیشہ صبر و شکر ہی سے کام لیا۔ اور کبھی کسی سے سوال نہ کیا یہ ادائے پاک لوگوں کی اللہ

کو کچھ ایسی بھائی کہ قرآن پاک میں ان کے لیئے ارشاد فرمایا۔ کہ

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمَاھُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۔"

زمین پر چل نہیں سکتے۔ نادان انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انہیں صورت سے پہچان لے گا۔ لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ کہ گڑگڑانا پڑے۔"

میرے بھائیو! ۔ اپنے بزرگوں کے واقعات سامنے رکھو اور دیکھو کہ ان پاک لوگوں نے کس طرح مشکل کے وقت بھی صبر و شکر سے ساتھ کام لیا۔ اور کبھی دامن صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عیالدار تنگدست کو جو حرام سے بچے اور کسی سے سوال بھی نہ کرے۔ اور صبر و شکر سے کام لے جنتی فرمایا ہے۔ اگرچہ یہ کام ہے بڑا مشکل، مگر گوہر مقصود مشکل ہی سے ہاتھ آیا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو" فاقہ کے وقت صبر کرنا" اسی لیئے محبوب ہے۔ کہ اس میں بندہ اپنے امتحان میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت

ایک شخص نے ایک درویش کی دعوت کی اور کہا کہ آج دوپہر کو کھانا میرے ہاں کھایئے گا اور اس درویش نے دعوت تسلیم کرلی۔ وہ درویش دو روز سے فاقہ سے تھے جب اس کے گھر پہنچے۔ تو اس شخص نے امتحان لینے کو اس درویش سے کہا۔ کہ میرے گھر کیوں آئے۔ درویش بولے۔ تم نے مجھے دعوت کے لیئے کہا تھا۔ وہ بولا بالکل غلط! میں نے کوئی دعوت نہیں کی۔ آپ خاموش سے واپس چلے آئے۔ اس شخص نے کہا۔ صاحب! معاف فرمایئے! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ واپس آجایئے میں نے واقعی آپ کی دعوت پکائی ہے۔ آپ سن کر پھر چلے گئے۔ اس شخص نے

پھر کہا۔ آپ پھر کیوں آ گئے؟ واپس چلے جائیے۔ وہ پھر چلے گئے اس نے پھر بلایا۔ آپ پھر آ گئے۔ اسی طرح اس شخص نے دو تین بار انکار کیا اور دو تین بار پھر بلایا۔ اور آپ اس کے انکار پر واپس ہو جاتے رہے اور پھر بلانے پر پھر آ جاتے رہے۔ دراصل وہ شخص ان کے صبر کا امتحان لے رہا تھا۔ آخر اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا کہ واقعی آپ کے بندے ہیں۔ میں آزما ہی رہا تھا۔ آپ امتحان میں کامیاب نکلے ہیں آپ رونے لگے۔ اور فرمایا۔

بھئی یہ جو بات تم نے مجھ میں دیکھی ہے۔ اس میں میرا کیا کمال ہے۔ یہ بات تو کتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ کتے کو جب پکارا جائے۔ تو چلا آتا ہے۔ اور جب نکالا جائے۔ تو چلا جاتا ہے۔ پھر اسے بلایا جائے تو پھر آ جاتا ہے۔ پھر نکالا جائے تو پھر نکل جاتا ہے۔ بئی تم کچھ بھی ہو۔ مگر مجھ سے تو کتے بھی اچھے ہیں۔

سبحان اللہ! کیا پاک لوگ تھے وہ کہ فاقہ ہے، صبر ہے۔ اور زبان پر شکایت کا نام تک نہیں۔ باوجود اس کے تواضع کا یہ عالم ہے کہ اپنے آپ سے کتے کو اچھا سمجھتے ہیں۔

میرے عزیزوں! ایک تو یہ لوگ تھے۔ اور ایک وہ بھی ہیں جو سارا دن کھانے پینے ہی میں گزار دیتے ہیں اور خدا کا شکر تو کیا۔ اس کا نام تک نہیں لیتے اور باوجود سب کچھ پاس ہونے کے کہیں گے تو یہی کہ وقت بڑی مشکل سے پاس ہوتا ہے۔ گویا اللہ والے فاقہ میں صابر ہوتے ہیں۔ اور غافل انسان کھا پی کر بھی کافر ہو جاتے ہیں۔

لطیفہ ایک بسیار خور کو ہیضہ ہو گیا اس کا حلقہ احباب کافی وسیع تھا۔ چنانچہ اس کے سارے دوست اس کی مزاج پرسی کے لیے آئے جو بھی آتا یہ پوچھتا۔ کہ کیوں صاحب! کیا کھایا تھا۔ جو ہیضہ کی شکایت بن گئی۔ تو وہ ہر ایک سے یہی کہتا۔ کہ کھایا تو میں نے کچھ بھی نہ تھا۔ وہی جو آپ کے گھر سے دو چار پلیٹیں آئی تھیں۔ بس ان کے سوا میں نے اور کیا کھانا تھا تقریباً پچاس آدمی

اس کی مزاج پرسی کے لیے آئے اور اُس نے اُن پچاسوں سے ہی یہ کہا۔ کہ کھانا میں کیا تھا۔ وہی دو چار پیسٹریاں کھائی تھیں۔ جو آپ کے گھر سے کھا کر آیا تھا۔ گویا تین چار سو پیسٹریاں رگڑ گئے۔ مگر کھایا پھر بھی کچھ نہیں۔ خدا تعالیٰ اس قسم کے پیٹ سے محفوظ رکھے"۔

بھائیو! خدا کے بندے جو ہیں۔ وہ کھا پی کر بھی شکر کرتے ہیں اور فاقہ آئے تو بھی صبر کرتے ہیں۔ اور یہ بات اللہ کو بڑی پسند ہیں""۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ





بیسواں خطاب ۲۰

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ الْاِمَامُ اَبُوْحَنِیْفَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَ اَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ ۔ تَحْصِیْلُ الْعِلْمِ فِیْ طُوْلِ اللَّیَالِیْ وَتَرْکُ التَّرَفُّعِ وَ التَّعَالِیْ وَقَلْبٌ مِنْ حُبِّ الدُّنْیَا خَالِیْ ۔

پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بھی، تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔ ساری ساری رات جاگ کر علم حاصل کرنا۔ غرور و تکبّر کو چھوڑ دینا۔ اور دُنیا کی محبّت سے خالی دِل ۔

حضرات ہمارے امام حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ تک جب یہ حدیث پاک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی تین چیزیں بڑی پسند ہیں ۔

تَحْصِیْلُ الْعِلْمِ فِیْ طُوْلِ اللَّیَالِیْ۔ ساری ساری رات جاگ کر علم حاصل کرنا ۔ وَتَرْكُ التَّرَفُّعِ وَالتَّعَالِیْ تکبر اور غرور کو چھوڑ دینا۔

وَقَلْبٌ مِنْ حُبِّ الدُّنْیَا خَالِیْ اور دنیا کی محبت سے خالی دل ۔

پہلی چیز میرے بھائیو! حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی پسندیدہ چیز کا علم کا حاصل کرنا بیان فرمائی ہے ۔ سبحان اللہ! کیا مبارک ارشاد ہے ۔ یہی وہ جذبۂ صادق اور ذوق علم تھا جس کی بدولت آپ دنیا ئے علم وفضل کے آفتاب بن کر چمکے اور ایک دنیا آپ کے انوارِ علم سے مستفید و مستنیر ہوئی اور ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی ۔

علم بھائیو! خوب یاد رکھو ۔ کہ علم ،، ایک بہت بڑی نعمت ہے اور دولت ہے بلکہ اصل دولت یہی ہے ۔ اہل دنیا کی نظر میں دولت مالِ دنیا کا نام ہے مگر اہل دنیا کے نزدیک اصل دولت دولتِ علم ہے مال دنیا آج نہیں تو کل فنا ہو جائے گی ۔ مگر علم ایک ایسی لازوال دولت ہے کہ دن بدن بڑھتا ہی چلا جاتا ہے ۔ چنانچہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

رَضِیْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِیْنَا
لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ!
لِاَنَّ الْمَالَ یَفْنٰی عَنْ قَرِیْبٍ
وَاِنَّ الْعِلْمَ یَبْقٰی لَا یَزَالُ

یعنی ہم اپنے اللہ کی اس تقسیم پر راضی ہیں ۔ کہ اس نے ہمیں دولتِ علم عطا فرمائی اور جاہلوں کو مالِ دنیا ، اس لئے کہ مالِ دنیا عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم کی دولت ہمیشہ باقی رہے گی ،،

بیشک حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیا کا مال فانی ہے اور علم کی دولت باقی ۔

ہے۔ میرے بھائیو! علم ایک نور اور روشنی ہے۔ اور جہالت ایک تاریکی اور ظلمت ہے روشنی میں انسان کئی ایک خطرات سے محفوظ رہتا ہے اور تاریکی میں کئی ایک خطرے لاحق ہوتے ہیں اسی طرح علم والا کئی مشکلات سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

کیا علم والے اور بے علم دونوں برابر ہیں؟۔

یعنی عالم و جاہل برابر نہیں ہیں۔ ان میں بہت بڑا فرق ہے۔

معیار فضیلت

میرے بزرگو! غور و فکر کے ساتھ سوچنے سے یہ راز کھلتا ہے کہ عظمت و بڑائی کا دراصل معیار یہی، علم ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بڑا افسر ہے تو یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا افسر ہے۔ اس "بڑا" کہنے سے کیا مراد ہوتی ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ شخص چھوٹے افسر سے قد میں بڑا ہے۔؟ جسامت میں بڑا ہے یا عمر میں بڑا ہے نہیں! نہیں! ہرگز نہیں! اس لیے کہ بعض اوقات بڑا افسر چھوٹے افسر سے عمر میں چھوٹا ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ قد میں بھی چھوٹا ہوتا ہے پھر یہ بڑا کس معنی میں ہوا! تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ علم و اختیار میں بڑا ہے۔ یعنی دیکھ لیجیے یہ بڑائی اُسے علم و اختیار سے ملی۔ میرے بھائیو! یہ اختیار بھی علم ہی کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ جسے جس بات کا علم نہیں، اُسے اس کا اختیار بھی نہیں۔ اپریشن کرنے کا اسی کو اختیار ہے۔ جسے اپریشن کرنے کا علم بھی ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ جسے جس قدر زیادہ علم و اختیار ہوگا وہ اسی قدر بڑا ہوگا۔

سب سے بڑا رسول ﷺ

میرے بزرگو! اسی بات سے فیصلہ کر لیجیے۔ اسی بات کا بھی۔ کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو سارے رسولوں میں بڑے ہیں اور جن کی اس بڑائی کو سبھی مانتے ہیں۔ تو یہ آپ کی بڑائی بھی، علم و اختیار کی وجہ سے ہے۔ یعنی آپ کو جو

سارے رسولوں سے بڑا رسول (علیہم السلام) کہا جاتا ہے وہ اسی معنیٰ میں ہے کہ آپ سارے رسولوں میں سب سے زیادہ علم والے۔ اور سب سے زیادہ اختیار والے ہیں"۔

انبیاء علیہم السلام کا علم و اختیار

اب آئیے۔ پہلے رسول (علیہم السلام) کا علم اختیار ملاحظہ فرمایئے"

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے"

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا (پ ۱ ع ۴)

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے"

تفسیر خزائن العرفان میں یہ اس آیت کی تفسیر لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ اسلام پر تمام اشیاء کے جملہ مسمات پیش فرما کر ان کے آپ کو اسماء وصفات و افعال و خواص واصول، علوم وصناعات سب کا علم بطریق الہام عطا فرمایا"۔ ص ۹

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

اَنَّ الْمُرَادَ اَسْمَآءُ کُلِّ شَیْءٍ مِّنْ خَلْقٍ مِنْ اَجْنَاسِ الْمُحْدَثَاتِ مِنْ جَمِیْعِ اللُّغَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ الَّتِیْ یَتَکَلَّمُ بِهَا وُلْدُ اٰدَمَ الْیَوْمَ مِنَ الْعَرَبِیَّةِ وَالْفَارِسِیَّةِ وَالرُّوْمِیَّةِ وَغَیْرِهَا۔

(تفسیر کبیر۔ ص ۲۸۳ ج ۱)

مراد یہ ہے کہ مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے نام جو مختلف زبانوں میں ہوں گے، مثلاً عربی، فارسی، رومی۔ جن کو اولادِ آدم آج تک بول رہی ہے۔ ان سب کا علم آدم علیہ اسلام کو دے دیا گیا"

اسی طرح تفسیر روح البیان میں ہے۔ کہ

عَلَّمَهٗ جَمِیْعَ اَسْمَآءِ الْمُسَمَّیَاتِ بِکُلِّ اللُّغَاتِ (الخ)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام ہر زبان کے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے اور وہ اس طرح کہ خدا تعالیٰ نے جو جو جنس پیدا فرمائی ہے اسے حضرت آدم کے سامنے کر کے بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا ہے اس کا نام اونٹ ہے۔ اور اس کا یہ نام ہے اور اس کا یہ۔ پھر ان سب چیزوں کے احوال بھی بتائے اور ان سے جو منافع دینی دنیوی حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا علم بھی دے دیا۔ اور سارے فرشتوں کے ناموں کا۔ اور سارے حیوانوں کے ناموں کا سارے جمادات کے ناموں کا ساری صنعتوں کے ناموں کا۔ سارے شہروں قصبوں، دیہاتوں کے ناموں کا پرندوں اور درختوں کے ناموں کا ساری کھانے پینے والی چیزوں کا۔ اور جنت کی ساری نعمتوں کے ناموں کا، اور اسی طرح دنیا کی ہر چیز کا حتیٰ کہ ایک چھوٹے سے پیالے تک کے نام کا الغرض کائنات کی ہر چیز کے نام کا علم اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو دیا۔ (تفسیر روح البیان صـ۹۷ ج ۱)

میرے بزرگو! روح البیان کی اس ہدایت آب تفسیر کو سن آپ نے ؟ کہ دنیا کی کل اشیاء کے نام اور نام والی چیزوں کا علم اللہ نے آدم علیہ السلام کو عطا فرما دیا قرآن پاک کا ارشاد،، کُلَّھَا ،، دنیا کی ہر چیز پر طاری ہے۔

لطیفہ ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کل کا کوئی ثبوت نہیں۔ دوسرے صاحب نے جواب دیا کہ قرآن پاک میں۔ تو حضرت آدم کے لیے بھی ،، کُلَّھَا ،، فرما رہا ہے۔ تمہیں ،، کُلِّ ،، میں شبہ ہے اور قرآن سے ،، کُلَّ ،، بھی ثابت ہے ؟

بہر حال حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت کا مطالعہ کرنے کے لیے قرآن پاک کی یہ آیت اور اس کے ماتحت جملہ مفسرین کے ارشادات مشعل راہ ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خدا فرماتا ہے
وَكَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ — (پ۷-ع ۱۵)
اور اس میں ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں کی
اور زمین کی "

درِ منثور اور خازن اور دیگر تفاسیر نے اس آیت کے ماتحت جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ تفسیر خزائن العرفان میں ملاحظہ فرمایئے جو حسب ذیل ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس سے آسمانوں سے اور زمین کی خلق مراد ہے اور مجاہد اور سعید بن جبیر کہتے ہیں۔ کہ آیاتِ سماوات والارض مراد ہیں۔ یہ اس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا۔ اور آپ کے لیے سماوات مکشوف کر گئے یہاں تک کہ آپ نے عرش و کرسی اور آسمانوں کے تمام عجائبات اور جنت میں اپنے مقام کو دیکھ لیا اور آپ کے لیے زمین کشف فرما دی گئی یہاں تک کہ آپ نے سب سے نیچے کی زمین تک نظر کی اور زمینوں کے تمام عجائبات دیکھے۔ (خزائن العرفان)

دیکھا آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وسعتِ علم کی کیا شان ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ فرما کر بتا دیا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہم السلام نے زمینوں اور آسمانوں کی ساری چیزوں کا معائنہ فرما لیا۔ اور مفسرین نے اپنی اس کی شرح میں ظاہر فرما دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرش و عرش کی ہر چیز کو دیکھ کر لیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق خدا فرماتا ہے "

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِىْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ (پ۲۳ ع ۱۲)

ہم نے ہوا اس کے بس میں کر دی۔ کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی
دیکھئے! حضرت سلیمان علیہ السلام جو ایک اولوالعزم پیغمبر ہیں ان کے اختیار
کا یہ عالم ہے۔ کہ ہوا بھی ان کے اشاروں پر چلتی ہے۔ کیوں صاحب! ہم میں سے
بھی کوئی ایسا ہے۔ جس کے اشارے پر ہوا چلے۔؟ توبہ! توبہ! یہاں تو یہ عالم ہے
کہ بیوی بھی حکم نہیں مانتی۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ایسا کوئی شخص اُن با
اختیار ہستیوں کی مثل بننے لگے۔ جن کا حکم ہوا بھی مانتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

میرے بزرگو! انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے علوم واختیار عطا فرمائے ہیں
قرآن پاک کا مطالعہ کیجئے۔ تو پتہ چلے گا۔ کہ یہ نفوس قدسیہ علیہم السلام بڑے بڑے
علوم واختیارات کے مالک تھے۔ لیجئے ایک اور آیت بھی سنیئے۔ جو حضرت عیسیٰ
علیہ السلام کے متعلق ہے"

اِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ
طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی
بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ

(پ۳، ع۱۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرند
کی مورت بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں۔ تو وہ فوراً پرند
ہو جاتی ہے۔ اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد۔
اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے چلاتا ہوں اللہ کے
حکم سے اور جو کچھ گھروں میں کھا کر اور چھپا کر آتے ہو اسکی بھی خبر
دیتا ہوں"

دیکھ لیجئے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم واختیار کی یہ شان ہے کہ مٹی سے
پرندے بنا لینا اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دے دینا اور مردوں

کو زندہ کر لینا، یہ ان کے اختیار کا ایک جلوہ تھا۔ اور یہ اختیار انہیں اللہ کی جانب سے اور اسی کے اذان و حکم سے حاصل تھا۔ لیکن تھا تو ضرور مجھے اور آپ کو اللہ نے یہ اختیار کیوں نہیں دیا؟ آخر یہ ماننا ہی پڑے گا کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے۔ اور انہیں یہ اختیارات حاصل تھے۔ اسی طرح ان کے علم کی یہ وسعت دیکھئے۔ کہ ہم میں سے کوئی بتا سکتا ہے کہ زید نے آج گھر میں کیا کھایا ہے۔ کھانا کھایا ہے یا دھکے کھائے ہیں۔ عمر نے کیا نوش فرمایا ہے۔ اور پھر یہ کہ فلاں صاحب کے گھر میں کیا کیا مال ہے فلاں صاحب کے گھر میں کیا گندم کی ذخیرہ اندوزی کہاں تک کر رکھی ہے۔

میرے بھائیو! ہمیں ان باتوں کا کوئی علم نہیں ہوتا مگر اللہ کے نبی کا یہ علم ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں بتا دیتا ہوں کہ تم لوگوں نے گھر میں کیا کھایا اور کیا کیا چیز ذخیرہ کی ہے۔"

سبحان اللہ! ان انبیاء کرام علیہم السلام کے جواب علوم و اختیارات کی یہ شان ہے۔ کہ اللہ کے حکم و اذان اور اس کی عطا سے شفا بھی دیں زندگیاں بھی بخشیں۔ اور غیب کی خبریں بھی دیں۔

سب سے بڑا رسول صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بزرگو! اب غور کر لیجئے کہ ہم جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سارے رسولوں سے بڑا رسول کہتے ہیں۔ تو اس "بڑا" ہونے کا یہی معنی ہے کہ آپ سارے رسولوں سے علم و اختیار میں بڑے ہیں اور ابھی ابھی آپ معلوم کر چکے۔ کہ حضرت آدم۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت سلیمان۔ اور حضرت عیسٰے علیہم کو بڑے بڑے علوم و اختیارات حاصل تھے تو ہمارے حضور، جو ان سے بھی زیادہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سارے رسولوں سے بڑا بھی کہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہے کہ ان کو کسی بات کا اختیار نہیں اور انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ تو انصاف کیجئے کہ اس شخص کی یہ کس قدر جہالت اور دورنگی ہے کہ ایک طرف تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سارے رسولوں سے بڑا بھی کہتا ہے اور دوسری طرف حضور کے علم

واختیار کو بھی نہیں مانتا حالانکہ پہلے رسول (علیہم السلام) اس قدر با اختیار، اور علوم واسرار کے مالک تھے۔ کہ ہواؤں پر بھی ان کا اختیار تھا۔ اور گھروں میں کھائی ہوئی، اور ذخیرہ کردہ چیزوں کو بھی وہ جان لیتے تھے اور کائنات کی ہر چیز کا نام اور ان کی کیفیات وغیرہ بھی ان کے علم میں تھیں۔ پھر حضور رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے بڑے ہیں۔ وہ کیوں نہ ان صاحب کو ان سب سے زیادہ با اختیار اور سب سے زیادہ عالم ہوگا۔ یقیناً ایسا ہی ہے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نبی و رسول سے بڑے، اور ہر نبی و رسول کے علم میں اختیار سے زیادہ علم اختیار کے مالک ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اگر ساری مخلوق اور خالق کو بھی دیکھ لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگر آسمانوں، اور زمین کی چیزوں کو دیکھ لیا تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں اور سینوں کے اسرار کو دیکھ کر اور جان لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اگر ہواؤں پر اختیار پایا۔ تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عناصر اولیہ، اور زمین و آسمان بحر و بر، شجر و حجر اور شمس و قمر پر بھی اختیار پایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اشاروں پر ہوا چلتی تھی۔ تو حضور کے سا اشارے پر چاند اور سورج بھی چلتے تھے۔ حضرت عیسے علیہ السلام اگر مردوں کو زندگی بخشتے تھے تو ہمارے حضور سنگریزوں کو اور لکڑی کے ستونوں کو بھی قوتِ گویائی عطا فرمائی۔ بہرحال ہمارے حضور چونکہ سارے رسولوں سے افضل و اعلٰی اور بڑے ہیں۔ اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ ؎

حسنِ یوسف کا ہوا ایک جہاں میں چرچا!
اک نظر جس پہ پڑی اس پہ ہوا غش طاری
اور موسٰی نے خدا سے یدِ بیضا پایا!
نور کے چشمے ہوئے ہاتھ سے ان کے جاری
حضرتِ روح نے مردوں کو کیا ہے زندہ
قُم کہا جس کو حیات اس میں ہوئی ہے ساری

سامنے آئی ہو تصویر محمد میرے
خوبیاں اس میں نظر آئیں یہ مجھ ساری!
ہوش کھو بیٹھا بشیر اس کا نظارہ کر کے
بیخودی میں یہ ہوا شعر زبان جاری

حسن یوسف، دم عیسےٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا، داری

میرے بزرگ! اسی واسطے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق۔
خود خدا تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ۔
عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ۔
یعنی ہم نے آپ کو ہر اس چیز کا علم عطا فرما دیا جسے آپ جانتے ہیں۔
اور فرمایا۔
اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔
ہم نے آپ کو بہت کچھ عطا کیا ؎
اور خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ کہ
عَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (مشکوٰۃ شریف)
زمینوں اور آسمانوں کی ہر چیز میرے علم میں آ گئی۔
اور فرمایا۔
فَرَاَيْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا۔ (مشکوٰۃ ص۵۰۲)
میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا لیا؎
اور فرما دیا۔ کہ ساری کائنات اور اس میں ہونے والے واقعات میرے
سامنے اس طرح ہیں جیسے یہ میری ہتھیلی میرے سامنے ہے ؎
(مواہب لدنیہ ص۱۹۲ ج۲)
میرے بزرگو! اور بھائیو! خبردار! کبھی خیال میں بھی یہ بات لانا۔ کہ۔

ہمارے حضور کسی بات سے بےخبر بھی تھے۔ بھائیو! یہ خود خیال کرو کہ خود ہی بے خبری کی دلیل ہے۔ جب ہم اپنے رسول کو سب سے بڑا رسول مانتے ہیں۔ تو پھر دوسرے رسولوں کے علوم و اختیارات کے ہوتے ہوئے ہم اپنے رسول کے متعلق یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کہ آپ کو فلاں بات کا اختیار نہ تھا۔ اور فلاں بات کا علم نہ تھا۔ استغفر اللہ العظیم!

تو بھائیو!! اپنا عقیدہ یہ رکھو۔ کہ ؎

سرِ عرش پر ہے تری گزر، دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں
وہی نورِ حق وہی ظلِ رب ہے انہیں سے سب، انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسمان کہ زمین نہیں کہ زماں نہیں

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ معیارِ فضیلت یہ علم ہے، اور میرے بزرگو! یہ بات بھی سمجھ لو کہ ”علم“ دراصل قرآن و حدیث کے جاننے کا نام ہے۔

علمِ دین اور علمِ دین ہی وہ علم ہے جو نہایت ضروری ہے اور ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیئے ضروری ہے۔ اور جو شخص خدا اور رسول کے ارشادات سے غافل اور قرآن و حدیث سے جاہل ہو۔ وہ دنیوی علوم میں چاہے کتنا بڑا فاضل کیوں نہ ہو۔ جاہل ہی ہے۔

دیکھئے ابو جہل جو بہت بڑا عالم تھا۔ مگر چونکہ جاننے کے لائق ذاتِ بابرکات یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اس نے نہ جانا تو اس کا علم ”علم“ نہ رہا۔ اور وہ جہالت کا باپ“ مشہور ہو گیا۔ اسی طرح آج بھی خدا اور رسول کے ارشادات ہی جسے یاد نہ ہوں۔ تو وہ کچھ بھی ہو۔ پھر بھی کچھ نہیں۔

میرے بھائیو! یہ جو حدیث شریف میں آتا ہے کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔ کہ طلبِ علم ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیئے ضروری ہے“ اس علم سے مراد یہی علمِ دین ہے۔ نہ یہ کہ ہر مرد و عورت کو

بی۔ اے ضرور ہونا چاہیئے۔ اور کا بلیئٹ ہونا ضروری ہونا چاہیئے۔ اور مردوں کو بھی، اور عورتوں کو ڈاکٹر د پروفیسر ضرور بننا چاہیئے۔ اور مردوں کو بھی عورتوں کو بھی وزیر و ممبر ضرور ہونا چاہیئے۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ آج کل اس حدیث، کو بالعموم ان دنیوی علوم پر چسپاں کیا جاتا ہے اور قرآن و حدیث کی طرف سے توبے رُخی عام ہے۔ لیکن ان دنیوی عہدوں کے لیئے اس حدیث کو پڑھا اور لکھا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ ہر مرد و عورت کو ایم اے، بی اے، اور یہ اور وہ بنتا چاہیئے۔"

میرے بزرگو! میں یہ نہیں کہتا۔ کہ دنیوی علوم حاصل نہ کیئے جائیں۔ نہیں! میرا مطلب یہ ہے کہ علم دین بہر حال مقدم ہے اور حدیث پاک میں علم دین کے لیئے زور دیا گیا ہے۔ اور میں نہیں کہتا۔ کہ عورتیں تعلیم سے بے بہرہ رہیں میرا مطلب یہ ہے کہ عورتیں۔ اپنے مقام پر رہیں۔ اور عورت کا مقام گھر ہے دفتر نہیں۔ ہاں یورپ نے اسے گھر سے نکال کر دفتر کی کرسی پر لا بٹھایا ہے اور یہ بات بالکل اس طرح ہے جیسے کوئی سلوار کو اتار کر گلے میں پہن لے۔ بھائیو! عورت کو عورت ہی رہنے دو اُسے مرد بنا کر پیش نہ کرو۔

("یہ یورپ کی مہربانی ہے۔ کہ اس نے عورت کو عورت نہیں رہنے دیا۔ بلکہ اُسے مرد بنا کر فطرت کے بھی خلاف مظاہرہ کیا۔)

میرے بھائیو! علم کا یہ تقاضا نہیں۔ کہ عورتیں مرد بنیں اور یہ اسی صورت میں ہے۔ جبکہ علم دین کی طرف رغبت ہو۔ لہٰذا اے میرے بھائیو! علم دین کے حاصل کرنے کی کوشش کرو اور دنیوی علوم بھی بے شک حاصل کرو مگر مقدم علم دین ہے اگر دنیا ہی کا علم ہے۔ تو پھر کسی دنیوی عہدہ سے محض دنیا کی ترقی تو ہو سکے گی مگر دین و آخرت کی کامیابی مشکل ہے۔

میرے بھائیو! یہی وہ علم ہے۔ جس سے خوفِ خدا بھی پیدا ہوتا ہے خدا فرماتا ہے:۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔
یعنی اللہ سے اس کے نیک اور عالم بندے ہی ڈرتے ہیں۔
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی علم کی فضیلت میں ارشاد فرمایا ہے کہ۔
فَقِیْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّیْطٰنِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ (مشکوٰۃ صـ۲۶)
ایک فقیہہ شیطان پر ہزار عابد سے سخت ہے۔"

مطلب یہ کہ ایک طرف ہزار عابد ہوں جو عالم نہ ہوں۔ اور دوسری طرف ایک عالم ہو۔ تو شیطان اُن ہزار عابدوں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ اس ایک عالم سے ڈرتا ہے۔ گویا علم ایک ایسا نور ہے۔ جس سے شیطانی ظلمت کافور ہو جاتی ہے"

پس قرآن و حدیث کے ارشادات کے مطابق ہمیں سب سے پہلے علم دین حاصل کرنا چاہیئے۔

فقہ

میرے بھائیو! اس حدیث میں حضور نے عالم کے لیئے فقیہہ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ فقہ ہی علم دین ہے۔ اور یہ فقہ قرآن و حدیث ہی کی تفسیر ہے۔ اور اس کے بغیر قرآن و حدیث کا سمجھنا بہت مشکل ہے میرے بھائیو! اس فقہ کا انکار بہت بڑی نافہمی ہے۔ قرآن و حدیث کو محض پڑھ لینا اور لفظی ترجمہ کر لینا اور بات ہے اور اس کی مراد و منشاء تک پہنچنا اور بات ہے بادام کے چھلکے کو کھا لینا اور بات ہے۔ اور اس کے مغز کا استعمال اور بات ہے بادام کو توڑ کر مغز تک پہنچنا، یہ ہے فقہ کی مثال۔ ائمہ مجتہدین خصوصًا ہمارے امام۔ امام اعظم، بادام چاہیئے کتنا بھی سخت کیوں نہ ہوتا، توڑ کر مغز تک جا پہنچتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بادام کا نام بادام کے چھلکے اور مغز دونوں ہی کے لیئے ہے مگر استعمال کے لیئے مغز ضروری درکار ہوتا ہے اور کوئی بادام کا چھلکا کھائے گا تو دیکھ لیجیئے اُسے قطعًا کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ نقصان ہی کا احتمال ہے اور جو

مغز کھائے گا۔ وہ یقیناً فائدہ پائے گا۔ اسی طرح قرآن پاک کے متعلق بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

وَلِكُلِّ اٰيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ۔ (مشکوٰۃ ص۳۵)

اور قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے

مطلب یہ ہے کہ ایک تو ظاہری معنی ہے اور ایک اصل منشاء و مراد ہے اور وہ اصل منشاء و مراد ہی مغز قرآن ہے اور اسی لیئے مولانا رومی نے فرمایا کہ ؎

ماز قرآن مغز ہا بردا شتیم
استخواں پیش سگاں انداختیم!

اور اسی مغز تک پہنچنا فقہ ہے اور یہی کمال ہمارے امام ہمام حضرت امام اعظم میں تھا۔ کہ جس معنی تک رسائی دوسروں کے لیئے مشکل ہوتی، وہاں آپ کی رسائی ہو جاتی ہے اسی لیئے آپ دنیا بھر میں۔ امام اعظم،، کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور بڑے بڑے ائمہ بھی آپ کے علم اور آپ کی فقہ کے قائل تھے۔ اور آپ کے استدلال و استنباط کے سامنے بڑے بڑے اکابر دم بخود، اور اس امر کے معترف تھے۔ کہ امام ابو حنیفہ واقعی امام اعظم ہیں۔"

ایک میاں بیوی کا قصہ

چنانچہ ایک پر لطف قصہ سنیئے،،

حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک میاں نے غصہ میں آکر اپنی بیوی سے قسم کھا لی۔ کہ خدا کی قسم میں تجھ سے کلام نہ کروں گا۔ جب تک کہ پہلے تو مجھ سے کلام نہ کرے۔ بیوی نے یہ قسم سُنی تو وہ بولی کہ خدا کی قسم میں تجھ سے پہلے کلام نہ کروں گی جب سے پہلے تو مجھ سے کلام نہ کرے،،

اس کے بعد دونوں میاں بیوی نے خاموشی اختیار کر لی۔ اور میاں اس لیئے نہ بولے کہ میری قسم نہ ٹوٹ جائے۔ اور بیوی اس لیئے نہ بولے کہ میری قسم نہ ٹوٹ جائے۔ بڑے بڑے علماء کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا۔ تو سب نے یہی جواب

دیا کہ جو پہلے کلام کرے گا۔ اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ حضرت امام اعظم سے پہلے بھی مسئلہ پوچھا گیا۔ تو آپ نے میاں سے فرمایا۔ کہ جاؤ۔ بے شک تم بیوی سے کلام کرو۔ تمہاری قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور بیشک بیوی تم سے بیشک کلام کرے اس کی قسم بھی نہ ٹوٹے گی۔ یہ جواب دیگر ائمہ کے سامنے آیا تو حیران رہ گئے۔ اور حضرت سفیان غصے میں آکر امام اعظم کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ نے یہ جواب دیا۔ حضرت امام اعظم فرمانے لگے۔ ذرا مسئلہ دہرایئے تو چنانچہ مسئلہ دہرا گیا۔ کہ میاں نے کہا تھا کہ جب تک پہلے تو مجھ سے کلام نہ کرے خدا کی قسم میں تجھ سے کلام نہ کروں گا۔ اور بیوی نے اس کے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم جب تک پہلے تو مجھ سے کلام نہ کرے میں بھی تجھ سے کلام نہ کروں گی۔ امام اعظم فرمانے لگے۔ دیکھئے! جب میاں نے قسم کھائی۔ کہ جب تک پہلے تو مجھ سے نہ بولے گی۔ میں پہلے نہ بولوں گا۔ تو اب اگر بیوی چپ رہتی۔ تو اس صورت میں میاں کے بولنے پر قسم ٹوٹتی۔ مگر جبکہ بیوی نے بھی قسم کھالی۔ کہ "خدا کی قسم میں بھی تجھ سے نہ بولوں گی۔ جب تک پہلے تو نہ بولے"۔ تو اس صورت میں پہلے وہ بول پڑی اور میاں کی بات پوری ہو گئی۔ کہ تو مجھ سے پہلے بولے گی۔ تو میں بولوں گا۔ لہٰذا بیوی کے قسم کھانے پر اس کی طرف سے بولنے کا وقوع ہو گیا۔ اس لیئے اب میاں۔ بیشک کلام کرے اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اور جب یہ کلام کرے گا تو پھر بیوی بے شک کلام کرنے لگے۔ اس لیئے کہ اسکی قسم کھاتے کے بعد میاں بھی پہلے بول پڑے اور اس طرح بیوی کی قسم بھی نہ ٹوٹے گی۔ حضرت سفیان نے یہ تفصیل سنی تو بلیساختہ پکار اٹھے :۔

اِنَّهٗ لَيُكْشَفُ لَكَ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ شَیْءٍ كُلُّنَا عَنْهُ غَافِلٌ ۔

یعنی آپ کے لئے ایسے ایسے علمی اسرار رموز مکشوف ہوتے ہیں۔

جن سے ہم سب غافل ہوتے ہیں"

(تفسیر کبیر صـ۲۸۵ ج ۱)

مناظرہ اس کتاب میں ہے کہ چند لوگ حضرت امام اعظم کے پاس فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر مناظرہ کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے مناظرہ کر لیجیے۔ ہم ثابت کریں گے۔ کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور آپ ثابت کریں کہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ وہ سب متعدد افراد، اور بڑے جوش وخروش میں تھے اور حضرت امام اعظم تنہا تھے۔ حضرت امام اعظم نے اُن سے فرمایا کہ تم بہت سے افراد ہو۔ اور سب کے ساتھ تو مناظرہ ہو نہیں سکتا۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی جماعت میں سے اپنا ایک ایسا نمائیدہ مقرر کر لو۔ جو تم میں سے سب سے زیادہ عالم ہو۔ تاکہ وہ میرے ساتھ مناظرہ کرلے۔ پھر اس کی فتح تم سب کی فتح۔ اور اس کی شکست تم سب کی شکشت ہو۔ وہ بولے ٹھیک ہے لیجیے۔ یہ ہمارے عالم ہیں۔ جو آپ سے مناظرہ کریں گے۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ اچھا یہ تمہارا نمائندہ ہے؟ وہ بولے ہاں! فرمایا۔ اس سے مناظرہ کرنا ایسا ہی ہوگا نا جیسے تم سب سے مناظرہ کیا جائے وہ بولے ہاں۔ ! فرمایا! اس کی فتح تمہاری فتح۔ اور اس کی شکست تمہاری شکست ہو گی۔ وہ بولے ہاں۔ فرمایا۔ لیکن ایسا کیوں۔ ہوگا۔ وہ بولے اس لیے کہ اسے ہم نے چن لیا۔ اور خود آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ لہٰذا اس کی فتح وشکست ہماری ہی فتح وشکست ہوگی۔ حضرت امام اعظم فرمانے لگے تو مناظرہ ختم ہوا۔ اس لیے کہ ہم بھی نماز کے وقت، ساری جماعت میں سے ایک نمائندہ امام مقرر کر کے مصلّے پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ اور ہم سب کی طرف سے وہی جو قرأت کرتا ہے۔ وہ ہم سب ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور ہم سب خاموش رہتے ہیں"۔

حضرت امام اعظم کے اس جواب سے وہ سارے حیران رہ گئے اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔ (تفسیر کبیر ص۲۸۵ ج ۱)

دیکھا آپ نے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے علم واستدلال کو۔ سبحان اللہ! کیا شانِ علم ہے۔ اور ہمیں فخر ہے کہ ہم سارے ائمہ کرام میں سے اعلم واعظم امام کے مقلد ہیں اور ایسے امام کے مقلد ہیں۔ جس نے ساری عمر علمِ دین کے حصول وخدمت

میں گزار دی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔

ہاں تو بھائیو! میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ علم بڑی دولت اور نعمت ہے اور اس کی بدولت بڑی بڑی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ اور یہ علم انسان میں تو کیا۔ اس کا جلوہ اگر کسی۔ جانور پر بھی پڑے۔ تو اس میں بھی کیا۔ کمال پیدا ہوتا ہے۔

شکاری کتّا

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کتا جس چیز کو منہ لگا دے وہ چیز پلید ہو جاتی ہے۔ مگر جو سیدھایا ہوا، اور پڑھا ہوا۔ یعنے شکاری کتا ہے۔ مالک جب اُسے بسم اللہ پڑھ کر شکار کی طرف دوڑائے تو شکاری کتے کا پکڑا ہوا شکار پلید نہیں ہوتا بلکہ پاک ہوتا ہے اور یہ حکم صرف اس تعلیم کی بدولت ہے جو اس کتے کو دی گئی ہے۔ ورنہ کتے کے منہ سے لگی ہوئی چیز پلید ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر ص۲۴۴ ج ۱)

دیکھا آپ نے! اس علم کے جلوہ نے کتے کو بھی کچھ فضیلت دے ہی دی پھر جو انسان اس علم کو حاصل کرے گا۔ وہ کیوں نہ ہزار عزت وعظمت کو پائے گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

علم کی دولت ہے ایسی لازوال
جس کے آگے گنج قاروں کیا سوال
عمر بھر پڑھنے پڑھاتے جایئے
پایئے جتنا لٹاتے جایئے!
یہ وہ دولت ہے کہیں لے جاؤ ساتھ
آ نہیں سکتی کسی رہزن کے ہاتھ
علم ہے سرمایہ حُسنِ عمل
یہ نہ ہو تو دین میں پہنچے خلل!
علم سے دنیا میں رہ کر نیک کام
آخرت کے بھی سنور جاتے ہیں کام

علم سے جو چاہو سب کچھ جان لو
مقصد یہ ہے اللہ کو پہچان لو

علم والے لوگ با نام و نشان
مر کے بھی زندہ ہیں زیر آسمان

دوسری چیز میرے بھائیو! حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دوسری چیز پسندیدہ چیز تَرْکُ التَّرَفُّعِ وَالتَّعَالِیْ ہے۔ یعنی تکبر و غرور کا چھوڑنا۔ اور تواضع و انکسار کا اختیار کرنا۔ سبحان اللہ! یہ بھی کتنی مبارک چیز ہے

میرے بزرگو! مخلوق کے لیئے تکبر و غرور کسی صورت زیبا نہیں، "تکبر" کا معنی ہے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور حال یہ ہے کہ ساری مخلوق میں کوئی ایسی نہیں جس سے کوئی دوسرا بڑا نہ ہو۔ فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ کے مطابق ہر بڑے کے اوپر کوئی دوسرا اس سے بھی بڑا ہے۔ پھر کوئی تکبر کیوں کرے۔ تکبر وہ کر سکتا ہے۔ جس کے اوپر کوئی اس سے بڑا نہ ہو اور جس کے اوپر اس سے بھی زیادہ کئی اور بڑے ہوں پھر اس کا حق کیا ہے۔ کہ وہ تکبر کرے سارے عالم میں نظر دوڑایئے کوئی ہے۔ جس سے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔

میرے بھائیو! سب جانتے ہیں۔ کہ ساری مخلوق میں بڑے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہیں آپ سے کوئی بڑا نہیں۔ مگر خدا تو حضور سے بڑا ہے گویا حضور جو سب سے بڑے ہیں۔ ان سے بھی بڑا خدا ہے، ہاں خدا ہی ہے ہاں خدا ہی ایک ایسی ذات لاشریک ہے۔ کہ جس سے اوپر کوئی نہیں۔ لہٰذا یہ تکبر شان خدا ہی ہے۔ اسی لیئے خدا فرماتا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ (پ ۲۸ ع ۶)

وہی معبود ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ نہایت :

پاک، سلامتی دینے والا۔ امان بخشنے والا، حفاظت فرمانے والا، عزت والا، عظمت والا، تکبر والا"۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ کہ

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط (پ ۲۰، ع ۱۲)

یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لیے کرتے ہیں۔ جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے۔ اور نہ فساد"۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

ان ارشادات کے پیش نظر مخلوق میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ تکبر کرے"۔

سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تواضع

میرے بزرگو! اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرتِ مطہرہ کو دیکھو کہ ساری کائنات میں بڑے بڑے اختیارات و تصرفات کے مالک، بادشاہوں کے بادشاہ، نبیوں کے نبی، رسولوں کے رسول اور اللہ کے محبوب ہیں۔ مگر تکبر کا نام تک نہیں، بلکہ فرمایا تو یوں فرمایا کہ "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"۔

اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہی ہے ورنہ کہاں ہم اور کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اے

کہاں ہم اور کہاں وہ شاہِ لولاک
چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

اور اس کا یہ معنی بھی نہیں۔ کہ وہ حضور نے اگر تواضعًا ایسا فرمایا ہے۔ تو ہم بھی حضور کو بڑا نہ سمجھیں۔ اور اپنی مثل ہی سمجھنے لگیں ورنہ یہ تو پھر ایسی ہی

بات ہو جائے گی۔ جیسے کوئی بہت بڑا عالم کسی مجمع میں تواضعاً یوں کہے کہ صاحب ہیں تو ایک ہیچمدان، اور طالب علم ہوں۔ تو لوگ اس بزرگ ترین عالم کو۔ ہیچمدان اور اپنی مثل ہی سمجھنے لگیں۔

بھائیو! اس عالم نے اگر اپنے آپ کو تواضعاً ایسا کہا ہے۔ تو وہ یوں بیشک کہے لیکن دوسروں کا حق نہیں کہ وہ اُسے اپنی طرح کا بے خبر ہی سمجھنے لگیں۔ میرے بھائیو!۔ " اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ " میں خطاب حضور کا کافروں سے ہے مسلمانوں سے نہیں، اور ظاہر ہے کہ دشمن سے مخاطب ہوتے وقت یہی طرزِ عمل اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ میں تمہاری نظر میں چلو بڑا نہ سہی۔ مگر میری بات تو سنو۔ جیسے وہی عالم کسی مخاطب سے کہے کہ میاں میں کب کہتا ہوں۔ کہ میں بہت بڑا عالم ہوں میں تو ایک طالب علم ہوں تو استاد کے منہ سے یہ جملہ سن کر اس کے اپنے شاگردوں کا کوئی حق نہیں کہ وہ بھی اب اپنے مربّی واستاد کو اپنی مثل ایک طالب علم ہی سمجھنے لگیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دشمنوں سے مخاطب ہو کر اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ فرمایا ہے تو امت کا ہرگز حق نہیں کہ وہ بھی اپنے آقا و مولیٰ کو اپنی مثل ہی سمجھنے لگیں۔ اور اگر یہی اصول مقرر کر لیا جائے۔ کہ حضور نے جب خود ایسا فرمایا ہے۔ تو ہمیں کہنے میں کوئی باک کیوں ہو۔ تو پھر فرمایئے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں یہ عرض کی تھی

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اور یونس علیہ السلام نے۔

اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

کہا تھا۔ تو کوئی مسلمان، حضرت آدم، اور حضرت یونس علیہ السلام کو ظالم کہہ سکتا ہے۔ استغفر اللہ!۔ جو ظالم ایسا کہے گا وہ ظالم خود اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ اور اپنی عاقبت برباد کرے گا۔

میرے بھائیو! ماں اگر عورتوں میں اپنی زبانی یوں کہے۔ کہ میں۔ "زید" کی جورو ہوں۔ تو ماں کے بیٹے کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ کہ وہ بھی کہو، "میرے ابا کی جورو" کہنے لگے۔ لائق بیٹے کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ماں،، اماں جان ،، امی جان،، والدہ

محترمہ جیسے اچھے الفاظ سے یاد کرے۔ اور یہ کبھی خیال نہ بھی کرے کہ ماں جب اپنی زبان سے میرے ابا کی جورو بن رہی ہے۔ تو مجھے یہ لفظ کہنے میں کیا ڈر ہے۔ میرے بھائیو! سمجھ والے کے لیئے یہی ایک مثال کافی ہے۔

ہاں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ میں تکبر کا نام تک نہیں پھر غور کرو کہ جو ساری کائنات میں بڑے ہیں۔ وہی تکبر نہیں فرماتے۔ تو پھر دوسرا کون ہے۔ جو تکبر کر سکے؟

تقسیم کار ایک مرتبہ صحابہ کرام نے ایک بکری ذبح کی تو صحابہ کرام نے گوشت پکانے کے لیئے کام تقسیم کیئے بعض نے کہا میں گوشت صاف کروں گا۔ بعض نے کہا۔ میں پکاؤں گا۔ بعض نے اپنے ذمہ کوئی دوسرا کام لے لیا اور حضور نے فرمایا۔ ؎

آپ نے فرمایا کھانا میں بھی آخر کھاونگا!
کچھ نہیں تو خیر جا کر لکڑیاں چن لاونگا

آپ نے فرمایا۔ لکڑیاں میں چن لاؤں گا۔

(نزہتہ المجالس صہ ۱۲۰ ج ۱)

دیکھا آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو۔ کہ اس قدر جلالتِ شان کے باوجود۔ آپ اپنے غلاموں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کا اعلان فرما رہے ہیں؟

بھائیو! اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو۔ اور اپنے آقا کی سیرتِ مطہرہ کے پیشِ نظر اپنا کام آپ کرنے کو خلافِ فیشن سمجھے ہوئے۔ اپاہج نہ بنو۔ اور یہ نہ کرو کہ تمہارے پاؤ بھر آلو دو۔ اور ڈیڑھ پاؤ سبزی بھی کوئی نوکر ہی اٹھائے، اور تمہارے بوٹوں کے تسمے بھی کوئی نوکر ہی باندھے اور تمہیں کوٹ بھی کوئی دوسرا پہنائے سچ ہے۔ ؎

ہم کو فیشن نے نکما کر دیا !
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

شیطان کی بات

میرے بزرگو! یہ شیطان مردود باوجود بہت بڑے رتبہ کے محض تکبر ہی کی وجہ سے مارا گیا اور جب اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ تو وہ اکڑ گیا اور کہنے لگا۔

"اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ"

میں آدم سے بہتر ہوں"

بس اسی تکبر سے وہ راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اور ذلت ولعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا گیا ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

قبر پر جانے سے انکار

یہاں ایک پر لطف روایت بھی سن لیجئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیطان نے جب حضرت نوح علیہ السلام سے عرض کی۔ حضور! میں اللہ تعالیٰ سے معافی لینا چاہتا ہوں۔ اور توبہ کرنے کو تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے۔ کہ وہ میری توبہ قبول کرے اور مجھے معاف فرما دے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کی یہ بات اللہ سے عرض کر دی۔ تو خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ اس سے کہہ دیجئے۔ کہ

اَنْ یَّاْتِیَ قَبْرَ اٰدَمَ فَیَسْجُدُ لَہٗ۔

وہ اب بھی آدم علیہ السلام کو سجدہ کر دے تو میں بخش دوں گا"

(نزہۃ المجالس ص ۱۲۱ ج ۱)

مطلب یہ کہ شیطان پر ہمارا غضب تو اسی لیئے ہے کہ اس نے ہمارے پیغمبر سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور اس کے آگے سجدہ نہ کیا۔ اور اگر اب وہ ہم سے معافی چاہتا ہے۔ تو ہمارا پھر یہی فرمان ہے۔ کہ ہمارے پیغمبر کی قبر پر حاضر ہو کے اور وہاں آ کر اب بھی جھک جائے۔ تو ہم راضی ہو جائیں گے"

مسلمانو! جانتے ہو۔ کہ شیطان ملعون نے اس کے جواب میں کیا کہا؟۔
شیطان کہنے لگا۔

مَا اَنَا سَجَدْتُ لَهٗ حَيًّا فَكَيْفَ اَسْجُدُ لَهٗ مَيْتًا ۔

میں نے اُسے جب وہ زندہ تھا۔ اس وقت سجدہ نہیں کیا تھا۔ تو اب جب کہ وہ مرگیا ہے۔ اُسے سجدہ کیوں کروں"۔ (کتاب مذکور)

دیکھا آپ نے! خبیث کی وہی اکڑ باقی رہی اور کس طرح اللہ کے پیغمبر کی قبر پر بھی حاضری دینے سے انکار کرنے لگا۔ اور کس طرح بھرے منہ سے انہیں "امرا ہوا" معاذ اللہ کہنے لگا۔ سچ ہے۔ رسی جل گئی۔ مگر بل نہ گیا۔ مردود ذلیل وخوار، اور برباد ہوگیا، مگر اکڑ پھر بھی نہ چھوڑی۔ بدقسمت اگر اللہ کے پیغمبر کی قبر پر آجاتا۔ تو معافی پا لیتا۔ مگر محروم ازلی تھا۔ نہ تو اللہ کے پیغمبر سے قبل از وصال کچھ پا لیتا۔ اور نہ ہی ان کی بارگاہ میں بعد از وصال جا سکا محروم کا محروم ہی رہا۔

تکبّر کی وجہ سے گناہ

حضرات! یہاں ایک بات اور بھی سمجھ لیجیئے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ

جو گناہ شہوت کی بنا پر صادر ہو۔ اس کی مغفرت کی تو توقع ہوسکتی ہے۔ اور سچے دل سے توبہ کرنے سے وہ گناہ معاف ہوسکتا ہے۔ مگر جو گناہ تکبر کی وجہ سے صادر ہو۔ اس کی مغفرت کی توقع بھی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایسے مجرم کو توبہ کی توفیق ہی نہیں ملتی اور شیطان کا گناہ چونکہ اسی تکبّر کی وجہ سے تھا۔ اس لیئے وہ توبہ کی توفیق بھی نہ پا سکا۔ اور نہ پا سکے گا"

میرے بھائیو! اس تکبّر وغرور سے بچو۔ اور کبھی اس مہلک چیز کو اپنے اندر پیدا نہ ہو جانے دو۔ تکبّر بس ایک ذاتِ باری ہی کے لیئے زیبا ہے اور وہ نہیں جانتے۔ کہ اس مخلوق اس کے اسو ، صد ... اہلِ اللہ کہ ... کہا دعو ... کر ... ز

گے اور خدا تعالیٰ ایسے متکبر پر سخت ناراض ہوتا ہے اور اس دنیا میں بھی اسے ذلیل کرتا ہے۔

ایک روایت علامہ صفوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عبرت آموز روایت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔ سورج نے اپنی آب و تاب، اور چمک دمک پر تکبر کیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے ایک ابر کے ٹکڑے سے اس کا تکبر توڑ دیا۔ چنانچہ جب ابر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی اس کے مقابل آجائے تو اس کی ساری آب و تاب جاتی رہتی ہے اور جب چاند نے اپنے حسن و جمال، اور اپنی روشنی پر تکبر کیا۔ تو خدا نے اُسے نقصان اور گھاٹے کی مصیبت میں ڈال کر اس کا تکبر توڑ دیا۔ اور زمین نے جب اپنی وسعت و بڑائی پر تکبر تو کیا۔ تو خدا نے اُسے بڑے بڑے پہاڑوں کے ساتھ مغلوب و مقہور کر دیا۔ اور جب پہاڑوں نے اپنی سختی و مضبوطی پر تکبر کیا تو خدا نے انہیں لوہے کے سبب مقہور و مغلوب کر دیا۔ جو اس کے سخت سے سخت پتھروں کو کاٹ دیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب لوہے نے تکبر کیا تو اس کی شوکت بادل سے مٹادی کہ وہ اُسے دائیں، بائیں منتشر کر دیتا ہے جب بادل نے تکبر کیا اس کے تکبر کو ہواؤں کے سبب پامال کر دیا کہ وہ اُسے مشرق سے مغرب، اور اِدھر سے اُدھر اڑائے جاتی ہیں۔ ہوا نے تکبر کیا تو اُسے آدمی کی وجہ سے مغلوب کر دیا۔ کہ وہ ایسے ایسے مکان بنا لیتا ہے جن میں ہواؤں کا گزر ہی نہیں ہو سکتا۔ اور جب آدمی نے غرور کیا۔ تو اس کے غرور و تکبر کو نیند کے ساتھ مغلوب کر دیا۔ اور جب نیند نے تکبر کیا۔ تو اُسے مرض کے وجود سے اڑا دیا۔ اور جب مرض نے ناز و غرور کیا تو اسے موت کے ساتھ اڑا دیا۔ موت نے تکبر تو اس کا غرور قیامت کے روز توڑ دیا جائے گا۔ (نزہتہ المجالس ص۱۲۲ ج ۱)

میرے بھائیو! اس روایت کو سن کر عبرت حاصل کرو۔ اور جان لو کہ ہمیں کسی تکبر کرنے کا حق حاصل نہیں۔ ہے۔ تکبر کے لائق صرف ایک خدا ہے لہذا

اس انانیت کو قریب بھی نہ آنے دو۔ اور اپنی نظر ہمیشہ خدا پر رکھو اور بڑا سمجھو۔ اور اس کی دی ہوئی بڑائی پر اس کا شکر ادا کرو۔

بکرے کا تکبر یہاں چند اشعار بھی آپ کو سنا دوں۔ جو بڑے ہی عبرت ناک آموز ہیں۔ شاعر لکھتا ہے۔ کہ یہ " بکرا " جو ہر وقت " میں " اور " میں " کرتا رہتا ہے۔ دیکھیئے! اس کی اس فخر بہ " میں میں " کا انجام کیا ہوتا ہے "

فخر بکرے نے کیا میرے سوا کوئی نہیں
میں ہی میں ہوں اس جہاں میں دوسرا کوئی نہیں
جب نہ ہو چھوڑی میں میں اس بے مایہ بے اسباب کے
پھیر دی گردن پہ تنگ آکر چھری قصاب نے
گوشت ہڈیاں اور چمڑہ، جو تھا جسم راز میں!
کچھ پکا اور کچھ پکا، اور کچھ گیا بازار میں!
رہ گیئں آنتیں فقط " میں میں سنانے کے لیئے
لے گیا ندّاف اُسے دھنکی بنانے کے لیئے
آنت پر پڑنے لگیں چوٹیں، تو گھبرانے لگی
میں کے بدلے تو ہی تو کی اب صدا آنے لگی

دیکھا آپ نے یہ بھی " میں میں " کرنے والا۔ آخر کار ندّاف جب اس کے ساتھ آنت کی شکل میں، روئی کو دھنتا ہے۔ تو غور سے سنیئے کہ اب اس کی آواز کیا ہے؟ اب اس کی آواز " میں میں " تو نہیں۔ بلکہ تو ہی تو۔ تو ہی تو تو ہی تو ہے

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ۔

تیسری چیز حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تیسری محبوب چیز یہ بیان فرمائی۔

قَلْبٌ مِنْ حُبِّ الدُّنْیَا خَالِیْ

وہ دِل جو دنیا کی محبت سے خالی ہو۔"

سبحان اللہ! کیا اچھی بات ہے یہ بھی میرے بھائیو! خدا تعالیٰ نے پیدا ہی اپنی محبت کے لیے فرمایا ہے۔ اس لیے اس میں خدا ہی کی محبت ہونی چاہیئے۔ اور اس دل میں دنیا کی محبت رکھنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے دودھ کے برتن میں شراب ڈال دینا۔ بزرگوں! نے لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہاتھ دو دیئے ہیں آنکھیں دو دی ہیں۔ پیر دو دیئے۔ ہیں۔ مگر دل ایک ہی دیا ہے۔ اسی طرح زبان بھی ایک ہی دی ہے اور اس کی وجہ سے یہ ہے کہ دل خدا نے اپنی محبت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اور خدا چونکہ ایک ہے۔ اور یہ زبان بھی چونکہ دل کی ترجمانی کرتے ہوئے، اللہ اللہ، کرنے لگتی ہے اس لیئے اس ذاکر کو بھی خدا نے ایک ہی پیدا فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ دل مقامِ ابراہیم ہے اور اس میں اُسی کا جلوہ ہونا چاہیئے۔

خدا کا گھر امام فخرالدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے بندہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے!۔ تمہارا دل میرا گھر ہے اور میری جنت تمہارا گھر ہے اور دیکھ لو میں نے تمہارے گھر۔ یعنی جنت میں شیطان کو داخل نہیں ہونے دیا۔ پس انصاف یہ ہے کہ تم بھی میرے گھر، یعنی اپنے دل میں شیطان کو داخل نہ ہونے دو اور اگر تم نے اس میرے گھر میں اُسے لا بٹھایا۔ تو یہ انصاف نہ ہوگا۔

سبحان اللہ! کیا ہی سبق آموز ارشاد ہے۔ بھائیو! جس دل میں خدا کی محبت نہیں۔ اور دنیا آباد ہے وہ دل، یادِ حق اور محبت حق سے آباد ہے۔ مگر افسوس! کہ آج کل اس دل کی آبادی دراصل برباد ہے آباد نہیں دل کی آبادی کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے شاعر لکھتا ہے۔

لاند ہبی سے ہو نہیں سکتی فلاحِ قوم
ہرگز گزر سکیں گے نہ ان منزلوں سے آپ

کعبہ سے بت نکال دیئے تھے رسول نے
اللہ کو نکال رہے ہیں دِلوں سے آپ

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تو کعبہ سے بُت نکال دیئے تھے۔ لیکن آج کل دل سے خدا کو نکال رہے ہیں فرمایئے۔ یہ کتنی بڑی ناعاقبت اندیشی ہے ہمارے امام ہمام نے یہی درس دیا کہ اس دل کو دنیا کی محبت سے خالی رکھو اور جو اس گھر کا مالک ہے۔ اُس کے لیے اِسے دنیوی آلائشوں سے صاف ستھرا رکھو۔

دُنیا میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ کہ دنیا نام ہے۔ خدا تعالیٰ کو بھول جانے اور اس سے غافل ہو جانے کا۔ یہ مال و زر، بیوی بچے، جائیداد وغیرہ اسے دنیا نہیں کہتے۔ یہ سب چیزیں آپ کے پاس موجود ہوں لیکن ہوں دل سے باہر باہر۔ یعنی دل میں ان کی محبت نہ ہو۔ دل میں محبت خدا ہی کی ہو تو آپ دنیادار نہیں اور اگر ان چیزوں کی آپ کے دل میں محبت ہے تو آپ پکے دنیا دار ہیں۔ اور ان چیزوں کی محبت کا یہ مطلب ہے۔ کہ خدا اور رسول کے احکام کی پروا نہ کی جائے۔ اور ان چیزوں کو مقدم رکھا جائے۔ مثلاً شریعت فرماتی ہے کہ صاحبِ نصاب ہو۔ تو سَو میں سے اڑھائی نکالو۔ تو یہ حکم سُن کر اگر دل تنگ ہو۔ اور زکوٰۃ نکالنے پر دل نہ چاہے۔ تو سمجھ لیجئے کہ آپ کے دل میں دنیا کی محبت ہے۔ اور اگر آپ کے دل سے یہ آواز آئے۔ کہ یہ اڑھائی کیا وہ سَو کا سَو مانگے تو میں حاضر ہوں۔ اس لیئے کہ یہ سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے تو پھر آپ لکھ پتی ہو کر بھی دنیادار نہیں۔ ؎

خدا کے نام جو دے اک ذرہ محبت سے
ہے تیرے واسطے بہتر ہزار طاعت سے
نہ دے جو ایک بھی حبّہ تو مال کے ہوتے
زیادہ ہے وہ ہزاروں گناہ کی شامت سے

میرے بزرگو! یہ مالِ زر، بیوی بچے، جائیداد وغیرہ اگر خدا دے تو سب

رکھو۔ اور اس سے فوائد حاصل کرو مگر خبردار! ان چیزوں کی محبت دل میں داخل نہ ہونے دو۔ دِل کو خدا ہی کی محبت کے لیئے رہنے دو۔ پانی کشتی سے باہر ہی باہر رہے تو کشتی کو تیراتا ہے۔ اور اگر آپ اُس پانی سے کشتی بھرنے لگیں تو وہی پانی آپ کو لے ڈوبے گا اسی طرح یہ دنیا دل سے باہر باہر رہے گی۔ تو آپ اس دنیا سے فوائد حاصل کرتے رہیں گے اور اگر آپ نے اس کی محبت سے دل کو بھرنا شروع کر دیا۔ تو قارون کا انجام دیکھ لیجیئے۔ کیا ہوا! ۔ یہ دنیا اُسے لے ڈوبی۔ اور وہ زمین میں دھنسا دیا گیا۔

بھائیو! ۔ یہ دنیا بظاہر بڑی دلفریب ہے۔ لیکن باطن اس کا بڑا ہی بھیانک اور ہولناک ہے۔ اہل دنیا اس کی ظاہری شکل وصورت پر مرتے ہیں۔ لیکن اللہ والوں کی نظر اس کے باطن پر بھی ہوتی ہے۔ اور وہ اس کو کبھی دل کے قریب بھی نہیں آنے دیتے۔ اعلیحضرت نے کیا خوب لکھا ہے کہ۔

شہد دکھائے، زہر پلائے، قاتل ڈائن، شوہر کش
کس مردار پہ تو للچایا، دنیا دیکھی بھالی ہے۔!

پس اے میرے بھائیو! اس اپنے دل کو اپنے امام ہمام کی طرح حب دنیا سے خالی رکھو۔ اور اس دل کو۔
انوارِ حق سے منوّر اور روشن کر لو۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ





اکیسواں خطاب ۲۱

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ٥

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ الْاِمَامُ مَالِکٌ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ مُجَاوَرَۃُ رَوْضَتِہٖ وَ مَلَازَمَۃُ تُرْبَتِہٖ وَتَعْظِیْمُ اَھْلِ بَیْتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بھی تمہاری دُنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔ روضۂ (رسول) کے قرب و جوار میں رہنا۔ قبرِ انور کے ساتھ لگنا اور اہل بیت کی تعظیم کرنا۔

حضرات! جب یہ حدیثِ پاک حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو۔
انہوں نے فرمایا۔ کہ تین چیزیں مجھے بھی بڑی پسند ہیں۔
مُجَاوِرَةُ رَوْضَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کے پڑوس میں رہنا وَمُلَازَمَةُ
تُرْبَتِهٖ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضر رہنا۔ وَتَعْظِيْمُ
اَهْلِ بَيْتِهٖ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی تعظیم کرنا۔

پہلی چیز حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی پسندیدہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنا بیان فرمائی ہے۔ سبحان اللہ
کیا ہی ایمان افروز پسند ہے۔ اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کو اپنی پسندیدہ
چیز بارگاہِ حق سے مل بھی گئی۔ اور آپ کا مدینہ منورہ ہی میں قیام رہا۔ اور وہیں
وصال بھی ہوا۔ اور بعد از وصال بھی روضۂ انور کے پڑوس ہی میں آپ کو جگہ ملی
اور آپ آج تک جنت البقیع میں آرام فرما ہیں"
میرے بھائیو! ذرا ان بزرگانِ دین کے عشقِ رسول کا جذبہ تو دیکھو۔
کہ مدینہ منورہ سے کس قدر پیار و الفت ہے۔ صرف اس لیے کہ یہ محبوب
کا شہر ہے مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ کسی عاشق سے کسی نے
پوچھا کہ تم نے بڑی سیاحت کی ہے۔ اور بڑے بڑے شہر دیکھے ہیں"

پس کدامے شہر از وے خوش تر است
گفت آں شہرے کہ در وے دلبر است

یہ تو بتاؤ۔ ان سب شہروں میں تمہیں کونسا شہر پسند آیا؟ اور کون سا شہر
اچھا ہے؟ عاشق نے جواب دیا۔ کہ وہ شہر جس میں میرا محبوب رہتا ہے
بھائیو! بلا تشبیہ قرآن پاک کو پڑھیے۔ تو خدا تعالیٰ مکہ معظمہ کی قسم
فرماتے ہوئے فرماتا ہے کہ مجھے یہ شہر اس لیے پسند ہے اور اس کی قسم
اس لیے فرماتا ہوں کہ اَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ اے محبوب! تو اس شہر میں

رہتا ہے۔

سبحان اللہ! خدا تعالیٰ کو کس قدر پیار ہے۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یہ ایک ایسی گراں قدر نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نعمت انہیں بندوں کو عطا فرماتا ہے جنہیں حق تعالیٰ سے خاص تعلق ہے۔ دیکھئے! ایک بادشاہ جام نوش کرتا ہے اور اپنا جوٹھا اپنے کسی خاص مقرّب، اپنے کسی خاص دوست اور اپنے کسی وزیر ہی کو دیتا ہے۔ آپ نے یہ کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ کہ بادشاہ اپنا جوٹھا کسی بھنگی کو دیدے!

بھائیو! محبت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ایک ایسا تبرکِ حق ہے جو خدا تعالیٰ اپنے نیک اور مقرب بندوں ہی کو عطا فرماتا ہے۔ اور جنہیں یہ تبرّک حاصل نہیں۔ وہ دراصل اس کے اہل ہی نہیں ہیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ بھی انہیں خدا کے مقربین و مقبولین میں سے ایک ہیں۔ اور خدا نے اپنے خاص انعام آپ پر اس قدر فرمایا کہ آپ مدینہ منورہ کے سوا کسی اور جگہ دل ہی نہ لگتا تھا اور عمر بھر آپ مدینہ منورہ ہی میں رہے۔ فریضہ حج ادا کرنے کے لیئے ایک سال مکہ معظمہ گئے اور اس کے بعد پھر مدینہ منورہ کو نہیں چھوڑا۔ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ درخواست بھی کی کہ میرے ساتھ بغداد شریف لے چلیں مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا۔ میں جوارِ رسول کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔

مدنی لڑکا

۱۹۵۸ء میں جب میں حج کرنے کے لیئے گیا تھا تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک مولوی صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ یہاں ایک مدنی غریب لڑکا ہے میں نے اُسے کچھ ہدیۃً دیا اور کہا کہ تم میرے ساتھ پاکستان چلے چلو اس مدنی لڑکے نے پوچھا پاکستان میں کیا ہے۔ میں نے کہا بڑا اچھا ملک ہے وہاں بڑے بڑے شہر ہیں بڑے بڑے باغات ہیں۔ بڑے بڑے لذیذ میوہ جات ہیں۔ اور مدینہ منورہ کے چاہنے والے اور اہل مدینہ کے محبت رکھنے والے مسلمان ہیں۔ الغرض

میں نے بہت کچھ بتایا۔ تو وہ مدنی لڑکا سبز گنبد (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا مولوی صاحب! وہاں یہ سبز گنبد بھی ہے میں نے کہا نہیں۔ میرے مخدوم لڑکے یہ نعمتِ عظمےٰ وہاں نہیں ہے۔ تو وہ بولا۔ تو پھر مولوی صاحب! میں اس نعمتِ عظمےٰ کو چھوڑ کر بھلا کہیں اور کیوں جاؤں! ؎

سیرِ گلشن کون دیکھے دشتِ طیبہ چھوڑ کر!
سوئے جنت کون جائے در تمہارا چھوڑ کر!
سرگذشتِ غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر!
مر ہی جاؤں میں اگر اس در سے جاؤں دو قدم
کیا بچے بیمارِ غم قریبِ مسیحا چھوڑ کر!
ایسے جلووں پر کروڑوں لاکھ حوروں کو نثار
کیا غرض کیوں جاؤں جنت مدینہ چھوڑ کر

میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ مدینہ پاک کا مقدس شہر ہے ہی ایسا کہ اُسے چھوڑنے پر دل ہی نہیں چاہتا، اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی یہ پسندیدہ چیز کہ روضۂ انور کے پڑوس میں رہنا واقعی ایک پسندیدہ ہے کہ ہر صاحبِ ایمان کا دل پکار اٹھتا ہے کہ واقعی یہ چیز ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا زِیَارَۃَ قَبْرِ نَبِیِّکَ وَاَمِتْنَا فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ۔

دوسری چیز دوسری اپنی پسندیدہ چیز حضرت امام مالک نے یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر حاضری دیتے رہنا۔

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز ہے یہ پسندیدہ چیز بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور پر حاضری، بخدا یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کے لیئے فرشتے بھی بے چین رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ فرشتے ہر روز ستر ہزار

صبح اور ستر ہزار شام حضور صلی علیہ وسلم کی قبر انوار پر حاضری دیتے ہیں۔ اور قیامت تک پھر ان کا نمبر نہیں آتا۔ اور وہ ہر روز ستر ہزار کی تعداد میں نئے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۲)

کعبہ سے افضل

دیکھا آپ نے قبرِ انور کی حاضری کتنی بڑی نعمت ہے :
میرے بھائیو ابھی وہ مقام ہے۔ جو کعبہ سے افضل ہے یعنی زمین کا وہ قطعۂ پاک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدنِ انور جس کے ساتھ مس کئے ہوئے ہے وہ مقام کعبہ سے بھی افضل ہے علماء کا اس امر میں تو اختلاف ہے کہ مکہ شریف افضل ہے۔ یا مدینہ شریف، بعض کے نزدیک مکہ شریف افضل ہے۔ اور بعض کے نزدیک مدینہ شریف لیکن اس امر میں کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ وہ زمین کا مقام جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں یعنے قبر انوار وہ مقام ہے کہ وہ مقام کعبہ سے بھی افضل ہے چنانچہ محدثین کرام فیصلہ فرما چکے ہیں۔

اَلْكُلُّ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰى اَنَّ الْمَحَلَّ الَّذِيْ ضَمَّ اَعْضَاءَهُ الشَّرِيْفَةَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ مِنْ كُلِّ مَكَانِ الْكَعْبَةِ۔

اس بات پر سب متفق ہیں کہ وہ محل شریف جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف مس فرمائے ہوئے ہے کعبہ کے ہر مقام سے افضل ہے۔ (خلاصۃ الوفا۔ شواہد الحق للنبہانی ص ۵۲)

عرش سے افضل

اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

قبر شریف بہشت وغیرہ ہر ایک مکان سے افضل ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر قبر شریف کو عرش عظیم سے بھی افضل کہا جائے تو کسی سچے مومن کو اس بات کے ماننے میں تامل نہیں ہو سکتا اس لیئے کہ عرش و فرش سب ہی حضور کی طفیل ہیں ۔۔

سہاگن | اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا ایک عجیب انداز میں فیصلہ فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔

کعبہ دلہن ہے تربت اطہر نئی دلہن
وہ رشکِ آفتاب یہ غیرت قمر کی ہے

یعنی کعبہ معظمہ کو ایک دلہن، سمجھے، اور قبرِ انور کو بھی دوسری،، دلہن،، تصور کیجیے ان دونوں دلہنوں کے دولہا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ دونوں ہی دولہنیں حسن و جمال کی مخزن ہیں۔ ایک رشکِ آفتاب ہے تو دوسری غیرت قمر۔ لیکن ان دونوں میں سے زیادہ خوش بخت کونسی دلہن ہے فرماتے ہیں۔

دونوں بنیں اپنی سجیلی بنیں مگر ! !
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے

دونوں ہی حسین و جمیل ہیں۔ لیکن دولہا جس دلہن کے پاس ہے خوش نصیب اور سہاگن وہی ہے۔

پھر فرمایا۔ کہ دیکھ لیجیے۔ سیاہ لباس، ہجر و فراق کا ہوتا ہے اور سبز لباس قرب و وصال کا یہی وجہ ہے۔ کہ ؎

سر سبز وصل وہ ہے سیاہ پوش ہجر یہ ! ! !
چمکی دوپٹوں سے ہے جو حالت جگر کی ہے

روضۂ انور کا غلافِ انور سر سبز اسی لیے ہے کہ قبر انور وصال کے مزے لوٹ رہی ہے اور کعبہ معظمہ کا غلاف آج تک کالا اسی لیے ہے کہ وہ ہجر فراق میں ہے۔ گویا اس نے سبز رنگ کا دوپٹہ اوڑھ رکھا ہے اور اس نے سیاہ رنگ کا۔ اور یہ ان کے اپنے اپنے دلی جذبے کا عکس ہے۔

سبحان اللہ! اعلیٰحضرت نے کیا ہی ایمان افروز اور اپنے نئے انداز میں اس مسئلہ کو حل فرما دیا ہے

پروانے | میرے بھائیو! وہ قبرِ انور ہے جس کی کشش سے اطراف عالم کے پروانے

اس شمع کے گرد جمع رہتے ہیں۔ بھائیو! یہ قبر انور ایک فانوس نور ہے اور پروانہ ہائے شمع رسالت اس نور حق کے پاس حاضر ہوتے ہیں جس نور پاک کا منبع و مخزن یہ قبر انور ہے۔ بھائیو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے جو قبر پاک کی حاضری کو اپنی پسندیدہ چیز بیان فرمائی ہے تو یہ دراصل اس نور پاک کی حاضری ہے جس کے جلوے اس قبر انور سے متعلق ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک روز قبر شریف پر حاضر ہوئے اور قبر انور کے ساتھ لپٹ گئے اتنے میں مروان آگیا اور اس نے حضرت ایوب کے زانوں کو پکڑ لیا اور کہا یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔؛ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا

نَعَمْ اِنِّیْ لَمْ اٰتِ الْحَجَرَ وَلَا اللَّبِنَ اِنَّمَا جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ـ

ہاں میں جانتا ہوں اور یہاں اینٹ پتھر کے پاس نہیں آیا میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوں"۔ (شواہد الحق للنبہانی ص۵۴)

سبحان اللہ! حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کیا اچھا فیصلہ فرمایا ہے کہ سطحی نظر رکھنے والے ہمیں قبروں پر آنے والے اور خدا جانے کیا کیا کچھ سمجھتے ہیں حالانکہ ہم قبروں پر نہیں بلکہ ان مقبولان حق کے پاس آتے ہیں جو ان قبروں میں تشریف فرما ہیں۔

میرے بھائیو! آج بھی دیکھ لو۔ مثلاً لاہور ہی جانے والے مسلمانوں میں سے کوئی شاہدرہ کے مقبرہ جہانگیر پر نہیں جاتا۔ اسی طرح دوسری بھی کئی ایک بظاہر بڑی بڑی شاندار قبریں ہیں۔ مگر مسلمان وہاں نہیں جاتے اور حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی قبر انور پر ضرور حاضر ہوتے ہیں تو یہ مسلمان قبر پرست ہوتے تو جو شاندار قبر نظر آتی ہے وہیں گر جاتے۔ لیکن نہیں۔ یہ تو پروانے ہیں اس نور حق کے جس کے جلوے جس قبر پر آئیں وہیں پروانہ وار حاضر ہو جاتے ہیں دیکھ لیجئے! پروانہ جو لالٹین کی چمنی کے گرد گھومتا ہے اور اسی سے لپٹتا ہے

لیکن حقیقت میں وہ اُس چمنی کے پاس نہیں آتا۔ بلکہ اس چمنی کے اندر جو نور ہے وہ اس کے پاس آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس لالٹین کے پاس دن کو کوئی پروانہ نہیں آتا اس لیئے کہ اس وقت چمنی کے اندر وہ نور موجود نہیں ہوتا۔ تو میرے بھائیو! یہی وجہ ہے کہ بعض قبروں پر کوئی بھی نہیں جاتا حتیٰ کہ اس قبر والے کے اپنے عزیز بھی وہاں نہیں جاتے۔ اس کے لیئے کہ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اور یہ جو اللہ والے ہیں، یہاں نور ہی نور ہے۔ اس پروانے وہاں جمع ہوتے ہیں۔ اور تسکین پاتے ہیں۔ اور یہ تو اللہ والے مقبولوں کی بات ہے پھر جوان سب کے سردار اور آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کی قبر انور کی عظمت و برکت کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ ہا میرے بھائیو! یہی حقیقت ہے کہ قبر انور ہی کی کشش پاک سے اطراف عالم کے پروانے، مدینہ منورہ کی حاضری دیتے ہیں اور اگر مدینہ منورہ میں کبھی یہ رونق نہ ہوتی۔ اور یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ محدثین کا یہی فیصلہ ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:"

إِنَّهُ لَوْ كَانَ الْحُكْمُ فِي السَّفَرِ لِزِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّحْرِيمَ كَمَا زَعَمَهُ ابْنُ تَيْمِيَةَ لَامْتَنَعَ النَّاسُ لِذٰلِكَ مِنْ زِيَارَتِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَصَارَتِ الْمَدِيْنَةُ الْمُنَوَّرَةُ مِنْ أَحْقَرِ الْمُدُنِ بَلْ مِنْ أَحْقَرِ الْقُرٰى وَكَادَتْ تَكُوْنُ خَرَابًا۔ فَإِنَّمَا عِمَادُ تُهَا إِنَّمَا هِيَ لِوُجُوْدِ قَبْرِهِ الشَّرِيْفِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (شواہد الحق للنبہانی ص۲۵)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے لیئے اگر سفر کرنا منع ہوتا۔ جیسے کہ ابن تیمیہ کا خیال ہے تو لوگ اس زیارت سے رُک جاتے، اور مدینہ منورہ کا مقدس شہر دوسرے اور قریوں سے حقیر ہو جاتا اور ویران و برباد ہو جاتا ہے۔ مگر مدینہ منورہ کو جو یہ عظمت و شرافت اور رونق و آبادی ملی ہے۔ یہ

سب برکت ہے قبر انور کی بدولت مدینہ منورہ کی سی ساری رونقیں ہیں۔

میرے بھائیو ایسی عقیدت ہے۔ جو آپ نے سن لی۔ اور اسی واسطے حضرت امام مالک رضی عنہ نے اپنی دوسری پسندیدہ چیز قبر انور کی حاضری بیان فرمائی ہے"

تیسری چیز

حضرت امام مالک نے اپنی تیسری پسندیدہ چیز۔ میرے احضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم کرنا بڑی ضرورت ہے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے اہل سنت و جماعت کے ایک بہت بڑے امام ہیں اور ان کی یہ پسندیدہ چیز ہے پھر کیوں نہ کہا جائے۔ کہ اہل سنت و جماعت اہل بیت کے خادم و محبت ہیں میرے بھائیو! یہ بات کبھی وہم میں بھی نہ لانا کہ اہل سنت کے دل میں اہل بیت کی محبت نہیں ہے۔ ع

یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی

جس کے دل میں اہل بیت عظام کی محبت نہیں اُسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے پیار نہیں۔ ہمارا تو یہ مسلک ہے جو حضرت حسن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرما گئے۔ کہ ؎

باغ جنت کے ہیں بہرِ مدح خوانِ اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہل بیت!
اُن کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں!
آیہ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہل بیت
اِن کے گھر میں بے اجازت جبرئیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہل بیت کی

صحتِ مند

میرے بھائیو! یہ بات یہاں یاد رکھنی ضروری ہے۔ کہ ہر مسلمان کے لیئے سیّد ہو یا غیر سیّد صحتِ عقیدہ اور حسنِ عمل ضروری ہے۔ یعنی کوئی سید ہو۔ مغل ہو۔ پٹھان ہو۔ یا کچھ اور لیکن اس کا صاحبِ ایمان اور صالح ہونا ضروری ہے۔ اور کوئی۔ صاحب بدعقیدگی کا شکار ہو جائیں تو پھر ان کی عزت وعظمت باقی نہ رہ جائے گی اور وہ "اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ" کی زد میں آجائیں گے۔ اسی طرح کوئی صاحب اگر نماز وروزہ کے پابند اور منہیاتِ شرعیہ سے مجتنب رہیں گے تو وہ فسق وفجور کے مرتکب شمار ہونے لگیں گے۔ اسی لیئے اقبال نے لکھا ہے ؎

یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

میرے بھائیو! کوئی سید ہو۔ علامہ ہو۔ مغل ہو۔ پٹھان ہو یا سیّد صاحب ہو ان کے لیئے صحتِ عقیدہ وحسن عمل بہرحال لازم ہے

قرآن کے ورق

دیکھئے! قرآن پاک کس قدر تعظیم کے لائق کتاب ہے لیکن اگر اس کی جلد اکھڑ جائے تو اسے شکنجے میں کس لیا جاتا ہے تاکہ اسکی جلد باندھ لی جائے۔ اور اس کے ورق ضائع نہ ہوں۔ بھائیو! اسی طرح کسی مغل، پٹھان یا سیّد صاحب کی شرعی جلد اکھڑی نظر آئے تو اسے بھی شرعی شکنجہ میں کس دینا جائز بلکہ ضروری ہے تاکہ اس کے اعمال صالح ضائع نہ ہوں۔ پس یہیں سے یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ یوں کہنا کہ فلاں صاحب بڑے آدمی ہیں۔ فلاں صاحب شاہ صاحب ہیں۔ فلاں صاحب یہ ہیں۔ اور وہ ہیں۔ لہذا وہ کچھ بھی کریں۔ انہیں کچھ نہ کہنا چاہیئے یہ بات غلط ہے اور ایسا کہنے والا ان کا خیر خواہ نہیں بلکہ بدخواہ ہے تو بھائیو! حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی طرح آپ بھی اہل بیت عظام کی تعظیم اپنا شعار بنا لیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بائیسواں خطاب ۲۲

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَنَا حُبِّبَ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ عِشْرَۃُ الْخَلْقِ بِالتَّلَطُّفِ وَتَرْکُ مَا یُؤَدِّیْ اِلَی التَّکَلُّفِ وَالْاِقْتِدَاءِ بِطَرِیْقِ التَّصَوُّفِ۔

پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ مجھے بھی تمہاری دُنیا کی تین چیزیں پسند ہیں۔ مخلوق سے لُطف و کرم کے ساتھ پیش آنا۔ تکلّفات کو چھوڑنا، اور تصوّف کی راہ پر چلنا۔

حضرات! جب یہ حدیث پاک حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی تین چیزیں بہت پسند ہیں۔

عِشْرَةُ الْخَلْقِ بِالتَّلَطُّفِ ۔ مخلوق کے ساتھ لطف و کرم کے ساتھ پیش آنا،،

وَتَرْكُ مَا يُؤَدِّي إِلَى التَّكَلُّفِ ۔ اور تکلیف کی باتیں چھوڑ دینا،،

وَالْاِقْتِدَاءُ بِطَرِيْقِ التَّصَوُّفِ ۔ اور تصوف کے راستے پر چلنا،،

پہلی چیز میرے بھائیو! حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کی پہلی پسندیدہ چیز،، مخلوق کے ساتھ لطف و کرم کے ساتھ پیش آنا،، ہے۔ اور یہ بھی بڑی مبارک اور اچھی چیز ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ۔ (مشکوٰۃ ص۴۱۳)

جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اس پر خدا رحم نہیں کرتا،،

دوسری جگہ فرمایا،۔

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۳)

تم زمین والوں پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم فرمائیگا۔

اس حدیث کا ترجمہ کسی شاعر نے کیا ہے۔ کہ ؎

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالمگیر لطف و کرم اور ہمہ گیر رحمت و شفقت لے کر تشریف لائے۔ اور آپ کی تعلیم یہی ہے کہ ہر ایک سے لطف و کرم اور محبت و شفقت کے ساتھ پیش آؤ۔

شاعر نے آپ کی سیرت مطہرہ حسب ذیل تضمین میں بیان کردی

سردار نسل آدم، مختار ہر دو عالم
عقبے کا آسرا ہیں، دنیا کا ہیں سہارا
خلق عظیم والے لطف عمیم والے
عالم پہ ان کے احسان ہیں عام آشکارا
وہ خلق تھا کہ جس سے بن جائے دوست
وہ لطف تھا کہ جس سے دشمن ہو موم سنگ خار
حکمت ہمیں بتا دی حسن معاملت کی
سمجھا دیا یہ سب کو جن کو نہ تھا گوارا
آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حروف است
با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا"

ہاں تو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اسی تعلیم رحمت کے پیش نظر اپنی پہلی پسندیدہ چیز، "مخلوق کے ساتھ لطف و کرم کے ساتھ پیش آنا" بیان فرمائی ہے۔ اور ہمیں بھی چاہیئے کہ مخلوق کے ساتھ ہم لطف و کرم سے پیش آیا کریں۔

بھائیو! ہمارے بزرگ تو بیگانوں سے اچھا سلوک فرماتے ہیں اور آج ہم اپنوں سے بھی فساد و جنگ پر آمادہ رہتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا بیگانوں سے بھی نیک سلوک تھا۔ جس کی وجہ سے کئی لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور آج ہمارا اپنوں سے بھی اچھا سلوک نہ ہونا اس امر کا موجب ہے اغیار کو اسلام پر طعنہ زنی کا موقعہ ملے۔ بھائیو! اپنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خوب یاد رکھو۔ کہ لَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَّا یَأْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ یعنی اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ دوسروں سے محبت رکھے۔ نہ دوسرے اس سے محبت رکھیں مخلوق سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آنے والے سب آپ کو چاہنے لگیں

گے۔ اور اگر آپ تند مزاج اور اکھڑپن سے رہیں گے۔ تو سب آپ سے پرے پرے رہیں گے۔ اور وہ انسان کیا ہوا جس سے دوسرے انسان ڈرنے لگیں یہ تو درندہ پن ہے کہ لوگ اُسے دیکھ کر سہم جائیں۔ اور جب ایسا شخص گزر جائے تو شکر کریں گے۔ کہ شکر ہے یہ صاحب گزر گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ مَنْ اَخَافَ مُسْلِمًا اَخَافَہُ اللّٰہُ جو شخص کسی مسلمان کو ڈراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ڈرائے گا۔

اور آج کل یہ بھی ایک فیشن ہے۔ کہ اپنی شکل و صورت اور چال ڈھال ایسی بناؤ۔ جس سے دوسرے پر اثر پڑے۔ یعنے ڈر جائے گویا بھیڑیا پن بن کر نکلو۔ تاکہ جہاں نکل جاؤ۔ لوگ ڈرتے چلے جائیں۔ بھائیو! اسلام ایسی روش سے روکتا ہے۔ اور وہ مخلوق کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آنے کا درس دیتا ہے اور وہ یہ سکھاتا ہے کہ مخلوق کو نہ ڈراؤ۔ اور خود خالق سے ڈرتے رہو

بھائیو! آج دلوں میں کچھ ایسی انانیت پیدا ہو چکی ہے کہ دوسروں کو کچھ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اور کوئی شخص ذرہ سی بھی خلافِ مزاج بات کہہ دے تو ہم آپے میں نہیں رہتے۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ اسے بلا انتقام چھوڑا ہی نہ جائے

حضرت بایزید کا قصہ

اور ایک وقت ایسا بھی تھا۔ کہ بزرگانِ دین بڑی بڑی تکلیف دہ باتوں پر بھی عفو و کرم سے کام لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ عید کے روز حمام میں سے غسل کر کے کپڑے بدل رہے تھے۔ اور راستے میں جا رہے تھے کہ کسی نے کوٹھے پر سے کوڑے کا ٹوکرا آپ کے سر پر۔ پھینک دیا۔ یہ ایک ایسی بات تھی۔ کہ اس پر اتنے بڑے شخص کو جتنا بھی غصہ آتا ہے کم تھا۔ مگر حضرت بایزید نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اور سیدھے گھر چلے گئے ہوور بناد ہو کر دوسرے کپڑے پہن لیے پیشانی پر بل بھی تو نہیں۔

پڑے۔ دیکھا آپ نے یہ پاک لوگ کس قدر رحم دل تھے۔ بھائیو! جو لوگ مخلوق سے اچھا برتاؤ نہیں کرتے اسکی سب سے بڑی وجہ انانیت ہے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے۔ حالانکہ کوئی لاکھ بڑے سے بڑا بھی ہو مگر حق تعالیٰ کے سامنے وہ چھوٹا ہی ہے اور خدا تعالیٰ ہر وقت حاضر ناظر ہے ہی۔ تو ایسے شخص کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے نظر ہٹ جائے۔ اور یہ کس قدر غفلت کی بات ہے۔ ؎

ہر آنکہ غافل از وے یک زمان است

دراں دم کافر است امانہاں ، است

معلوم ہوا۔ کہ انانیت کا باعث یہی حق تعالیٰ سے غفلت ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہیں۔ وہ انانیت سے دور ہیں اور جب انانیت ہی نہ ہوگی۔ تو ایسا شخص مخلوق کے ساتھ کبھی بدخلقی و کجروی سے پیش نہ آئے گا۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے۔ کہ حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوں اور ہر وقت اس پر نظر رہے۔ اور اس کی مخلوق سے سختی کرتے وقت اس بات کا دھیان رہے کہ مجھ سے بھی بڑا بلکہ سب بڑوں سے بڑا خدا تعالیٰ کل مجھ سے ضرور پوچھے گا کہ تم نے کس بات پر گھمنڈ کر کے میری مخلوق کو ستایا۔ پس اے مسلمانوں لوگوں سے نیک برتاؤ کرو اور مخلوق سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آؤ۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمتہ نے اپنی پہلی پسندیدہ چیز یہی بیان فرمائی ہے۔ کہ مخلوق سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آنا۔

دوسری چیز

اور دوسری اپنی پسندیدہ چیز آپ نے تکلف کی باتوں کو چھوڑنا۔ بیان فرمائی ہے۔ بھائیو! یہ تکلف واقعی سراسر تکلیف ہی ہے اسلام اس قسم کے ہر تصنع اور بناوٹ سے منع فرماتا ہے تکلف میں بھی انانیت پائی جاتی ہے۔ یعنی خواہ مخواہ اپنی شو، اور بناوٹ کے لیے کسی بات کو اپنانا۔ اور ایسی بناوٹ کر لینا جس کی حقیقت کچھ بھی نہ ہو۔ اپنی

حیثیت اور طاقت سے زیادہ پوزیشن بنا اور لوگوں میں ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے دوسروں کی نظر میں اپنا بلند ہونا ثابت ہو اور اسی طرف نظریں اٹھائیں۔ حالانکہ ایسا شخص بجائے عزت پانے کے اور بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے جب لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے۔ کہ حضرت کی صرف بناوٹ ہی بناوٹ ہے۔ تو ان کی نظر میں ایسا شخص اور بھی زیادہ گر جاتا ہے۔ بھائیو اگر یہی مقصد ہے کہ اس طرح لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں گی۔ تو پھر اس سے زیادہ بہتر یہ ہے ایک کُتے کا چہرہ خرید لو۔ جو دو پیسہ میں مل جائے گا۔ اور منہ پر باندھ لو۔ پھر دیکھو۔ جہاں نکلو گے۔ نظریں تمہاری طرف ہی اٹھیں گے۔ بلکہ بچے تالیاں بجاتے ہوئے آپ کا جلوس بھی نکال دیں گے۔ اور اگر آپ اسے ذلت کی بات سمجھتے ہیں۔ تو پھر اسی طرح دوسری بھی ہر بناوٹ۔ کو اور جملہ تکلفات کو ذلت ہی بات سمجھیے۔ یہ انگریزوں کی سی چال ڈھال اور پاکستانی ہوتے ہوئے گفتگو کرتے بھی خواہ مخواہ انگریزی بولنا۔ اور اگر اردو بھی بولے تو نصف سے زیادہ انگریزی لفظ بولنے۔ یہ تکلفات نہیں تو اور کیا ہے۔

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! دیکھ لو۔ آج کل یہ مرض کس قدر عام ہے کہ چال ڈھال اور لباس و کلام میں سراسر تکلف ہی تکلف ہے آج کل یہ تکلف بھی عام ہے۔ کہ گفتگو کرتے وقت گستاخی معاف ضرور کہا جائے گا۔ بلکہ یہاں تک

گستاخی معاف

کہ کلام کرنے سے پہلے ہی یہ جملہ کہہ لیا جاتا ہے کہ گستاخی معاف ہو۔ یہ بات یوں ہے۔ گویا گستاخی سے پہلے ہی معافی مانگ لی جاتی ہے۔ ارے بھائی! جب اسے گستاخی سمجھتے ہو؟ گستاخی معاف آپ کا اسم شریف؟۔ فرمایئے کیا نام پوچھنا بھی کوئی گستاخی ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو پھر معافی کس بات کی؟ معلوم ہوا۔ کہ یہ محض فیشن و تکلف ہی ہے۔

کوٹ پتلون

اسی طرح جیب میں چاہے ایک پیسہ تک نہ ہو گا۔ مگر کوٹ پتلون ضرور پہننا ہے دیکھتے ہیں جو اُردو تک پڑھنا لکھنا نہیں جانتے اور پائی پائی کے لیے محتاج ہیں۔ مگر شکل و صورت اور لباس۔

ایسا بنا رکھا ہے کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ یہ کوئی بہت بڑا رئیس ہے اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ ایسا شخص وقت آنے پر ذلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے:"

ان پڑھ بابو ایک ان پڑھ بابو کوٹ پتلون پہنے ہوئے جا رہا تھا کہ عورت نے اُسے کوئی پڑھا لکھا آدمی سمجھ کر اُسے ایک تار پڑھ کر سنانے کو دیا۔ جو اسے اسی وقت ملا تھا۔ بابو جی نے تار لیا اور اُسے دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ عورت نے جو اُسے روتا دیکھا۔ تو سمجھی کہ میرا بیٹا جو پردیس میں ہے شاید وہ مر گیا۔ اور اسی لیئے رونے لگا۔ چنانچہ عورت روتی چلاتی گھر پہنچی۔

لوگوں نے وجہ پوچھی کہ۔ تو بولی! میرا بیٹا مر گیا ہے۔ یہ تار آیا ہے ایک پڑھے لکھے آدمی نے وہ تار دیکھا۔ تو اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ تم کو کس نے بتایا کہ تمہارا لڑکا مر گیا ہے۔ تمہیں مبارک ہو۔ اس میں تو لکھا ہے کہ تمہارے اللہ نے پوتا دیا ہے۔۔ یہ خبر سن کر عورت نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے۔ اور پھر غصہ میں بھری ہوئی۔ اُن پڑھ بابو کے پاس گئی اور کہا۔ کہ ظالم! تو نے یہ تار دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ ، وہ بولا! میرے رونے کی وجہ تو یہ تھی کہ میں پڑھا۔ لکھا بالکل نہیں ہوں۔ اُردو تک نہیں جانتا۔ مگر میرا سوٹ دیکھ کر مجھے پڑھا لکھا گمان کر کے جب تار مجھے دیا۔ تو میں سوچ کر کہ میں بالکل جاہل ہوں افسوس کرنے لگا تھا۔ کہ اے کاش! میں کچھ پڑھ لکھ بھی لیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج یہ تار پڑھ کر سنا دیتا۔ میں اپنی جہالت پر رو پڑا تھا۔ عورت نے کہا۔ کمبخت میں نے اس سے یہ سمجھا تھا کہ شاید کوئی۔ بُری خبر ہے۔

مونچھوں پر گھی ایک اور ڈینگ مار شخص کا بھی ایک قصہ ہے کہ اس نے دنبہ کی پاؤ بھر چربی خرید رکھی تھی۔ اور ہر روز اس چربی کی چکناہٹ اپنی مونچھوں پر مل کر باہر نکلتا تھا۔ اور لوگوں سے کہتا تھا کہ میری میں ہر روز ایسی ترکاری کھاتا ہوں جس میں گھی کے کثرت استعمال سے ہر وقت

چپکی رہتی ہیں۔

چند روز تو اس کی بناوٹ میں گزر گئے۔ ایک روز اس کی وہ ساری چربی بلّی کھا گئی۔ دوسرے روز باہر نکلا۔ تو مونچھیں بالکل خشک تھیں۔ اس روز وہ اپنے منہ کو چھپائے ہوئے نکلا۔ اور بڑا شرمندہ ہونے لگا۔ کہ اب لوگوں سے کیا کہوں "

بھائیو! یہ تکلف کی چکناہٹ ایک نہ ایک دن ضرور ذلیل کرتی ہے لہٰذا ان تکلفات سے بچو۔ آج کل ہمارے شب و روز تکلفات میں گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہر کام میں تکلفات ہی تکلفات ہیں۔ بیاہ شادی میں کھانے پینے میں تکلف ہی تکلف ہے۔ بھائیو! اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کو دیکھو۔ کہ حقیقت ہی حقیقت ہے تکلف کا نام تک نہیں۔ اس تکلف کا نتیجہ بہرحال اچھا نہیں۔ لہٰذا تکلفات سے کام نہ لو اور تکلف کو چھوڑو۔ اور سیدھے سادے اور سادہ طرز کے مسلمان بنو۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اپنی دوسری پسندیدہ چیز یہی بیان فرمائی ہے کہ ان تکلفات کی باتوں کو چھوڑو۔

تیسری چیز

حضرت امام شافعی نے اپنی پسندیدہ تیسری چیز تصوّف کے راستے پر چلنا بیان فرمائی ہے۔ میرے بھائیو! پہلے تصوّف کا معنی سمجھ لو۔ اس کا معنی اہل لغت نے لکھا ہے۔

از خواہش نفسانی پاک شدن " نفسانی خواہش سے پاک ہونا یکسو شدن و رو گردانیدن است چوں واصلانِ حق از ماسوی اللہ یکسو مے شوند و رو میگردانند لہٰذا کار ایشاں را تصوف گفتند (غیاث اللغات) یکسو ہونا اور منہ پھیر لینا۔ چونکہ اللہ والے ماسویٰ اللہ سے یکسوئی کر لیتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، اس لیے ان کے کام کو تصوّف کہتے ہیں "

حضرات! تصوف دراصل شریعت ہی کا عطر ہے۔ اور کمالِ شریعت ہی تصوف ہے۔ اس معنی کے پیشِ نظر حضرت امام شافعی کا مقصد سمجھ لیجئے۔ کہ خواہشاتِ نفسانیہ سے پاک رہنا اور ماسوائی سے بالکل یکسوئی اختیار کر لینا اور شریعت ہی کے اشاروں پر چلنا انہیں بڑا محبوب تھا۔
بھائیو! ہمیں بھی اس اچھی اور مبارک چیز کو اپنانا چاہیئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فاروق سلطان قادری رح (1955-2016) الازہری





تئیسواں خطاب ۲۳

امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی پسند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۃ

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَ اَنَا حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ مُتَابِعَۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَخْبَارِہٖ ۔ وَالتَّبَرُّکُ بِاَنْوَارِہٖ ۔ وَ سُلُوْکُ طَرِیْقِ اٰثَارِہٖ ۔

پھر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ مجھے بھی تمھاری دُنیا کی تین چیزیں پسند ہیں ؛ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے ارشادات کی پیروی کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے برکت حاصل کرنا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا ''

حضرات جب یہ حدیث حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے بھی تین چیزیں بڑی پسند ہیں ''

مُتَابِعَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَخْبَارِهِ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اداہائے مبارک کی خبر پاکر ان کی اتباع کرنا ''

وَالتَّبَرُّكُ بِأَنْوَارِهِ — اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے انوار سے برکت حاصل کرنا ''

وَسُلُوكُ طَرِيقِ آثَارِهِ — اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آثار کے راستے پر چلنا ''

پہلی چیز حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی محبوب چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک اداؤں کی خبر پاکر ان کی اتباع کرنا یعنی جب یہ معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم یوں کلام فرماتے تھے۔ یوں قیام فرماتے تھے۔ یوں تشریف فرما ہوئے تھے یوں پانی نوش فرماتے تھے۔ الغرض آپ کی ہر ہر ادا کی خبر پاکر اسی رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے کی کوشش کرنا۔ یہ بات مجھے بڑی پسند ہے

بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ وہی بندہ خدا تعالیٰ کو پسند ہے جسے اس کے محبوب کی ہر ادا پسند ہے۔ اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاداتِ مبارکہ اور سیرتِ مطہرہ کو پیشِ نظر رکھتا ہے اور اپنی زندگی کو حضور کے اتباع میں۔

گزارتا ہے۔

دوسری چیز حضرت امام کی دوسری پسندیدہ چیز بھی یہی درس دیتی ہے۔ آپ نے دوسری چیز یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے برکت حاصل کرنا۔ آپ کے انوار یہی حضور کی اداہائے مبارکہ کو اختیار کر کے ان سے برکت حاصل کرنا۔ حضرت امام احمد حنبل کی دوسری محبوب چیز ہے۔

تیسری چیز اور تیسری آپ کی پسندیدہ چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے راستہ پر چلنا ہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا۔ یہی ایک ایسی روش ہے جس سے ہم منزلِ مقصود تک پہنچ کر سکتے ہیں۔ اور اگر ہم سرکارِ ابد قرار حضور احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلنا شروع کر دیں تو بجا طور پر یہ کہا جا سکے گا کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چوبیسواں خطاب ۲۴

ماڈرن لوگوں کی پسند

شراب و شباب اور کباب

پہلی چیز

ے بڑے عذاب میں ہے جان میکشاں ساقی
نہیں شراب تو ذکر شراب رہنے دے

دوسری چیز

ے ابھی شباب ہے کر لو خطائیں جی بھر کے
پھر اس مقام پہ عمر رواں ملے نہ ملے

تیسری چیز

ے ہم توبہ جب کریں گے شراب و کباب سے
قرآن میں جو آیا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ نہ ہو

مسلمانو! خدا تعالیٰ سے دعا مانگو۔ کہ وہ ہمیں ماڈرن لوگوں کی تین پسندیدہ چیزوں سے بچائے اور گذشتہ تین تین چیزوں پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

گنہ گار اُمتی

بشیر کی پسند

حضرات! ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہ کی بھی پسندیدہ تین تین چیزوں کا بیان ختم ہوا۔ اور ماڈرن لوگوں کی پسندیدہ چیزوں کا بھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مبارک فہرست میں اس گنہگار کا نام بھی آجائے اس لیئے آخر میں اب میں اپنی پسندیدہ تین چیزوں کا بیان کرتا ہوں۔ سنیئے۔

پہلی چیز

ع
مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

دوسری چیز

ع
آستانہ پہ ترے سر ہو اجل آئی ہو
اور اے جانِ جہاں تو بھی تماشائی ہو

تیسری چیز

ع
زمیں تھوڑی سی دیدے بہر مدفن اپنے کوچہ میں
لگادے میرے پیارے میری مٹی بھی ٹھکانے سے



فقیہِ اعظم حضرت مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی کا خاص عطیہ:

دافعِ اٹھراہ

جس عورت کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوتے ہوں یا کمزور ہو کر مر جاتے ہوں یا وقت سے پہلے حمل ساقط ہو جاتا ہو یا لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں اسے مرض اٹھراہ ہے اس نامراد مرض کے ازالہ کے لیے حضرت فقیہِ اعظم گولیاں اور تعویذات دیا کرتے تھے جس سے ہزاروں عورتیں بامراد ہو گئیں۔ اطبا حکما اور ڈاکٹروں نے تسلیم کیا ہے کہ اس مرض کیلئے

یہ روحانی علاج سو فیصد کامیاب ہے

الحمد للہ! یہ خاص عطیہ والد گرامی مجھے عطا فرما گئے ہیں ضرورتمند اصحاب مجھ سے

آٹھ ماہ کے لیے تعویذات اور گولیاں طلب فرمائیں،

نوٹ: یہ دوا حمل کے پہلے دوسرے یا پھر تیسرے ماہ تک شروع کر دینا لازم ہے۔ پھر بچہ پیدا ہونے تک دوائی جاری رکھی جاتی ہے۔ ترکیب استعمال ساتھ روانہ کی جائے گی؛

ہدیہ محصولڈاک سمیت -/۱۰۰

بچوں کے سوکڑے کا سو فیصد مفید رُوحانی علاج

تمینی

بچہ اگر سوکھ کر کانٹا بن چکا ہو، اس میں خون یا کیلشیم کی کمی ہو تو اس کے لیے تمینی منگوا کر قدرت کا کرشمہ دیکھیے گلے میں ڈالنے کا ایک تعویذ اور ۴۱ عدد گولیاں ہیں ہر روز ایک گولی پیس کر دہی کے چمچہ بھر پانی میں گھول کر پلائی جاتی ہے بچہ ہفتہ بھر میں ہی موٹا تازہ پہلوان نظر آتا ہے آزمائش شرط ہے۔

ہدیہ محصولڈاک سمیت -/۲۰ روپے

صاحبزادہ ابو النور محمد بشیر
دربار شریفی کوٹلی لوہاراں
ضلع سیالکوٹ